معلم التقریر

المعروف بہ

مواعظِ رضویہ

مصنف

مولانا [illegible] محمد صاحب

خواجہ بک ڈپو
دہلی

المعروف بہ

مواعظِ رضویہ

مصنف

مولانا نور محمد صاحب

KHWAJA BOOK DEPOT

419/2, Matia Mahal, Jama Masjid
Delhi-6 Mob: 9313086318, 9136455121
Email: khwajabd@gmail.com

خواجہ بکڈپو

۴۱۹/۲، مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶

نام کتاب : مواعظِ رضویہ (حصۂ ششم)

نام مصنف : مولانا نور محمد قادری رضوی

تصحیح : محمد جہانگیر حسن

کمپوزنگ : صفدر علی

پہلی بار : اکتوبر ۲۰۰۵ء

اشاعت جدید : نومبر ۲۰۱۴ء

تعداد : ۱۱۰۰

قیمت :

ملنے کے پتے

☆ عرشی کتاب گھر، پتھر گٹی، حیدرآباد، (اے. پی.)

☆ نورالدین کتب خانہ، کھجرانہ، اندور (ایم. پی)

☆ صوفی کتب خانہ، نزد موتی مسجد رائچور، کرناٹک

☆ عبدالرحمن کتب فروش، بپچروا بازار، بلرام پور (یو. پی)

☆ مکتبہ باغ فردوس، مبارک پور، اعظم گڑھ (یو. پی)

Name of Book : Mawaaiz-e-Rizvia (Part VI)
Auther : Maulana Noor Muhammed Qadri Rizvi
First Edition : October 2005
Second Edition : November 2014
Publisher : Khwaja Book Depot, 419/2, Matia Mahal, Jama Masjid
Delhi-6, Mob: 9313086318, 9136455121
E-mail: khwajabd@gmail.com
Price :

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ نمبر
پہلا وعظ	9
گنبد خضریٰ اور آرام گاہ مصطفیٰ	9
روضۂ انور زمین کعبہ سے افضل	9
گنبد خضریٰ جنت ہے	9
روضۂ اطہر کی جانب سفر کرنا	11
شد رحال کی حدیث کا جواب	12
حدیث کے درست معانی	13
روضۂ اطہر کا سفر صالحین کی سنت ہے	15
دوسرا وعظ	18
نصرانیوں کی ناکام کوشش	19
رافضی بھی ناکام ہوگئے	20
گنبد خضریٰ پر ملائکہ کی حاضری	22
تیسرا وعظ	23
مدینہ پاک کے فضائل	23
رسول اللہ کے نزدیک مدینہ کی محبوبیت	26
مدینہ میں مرنے والوں کی شفاعت	28
مدینہ کی برکتیں	30
احترام اہل مدینہ	31
چوتھا وعظ	34
روضہ انور کی زیارت باعث باعث	38
روضہ انور سے دارین کی نعمتیں ملتی ہیں	39
پانچواں وعظ	43
درود شریف کی تاکید	43
بندہ اور خالق کے درمیان فعل مشترک	44
حضور پر درود کا نزول ازل سے ابد تک	45
درود کی تاکید	46
دعا اور نماز درود کے بغیر قبول نہیں	48
قبل از درود پڑھنا دعا کی قبولیت کا باعث	49
درود شریف سے اعمال میں شیرینی	51
چھٹا وعظ	53
درود شریف کے کی فضیلت	53
عارفین باللہ کے اقوال	54
حکایات	54
درود پڑھنے سے عذاب دور ہوتا ہے	57

عنوان	صفحہ
درود خواں پر عرش کا سایہ	58
درود خواں کے لیے خصوصی سفارش	58
درود خواں کا بارگاہ رسالت	59
ساتواں وعظ	62
درود پاک پڑھنے کے فوائد	62
درود شریف ہر درد کی دوا ہے	62
درود پاک کا اخروی فائدہ	66
آٹھواں وعظ	70
کثرت درود پاک کی برکت	70
ذریعہ حصول زیارت مصطفیٰ	71
درود خواں کا نام...	73
ہمارا درود بارگاہ رسالت میں پہنچتا ہے	74
افضل درود شریف	76
جمعہ کے دن اور رات میں درود پڑھنا...	78
شب دوشنبہ میں درود شریف کی فضیلت	80
پنج شنبہ کو درود شریف پڑھنا بڑا ثواب ہے	81
درود شریف کے بہترین اوقات ومقامات	81
مجلس میں درود پاک	81
حضور کا نام لکھتے وقت درود شریف	82
تکبیر کے بعد درود شریف پڑھنا	83
ختم قرآن کے وقت درود شریف پڑھنا	83
مسجد میں داخل ہوتے وقت درود پاک	84
بازار میں آتے جاتے درود پڑھنا	84
مسجد میں داخل وخارج ہوتے وقت درود	84
نواں وعظ	86
علم کی فضیلت	86
حضرت آدم کی فرشتوں پر بزرگی	87
دسواں وعظ	88
کچھ عالم دین کی فضیلت کے بارے میں	96
خوف الٰہی سے جنت ملتی ہے	96
گیارھواں وعظ	102
طالب علم کی فضیلت	102
علم عبادت اور عالم عابد سے افضل ہے	104
بارھواں وعظ	108
علمائے دین کی مجلس کی فضیلت	108
عالم کی مجلس عابد کی مجلس سے افضل	109
صحبت عالم حضور کی صحبت ہے	111
مجلس علما کے فائدے	111
علمائے دین کی عزت واحترام...	121
علمائے دین کی بے عزتی دین کی بے عزتی	121
صاحب علم بڑے مرتبے کے حامل	123
صاحب علم بے پناہ فضیلت کا حامل	123
تیرھواں وعظ	124
بے عمل واعظ کی برائی	124

حصہ ششم
خواجہ بکڈپو
مواعظ رضویہ

عنوان	صفحہ
علم کا مسئلہ چھپانا گناہ عظیم	129
مسئلہ چھپانا دردناک عذاب کا موجب	130
مسئلہ چھپانے والے کے منہ میں لگام	130
بے علم کے لیے وعظ کہنا وبال عظیم	130
چودھواں وعظ	133
اعجاز قرآن اور اس کی ربانی حفاظت	133
قرآن مجید کے وجوہ اعجاز	137
قرآن پاک کے لیے الٰہی ذمہ داری	142
پندرھواں وعظ	144
قرآن پاک کس نے بھیجا؟	144
قرآن پاک منزول کون؟	145
ماخذ قرآن	146
تاریخ نزول قرآن	146
حضور کو قرآن کس نے سکھایا؟	147
حضور نے صحابہ کو قرآن سکھایا	147
اسمائے مبارکہ قرآن مجید	147
قرآن کریم کی پاکیزگی	149
قرآن مجید رہنمائے عالم	50
قرآن مجید کے حفظ ہونے کا معجزہ	152
سولھواں وعظ	154
قرآن مجید جامع علوم اور کامل شفا ہے	154
حضرت عمر کے ایمان لانے کا واقعہ	154
قرآن پاک سراپا شفا	157
قرآن حاجت روا ہے	159
قرآن جاں کنی میں آسانی پیدا کرتا ہے	160
وقت شب آیت الکرسی پڑھنا	160
آیت الکرسی شیطان سے بچاتی ہے	160
سترھواں وعظ	164
فضائل قرآن اور آداب تلاوت	164
آداب تلاوت قرآن	168
اٹھارھواں وعظ	172
اسلام ایک کامل اور عالم گیر مذہب	172
دین اکمل اسلام ہے	174
اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے	175
انیسواں وعظ	180
اسلام اور اشتراکیت	180
سرمایہ دارانہ نظام	180
نظام اشتراکیت	183
اسلام کا اقتصادی نظام	187
حقوق مساوات	188
قانونی مساوات	189
معیشت مساوات سے خالی ہے	190
اشتراکیت کا غلط نظریہ	190
معاشی نظام کو بہتر بنانے کا زریں اصول	191

عنوان	صفحہ
دولت مندوں کو عیاشی سے ممانعت	192
بیسواں وعظ	194
آداب مہمان نوازی	194
مہمان نوازی سنت انبیا ہے	194
اکرام واحترام مہمان	197
صحابہ کرام کی مہمان نوازی	199
مہمان اپنا رزق ساتھ لاتا ہے	204
مہمان اپنے میزبان کو تنگی میں نہ ڈالے	205
بوقت رخصتی مہمان کی عزت	206
جو مہمان کی خاطر نہ کرسکے اس کی بھی مہمانی	206
اکیسواں وعظ	207
کھانے کے آداب مسنونہ	207
حلال کھانا فرض ہے	207
کھانے کی مختلف صورتیں	208
کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا	209
کھاتے وقت بسم اللہ کہنا	210
مبارک دعا	211
داہنے ہاتھ سے کھانا	211
بائیں ہاتھ سے نہ کھائے	212
کھانے کے لیے تین انگلیاں	212
گرا ہوا لقمہ اٹھا کر کھانا	213
گرم کھانے سے پرہیز	214
کھانے وقت ننگے پاؤں ہونا	214
میز پر کھانے کی ممانعت	215
طریقہ نصاریٰ	216
اکٹھے مل کر کھانے میں برکت ہے	216
کھانے میں عیب نہ نکالنا چاہیے	217
قریب سے کھانا	217
کنارے سے کھانا چاہیے	218
کچا لہسن اور گندنا مکروہ ہے	219
میٹھی شئے، شہد اور کدو	219
سونے چاندی کے برتن کا استعمال ممنوع	220
پسینہ، رال اور مکھی گر جائے تو حرج نہیں	220
بھوک سے زیادہ کھانا بہت برا ہے	221
انگلیاں اور برتن چاٹنے کی ہدایت	222
کھانے کے شروع میں اور آخر میں نمک	222
کھانے کے بعد کی دعا	222
بائیسواں وعظ	224
پینے کے آداب و مسائل	224
تین سانس میں پینا	224
برتن داہنے ہاتھ سے پکڑنا چاہیے	225
ایک سانس میں پینا منع ہے	225
برتن میں پھونکنے کی ممانعت	226
سونے چاندی کے برتن میں پینا گناہ ہے	226

عنوان	صفحہ
دونوں ہاتھوں سے پینے کی فضیلت	227
مسلمان کا جھوٹا شفا ہے	228
کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت	228
زمزم اور وضو کا پانی کھڑے ہو کر پینا	228
ایک حکمت	229
دوسروں کو پانی پلانا ثواب کا کام ہے	230
ساقی سب سے آخر میں پیے	230
داہنی طرف والے کو پہلے پلانا چاہیے	231
شراب اور نشہ آور شئے پینا حرام ہے	232
حضور کو میٹھا اور ٹھنڈا پانی محبوب تھا	233
باسی پانی بھی رسول اللہ کو محبوب نظر تھا	234
تئیسواں وعظ	235
عیادت کے آداب	235
بیماری قرب الٰہی کا ذریعہ	236
ایک واقعہ	236
بیماری گناہوں کا کفارہ ہے	238
بیماری رحمت ہے	238
بیماری سے گناہ جھڑتے ہیں	239
بیمار کو تسلی دینا چاہیے	241
غیر مسلم کی عیادت	241
عیادت کا ثواب	242
چوبیسواں وعظ	244
پیارے نبی کی پیاری باتیں	244
حدیث اقدس کا شان نزول	244
فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے	246
صدقہ جاریہ	253
علم نافع	253
صالح اولاد	253
پچیسواں وعظ	256
فخر و غرور کی برائی	256
تکبر کیا ہے؟	258
ابلیس اور فرعون کے درمیان مکالمہ	261
حضرت سلیمان کو ہاتف کی نصیحت	262
غرور کی مختلف اقسام	263
بعض عظمتوں کی وجہ تسمیہ	265
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	266
صاحب تواضع مومن	266
حضرت ابو ایوب انصاری کی عظمت	267
ارشادات نبوی	267
ارشادات ربانی	269
بڑائی صرف اللہ کے لیے ہے	269
چھبیسواں وعظ	270
شکر الٰہی بر نعمت الٰہی	270
شکر گزاری دین کا سر چشمہ	271

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
شکر دینی و دنیاوی ترقیوں کی اساس ہے	272	باریک کپڑوں کی ممانعت	286
شکر کی اہمیت	273	ریشمی کپڑا حرام ہے	287
ہر نعمت پر شکر واجب ہے	274	لباس میں عورت سے مشابہت	289
شکر گزار کے ساتھ تائید الٰہی	276	داہنی جانب سے پہننا چاہیے	289
آخرت میں اللہ کی عنایت	277	لباس میں کفار کی مشابہت سے بچنا چاہیے	290
ستائیسواں وعظ	277	نیا کپڑا پہننے کی دعا	290
لباس پہننے کے آداب و مسائل	279	**اٹھائیسواں وعظ**	292
لباس پہننے کی صورتیں	280	عیب جوئی	292
لباس کی ضرورت	280	چغلی خوری کیا ہے؟	293
اچھا کپڑا پہننا	281	ویل کیا ہے؟	293
لباس صاف ستھرا ہو	281	چغلی خور کی مذمت	294
متکبرانہ لباس نہ پہنے	282	چغلی خوری زنا سے زیادہ موجب گناہ ہے	295
بغرض شہرت کپڑا پہننا وبال ہے	283	چغلی خوری شیطانی سے بڑھ کر ہے	295
کپڑا نیچے گھسیٹنا برا ہے	283	غیبت شرک سے بالاتر ہے	296
رنگین کپڑوں کے بارے میں	284	غیبت کے اقسام	297
سبز کپڑے پہننا	284	غیبت چھ جگہوں پر جائز ہے	297
سرخ اور زرد کپڑے	284	غیبت سننے پر رد عمل	298
جامنی یا نیلا کپڑا	285	غیبت کا علاج	298
سیاہ کپڑا	285	غیبت کا کفارہ	299
سفید رنگ کپڑے	285	حکایات	299

پہلا وعظ

گنبد خضریٰ اور آرام گاہ مصطفیٰ کی فضیلت

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا. (سورۂ نسا، آیت:64)

ترجمہ: جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں اور اے محبوب! تیرے حضور حاضر ہوں، پھر اللہ سے مغفرت طلب کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے سفارش فرمائیں تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں۔

روضۂ انور زمین کعبہ سے افضل ہے

ملت اسلامیہ کے تمام علما اور مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ جس جگہ قبر انور جسم اقدس سے وصال کرتی ہے وہ جگہ اس قدر فضیلت کی حامل ہے کہ کعبہ معظمہ بھی نہیں، یعنی وہ جگہ رتبہ میں کعبہ معظمہ سے برتر ہے۔ اس میں کسی قسم کا اختلاف رائے نہیں پایا جاتا اور بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ تربت اقدس ہفت افلاک اور عرش عظیم سے بھی افضل و اعلیٰ ہے، کیوں کہ اس میں ساری مخلوق سے افضل ہستی کا مقام ہے۔

تربتِ مقدس کی عظمت کے بارے میں "جذب القلوب" صفحہ نمبر:17 پر مرقوم ہے اور "جواہر البحار" صفحہ نمبر:7 پر بھی درج ہے۔ اس کے علاوہ "نزہۃ المجالس" جلد اول، صفحہ:159 پر بھی تحریر ہے۔

گنبد خضریٰ جنت ہے

سرور دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے روضۂ اطہر کے بارے میں یوں ارشاد

فرمایا: مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ۔

یعنی جو میرے گھر اور منبر کے درمیان ہے وہ باغات جنت میں سے ایک باغ ہے۔

بعض روایات اس طرح سے بھی ملتی ہیں:

مَا بَیْنَ قَبْرِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ۔

یعنی میری قبر اور منبر کے درمیان جنتی باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح جنت میں اللہ کی رحمت کی بارشیں ہوتی رہتی ہیں اسی طرح روضۂ اطہر پر بھی رحمت کی بارشیں برستی رہتی ہیں۔

اس کے علاوہ اس حدیث کے معانی بعض علمائے کرام نے یہ بھی بیان کیے ہیں کہ اس حدیث میں "جنت کا باغ" سے مراد یہ ہے کہ اس جگہ عبادت کی جائے تو اجر کے طور پر جنت ملتی ہے۔ حدیث مبارکہ کے یہ معانی بیان کرنے کی خاطر دو اور احادیث مماثلت کے طور پر بیان کی جا رہی ہیں:

پہلی حدیث یہ ہے: اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ۔

یعنی تلواروں کے سائے میں جنت ہے۔

اور دوسری حدیث یوں ہے: اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّھَاتِ۔

یعنی جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔

مماثلت کے طور پر بیان کردہ ان دونوں احادیث مبارکہ کا بالترتیب مطلب یہ ہوا کہ جس طرح جہاد یا اللہ کے لیے سیوف برداری سے جنت ملتی ہے اور ماؤوں کی خدمت گزاری سے جنت ملتی ہے، اسی طرح روضۂ اطہر کی زیارت سے جنت ملتی ہے۔

اب ہمارے پاس اس حدیث کے دو مطالب ہو گئے: اول یہ کہ اللہ کی رحمت اس طرح روضۂ اقدس پر برستی ہے جس طرح جنت پر پانی، یعنی یہ کہ روضۂ اطہر کی زیارت سے جنت ملتی ہے۔ محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نزدیک یہ دونوں معانی اپنی صحت کے اعتبار سے کمزور ہیں: پہلا مطلب صحت کے لحاظ سے یوں غیر معتبر ہے کہ رحمت الٰہی تو نوازشوں کے لیے بہانے تلاش کرتی رہتی ہے اور مختلف حیلے بہانوں سے ہر جگہ نزول کرتی رہتی

ہے۔ ایسی صورت میں روضۂ اقدس کی تخصیص کہاں باقی رہتی ہے، اس لیے یہ معانی غلط ہیں۔ دوسرا معنی اس طرح غلط ہے کہ اللہ کی عبادت جس مکان اور جس مسجد میں کی جائے وہ جنت کا باعث ہوتی ہے۔ یہاں پر بھی روضۂ اقدس کی تخصیص باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا یہ دونوں معانی کمزوری کے حامل ہیں۔

شیخ محدث دہلوی کے نزدیک تحقیق یہ تقاضا کرتی ہے کہ کیا کلام خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ روضۂ اقدس جنت کا ٹکڑا ہے۔ جب یہ عالم آب و گل ختم ہو جائیں گے اور میدان محشر قائم ہوگا تو روضۂ اقدس کو جنتِ اعلیٰ میں لایا جائے گا۔

اس کو ابن جوزی اور ابن فرحون نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی اور اکثر دیگر محدثین نے اس قول کو درست مانا ہے۔

اس حدیث کا ایک اور قریب ترین درست مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ روضۂ انور جنت کا ایک ٹکڑا ہے جو کہ جنت سے بطور خاص مالک جنت کے آرام کے واسطے اس دنیا میں لایا گیا ہے اور روز محشر واپس جنت میں بھیجا جائے گا۔

یہ درست ترین مفہوم مکہ معظمہ کے جلیل القدر عالم دین حضرت ابن ابی حمزہ کا ہے۔

(جذب القلوب، صفحہ: 131 تا 133)

روضۂ اطہر کی طرف سفر کرنا سعادت کا باعث

محبوب کی طرف سفر کرنے میں کیف و سرور سے مزین ایک لذت ہوتی ہے، جذب و مستی سے پُر وجد آفریں سرور ہوتا ہے۔ یوں تو زندگی میں انسانوں کو کئی ایک سفر در پیش ہوتے ہیں لیکن سب سفروں سے مبارک، اعلیٰ و افضل وہ سفر ہوتا ہے جو سوئے محبوب کیا جائے۔ پھر اگر اس سفر کا منتہائے نظر محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے قیام ہو تو یہ سفر عمر گی میں بے مثال ہوگا اور بہتری میں لاجواب ہوگا۔

امت مسلمہ کے علمائے گرامی کے نزدیک گنبد خضریٰ کا سفر نہ صرف جائز ہے بلکہ اعلیٰ رب کی قربت کا باعث ہے۔

برادران گرامی! ازل سے لے کر آج تک کی تاریخ جہاں عقلا کے روح پرور نظریات سے

بھرپور ہے وہاں جہلا بھی کثیر تعداد میں نظر آتے ہیں، یعنی دو گروہ ازل سے چلے آرہے ہیں۔ ایک عقلا کا اور دوسرا جہلا کا۔ عقلا نے جہاں قوم کو حکمت کی روشنی دکھائی وہاں جہلا نے قوم کو صراط مستقیم سے بھٹکا کر اندھیاروں میں دھکیلا۔ جہلا نے عقل کی ہر بات کی نفی کی، ان کی ہر بات کو جھٹلایا، ان کی ہر بات کا غلط مطلب اخذ کیا اور ہر ممکن کوشش کی کہ قوم صراط مستقیم سے بھٹک کر راستے کی تاریکی میں ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتی رہے۔

جہلا کے اسی گروہ نے بعض نام نہاد مولوی صاحبان نے پیدا کیے جنھوں نے محبوب کائنات کے روضے کی طرف سفر کرنے کو غلط، ناجائز اور بدعت قرار دیا اور امت کے کلمہ گو افراد کو کہا کہ وہ کلمہ پڑھانے والے کے پاس نہ جائیں۔ اپنے اس غلط اور باطل عقیدے کی سچائی کے ثبوت میں وہ مندرجہ ذیل حدیث بیان کر کے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایسا کرنے کا حکم دیا ہے: لَا تَشُدُّوا الرِّحَالَ اِلَّا اِلٰى ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ۔

یعنی سفر نہ کرو مگر تین مسجدوں کی طرف۔ (مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ)

برادران گرامی! اب اگر ہم ایک لمحے کے لیے ان کے باطل عقیدے کو درست مان لیں پھر بھی ان کے پاس اور ہمارے پاس اس سوال کا کیا جواب ہوگا کہ جب مندرجہ بالا میں سفر ہی جائز ٹھہرے، تو پھر جہاد اور سفر حصول علم بھی ممنوع ٹھہرا۔ جب کہ جہاد کو لازم قرار دیا گیا ہے اور علم کو تو ماں کی گود سے لے کر قبر کی لحد تک حاصل کرنے کا حکم ہے۔

ایسی صورت میں ان کے اس نظریے کو ہم کس طرح درست مان سکتے ہیں۔ یہاں پر ایک اور سوال جنم لیتا ہے کہ اگر ان کا نظریہ غلط ہے تو ان کے اس نظریے کو غلط ثابت کرنے کا کیا جواب ہے۔

شدِ رحال کی حدیث کا جواب

جن علمائے حق نے ان مولوی صاحبان کو جواب دیے، ان میں سے ملا علی قاری، امام غزالی، شیخ محدث دہلوی جیسے مستند اور اعلیٰ پایہ کے بزرگ بھی شامل ہیں۔ ان کا فرمان ہے کہ اگر شد رحال کی حدیث کا مذہبی مطلب وہ لیا جائے جو باطل عقائد مولوی بیان کرتے ہیں تو یہ لازم آتا ہے کہ جہاد کا سفر حرام ہو جائے، تحصیل علم کے لیے سفر ناجائز ٹھہرے، اسی طرح تجارت کے لیے سفر ممنوع ہو، اور ہجرت کے لیے سفر خلاف شرع اور بدعت قرار پائے۔

برادران گرامی! پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کیا، ہجرت فرمائی، تجارت کی، گویا یہ اعمال سنت ہیں، لیکن بے عقل لوگوں کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ان کی نفی کی ہے۔ ذرا آپ ہی غور کریں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سنت کی نفی کا حکم کس طرح دے سکتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ انھوں نے اس حدیث کے معانی غلط لیے ہیں اور سمجھنے میں سخت ترین غلطی کی اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اپنے اس غلط عقیدے پر اس طرح اڑے ہیں کہ باوجود سمجھانے کے بھی نہیں سمجھتے۔

اب یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ عقیدہ غلط، باطل اور ناجائز ہے اور ان مولوی صاحبان نے اس کے غلط معانی اخذ کیے ہیں، اگر یہ معانی غلط ہیں تو آئیے ذرا دیکھیں کہ اس حدیث کے افضل اور درست معانی کیا ہیں:

حدیث کے درست معانی

اس حدیث کے درست معانی سمجھنے کے لیے لغت، نحو اور معانی سے واقفیت ضروری ہے اور حدیث کے غلط معانی بیان کرنے والے مولوی ان علوم کی تحصیل بھی بدعت سمجھتے ہیں۔ اس وجہ سے حدیث کا غلط مطلب سمجھ کر دوسروں کو بھی غلط بتلاتے ہیں۔ خود جاہل ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

دراصل جہلا کا مشن ہی یہ ہے کہ لوگوں کو دھوکہ دے کر ان کے دین و ایمان میں لغزش ڈالی جائے۔

اب ذرا حدیث کا اصل مطلب ملاحظہ ہو۔

یہاں پر استثناء مفرغ ہے اور نحوی قاعدہ کے مطابق اگر استثناء مفرغ میں مستثنیٰ منہ جو کہ محذوف ہوتا ہے ہو تو اس کا تعلق مستثنیٰ کی جنس سے ہوتا ہے اور یہاں پر مستثنیٰ منہ محذوف ہے اور وہ لفظ مساجد ہے۔ اب تقدیر عبارت یوں ہوگی۔

لَا تَشُدُّوا الرِّحَالَ اِلَّا اِلٰى ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ۔

یہاں پر مطلب صاف ظاہر ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر نہ کرو، ہرگز مطلقاً منع نہیں بلکہ اس وقت منع ہے، جب کہ زیادتی ثواب کی غرض سے کسی اور مسجد کی

طرف سفر کرنا ہے۔ اس لیے کہ ان مساجد کے علاوہ دیگر تمام مساجد بھی یکساں ثواب کی حامل ہیں، اور یہی بات حدیث پاک بیان کرتی ہے۔

نفس سفر تو ہر مسجد کی طرف جائز ہے۔ بالکل اس طرح جیسے کہ کوئی بادشاہ مسجد کی طرف سفر کرے، کیوں کہ خود سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا کی طرف سفر کیا کرتے تھے۔ اس سفر کے دوران آپ پیدل بھی ہوتے تھے اور سوار بھی۔ شد رحال کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بشرط زیادتی ثواب کسی دوسری مسجد کی طرف سفر کرنا منع ہے۔

اس حدیث میں کہیں بھی اس امر کا حکم وارد نہیں ہے کہ روضۂ اطہر کی جانب سفر کرنا منع ہے۔
(جذب القلوب، صفحہ: 212 تا 215)

برادران گرامی! قرآن و حدیث کا غلط مطلب بیان کر کے سیدھے سادے اور بھولے بھالے مسلمانوں کے ایمان کو خراب کرنا صرف آج کے اسلام دشمن عناصر کا کارنامہ نہیں، بلکہ آج سے کئی سو سال قبل کے جہلا کا وطیرہ ہے اور اس کا عروج سلطان صلاح الدین ایوبی کے زمانے میں صلیبیوں کی طرف سے ہوا۔ صلیبیوں نے جب یہ محسوس کیا کہ وہ میدان جنگ میں حرب و ضرب سے اسلام کو نیچا نہیں دکھا سکتے تو انھوں نے یہ طریقہ کار اختیار کیا کہ مسلمانوں کی کردار کشی کی جائے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے بے پناہ دولت کے ساتھ مسلمان امرا کو اپنی بیٹیاں اور بہنیں دیں اور عام لوگوں کو راہ مستقیم سے بھٹکانے کے لیے یہ طریقہ اپنایا کہ اپنے جاسوسوں کو بہروپیہ بنا کر مسلمانوں کے علاقے میں بھیجا۔ جو مختلف شعبدوں اور قرآن و حدیث کا غلط بیان کر کے مسلمانوں کے ایمان پر حملہ کرتے تاکہ ان کے دلوں سے جذبۂ جہاد مٹ جائے اور وہ صلیبیوں کے خلاف صلاح الدین ایوبی کی کمان میں جمع نہ ہو سکیں اور صلیبی آسانی سے صلاح الدین ایوبی کو شکست دے کر اسلام کو نیچا دکھا سکیں۔

صلیبیوں کی اس کارروائی کا تفصیلی ذکر (ناولانہ انداز میں) نسیم حجازی نے اپنی کتاب "داستان ایمان فروشوں کی" کے اوراق میں تحریر کیا ہے۔

چنانچہ آج یہود و نصاریٰ اور جہلا صلیبیوں کے اسی مشن کو اپنائے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کو بے راہ روی میں مبتلا کرنے کی خاطر وہ قرآن و حدیث کا غلط مطلب بیان کرتے ہیں، تاکہ

مسلمانوں کا جذبۂ ایمان کمزور پڑ جائے۔ ایسے لوگوں کا وجود اسلام کے لیے سم قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایسے لوگ اسلام دشمن ہیں۔ ایسے لوگوں سے ہر ممکن کوشش کریں کہ ان سے دور رہیں، ورنہ یہ اپنا زہر سارے اسلام میں پھیلا دیں گے۔

روضۂ اطہر کا سفر صالحین کی سنت ہے

محبوب کائنات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کے واسطے سفر کرنا صحابۂ عظام، تابعین اور سنت صالحین سے ثابت ہے۔

جذب القلوب، صفحہ: 215 تا 216 پر صحابی رسول، عاشق رسول حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ایک مشہور عام حکایت رقم ہے۔ جس کا مفہوم درج ذیل ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے 40 ربرس کی عمر شریف میں اپنی نبوت کا اعلان کیا اور صرف 23 برس میں آپ نے عرب کے بدوؤں کو ایک ہمہ گیر اور کامل وحدت میں ڈھال دیا۔ چوں کہ آپ کا کام پورا ہو چکا تھا اس لیے آپ کو اللہ کی جانب سے پیام واپسی وصول ہوا۔

ہجرت کا دسواں برس اور نبوت کا 23 رواں برس دنیائے اسلام کے لیے ایک جانگسل اور روح شکن سال تھا۔ کیوں کہ اسی سال قربتیں فرقتوں میں تبدیل ہو گئیں۔ نبوت کا خورشید تاباں دنیا والوں کی نگاہوں سے پردہ پوش ہو گیا۔ دلوں کا سہارا، آنکھوں کا تارا، یتیموں کا غمگسار، بے حالوں کا ہمدرد اس دنیائے فانی کو چھوڑ کر ابدی مقام پر چلا گیا۔ ایک دھماکہ تھا جس کی گونج سے کائنات بہک اٹھی، اک قیامت تھی جو بپا ہو گئی۔ جس نے سنا بے اختیار چیخ اٹھا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ حضرت بلال کو آپ سے بے پناہ محبت تھی۔ جب آپ کا وصال ہو گیا تو بوجہ غم حضرت بلال ترک سکونت کر کے ملک شام چلے گئے۔

ایک شب جب کہ آپ محو خواب تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زیارت سے مشرف فرمایا اور گل افشانی کی: بلال! یہ کیسا دستور وفا ہے کہ تو ہماری زیارت کو بھی نہیں آتا۔ آخر یہ جفا کیوں؟ محبت محبوب انگڑائیاں لے کر بیدار ہو گئی۔ حضرت بلال یقیناً مضطرب ہو گئے ہوں گے۔ بہر کیف اسی صبح سویرے ہی آپ نے سواری تیار کی اور مدینہ طیبہ کی طرف گامزن ہوئے۔ روضۂ اقدس پر حاضری دی۔ روضۂ اقدس کی خاک کو چہرے پر ملا اور غم دل کو اشکوں کی روانی میں

بہا کر ہلکا کرنے کی کوشش کی۔ حضرت بلال اشک سوئی میں مصروف تھے۔ دیکھا کہ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لا رہے ہیں۔ جب وہ دونوں قریب آئے تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عشق و محبت میں ان کے سروں کو بوسے دیے۔ ادھر وارفتگی کا اظہار ہو رہا تھا اور ادھر اہل مدینہ کو خبر مل گئی کہ عاشق رسول حضرت بلال تشریف لائے ہیں۔ آن کی آن میں سارا مدینہ آپ کی ملاقات کو امنڈ آیا۔ حضرت بلال کی آواز میں بڑا سوز اور ترنم تھا۔ جب آپ اذان دیتے تھے تو ایک سحر طاری ہو جاتا تھا۔ ہر سننے والا بے خود ہو جاتا تھا۔ لیکن جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تھا، آپ نے اذان دینا چھوڑ دی تھی۔ مدینہ والوں کے دل میں تمنا مچلی، اس خواہش نے سر ابھارا۔ ایک مرتبہ آج پھر حضرت بلال اپنی پر سوز اور ترنم دار آواز میں اذان دیں اور وہ سنیں۔ لیکن ان کو علم تھا کہ وصال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ نے اذان دینا چھوڑ دی ہے۔ وہ اس بات سے بھی آگاہ تھے کہ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر نے آپ سے اذان کی فرمائش کی۔ حضرت بلال نے جواب دیا۔ صدیق! جب آپ نے مجھے خریدا اور پھر آزادی دے دی۔ کیا وہ آزادی اپنے لیے تھی یا اللہ کے واسطے؟ صدیق اکبر نے جواب دیا: اللہ کے واسطے۔ حضرت بلال گویا ہوئے: جب آپ نے مجھے اللہ کے واسطے آزاد کیا تو پھر اللہ کے واسطے مجھ سے اذان کی فرمائش نہ کرو، کیوں کہ بعد از وصال نبوی مجھ میں اتنی تاب نہیں رہی کہ کسی دوسرے کی خاطر اذان دوں۔ اس کے بعد آپ ملک شام میں مقیم ہو گئے۔ اہل مدینہ کے دل اذان سننے کے لیے بے قرار تھے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ اگر حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے کہلوایا جائے تو حضرت بلال ضرور اذان دیں گے۔ اہل مدینہ نے دونوں شہزادوں سے گزارش کی کہ حضرت بلال سے اذان سنوا دی جائے۔ شہزادوں کی طرف سے حکم جاری ہوا کہ اذان دی جائے۔ حضرت بلال مجبور ہو گئے اور سر تسلیم خم کر دیا اور اذان دینے کے لیے اس مقام پر چڑھے جہاں زمانہ رسالت میں اذان دیا کرتے تھے اور اذان شروع کی۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ.

آپ کی بلند آواز گونجی اور مدینہ منورہ میں ایک شور مچ گیا۔ گویا سارے شہر میں زلزلہ آ گیا ہو۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ مدینہ کے در و بام لرزاہٹ کی زد میں ہیں۔

پھر حضرت بلال نے اذان کے اگلے کلمات کی ادائیگی کی۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

ان کلمات کی ادائیگی نے ہر عورت مرد کی آنکھیں اشک بار کر دیں۔

اس کے بعد بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگلے کلمات کہنے لگے۔

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

ان کلمات کی ادائیگی نے قیامت سے پہلے قیامت برپا کر دی۔ مدینہ کا کوئی بشر ایسا نہیں تھا جو اپنے گھر سے باہر نہ نکلا ہو اور جس نے اشک سوئی نہ کی ہو۔ کیوں کہ ان کلمات کی ادائیگی سے لوگوں کے دلوں میں اس دن کی یاد تازہ ہو گئی تھی جس دن اُن کے قلب و جگر پر قدرت کے تازیانے سے چوٹ لگی تھی۔ لوگوں کے دلوں میں اس دن کی یاد تازہ ہو گئی جس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تھا۔ اس یاد نے لوگوں کو تڑپا کے رکھ دیا اور وہ دیوانہ وار رونے لگے۔

منقول ہے کہ جب حضرت بلال نے کلمۂ شہادت ادا کیا اور اس طرف دیکھا، جس طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نظر آیا کرتے تھے۔ لیکن آج... آج... آج وہ نظر نہ آئے، آج وہ چاند سا چہرہ نظر نہ آیا، آج وہ پھول کی پتیوں جیسے لب نظر نہ آئے، آج وہ کنول رخسار نظر نہ آئے، آج وہ رگیں آنکھیں نظر نہ آئیں، آج وہ نورانی پیشانی نظر نہ آئی، آج وہ مخمور زلفیں نظر نہ آئیں، ہائے! آج محبوب کا سراپا نظر نہ آیا، آج روح کائنات کا دیدار نہ ہو سکا، ہائے! آج آنکھوں کی پیاس نہ بجھی اور دل کو قرار نہ آیا، نہ ہی محبوب کا دیدار ہوا۔

حضرت بلال کے دل پر ایسی سخت چوٹ لگی کہ آپ پر رقت طاری ہو گئی، اذان کے اگلے کلمات ادا نہ کر سکے اور اشک بہاتے ہوئے اذان گاہ سے نیچے اتر آئے۔

برادران گرامی! ہم اس حکایت سے ایک بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کو حکم دیتے ہیں کہ روضۂ انور پر حاضری دو اور حسب حکم حضرت بلال ملک شام سے مدینہ کا سفر کر کے روضۂ اقدس کی زیارت کرتے ہیں۔ اب نا عقل لوگ حضرت بلال پر کیا فتویٰ دیں گے؟ آج قوم کو پھر سلطان صلاح الدین ایوبی کی ضرورت ہے، جو ان اسلام دشمن عناصر کا قلع قمع کر سکے۔

☆☆☆

دوسرا وعظ

روضۂ مطہرہ حفاظتِ الٰہی میں

اسلام ایک عالمگیر انسانی فلاح و بہبود کا ضامن مذہب ہے۔ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک 1400 برس کے قلیل عرصے میں اسلام کے لاکھوں دشمنوں نے اسلام کی مخالفت میں ساری مغربی اور یورپی طاقتوں کو اکٹھا کر کے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، تا کہ اسلام کو نیچا دکھا سکیں۔ لیکن چشمِ فلک شاہد ہے کہ ہر بار اُن کے عزائم خاک میں مل گئے۔ ہر بار انھیں ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اوراقِ تاریخ شاہد ہیں کہ اغیار کے ان غاصبانہ عزائم کو کبھی محمد بن قاسم نے خاک میں ملایا اور کبھی اغیار کی سازشوں کو خالد بن ولید نے چاک کیا اور کبھی طارق بن زیاد نے ان کی طاقت کو پاش پاش کیا اور کبھی قہرِ الٰہی بن کر محمود غزنوی نے اغیار کی سرکوبی کی۔ اس طرح اغیار کبھی بھی اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ کامیابی تو اُن کی قدم بوسی کیا کرتی ہے جو حق پر ہوں، جو سچی اور سیدھی راہوں کے بنجارے ہوں۔ کامیابی تو اُن کی منتظر رہا کرتی ہے جو راہِ الٰہی میں اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتے ہوں۔ کامیابی ان کی راہ میں آنکھیں بچھاتی ہے جو راہِ الٰہی میں تن من دھن اور صبح و شام کی تمیز کیے بغیر سر بکف رہتے ہیں۔ اسلام کے ساتھ ہر طاقت ٹکرا کر بکھر گئی اور ہر طاقت پاش پاش ہو گئی۔ جو بھی اسلام سے ٹکر لینے آگے بڑھا صفحۂ ہستی سے مٹ گیا اور اپنی آگے آنے والی نسلوں کے لیے داستانِ عبرت چھوڑ گیا۔ جب مغربی اور یورپی طاقتوں نے یہ دیکھا کہ کسی طور سے اسلام کے خلاف ان کی دال نہیں گلتی تو انھوں نے "نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری" کی شکل کو اپنایا۔ انھوں نے اپنے سینے میں چبھنے والے خنجر کو نکالنے کی کوشش کی، یعنی سرکارِ دو جہاں راحتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو قبرِ مبارک سے نکالنے کی مکروہ کوشش کی، آپ کے روضۂ اقدس کو شہید کرنے کی کوششیں کیں۔ مگر ہر مرتبہ ناکام رہے اور تباہ و برباد کی داستانیں بن گئے اور روضۂ اقدس اسی آب و تاب سے درخشاں اور

تابندہ رہا ہے اور تا قیامت رہے گا۔ مدینہ منورہ پر فرشتوں کی حفاظتی چوکیاں ہیں اور خود مالک و خالقِ دو جہاں روضۂ اطہر کی حفاظت فرماتا ہے۔

نصرانیوں کی ناکام کوشش

شیخ عبد الحق محدث دہلوی اپنی کتاب "جذب القلوب" صفحہ: 124 پر لکھتے ہیں:

سلطان نور الدین سید محمود بن زنگی نے سرکارِ مدینہ کی زیارت خواب میں تین مرتبہ کی کہ آپ دو اشخاص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرما کر یہ کہہ رہے ہیں کہ جلدی پہنچو۔ دونوں اشخاص خواب میں نور الدین کے پاس کھڑے تھے، نور الدین سمجھ گئے کہ ان کی پہچان کرائی جا رہی ہے، ضرور انھوں نے کچھ گڑبڑی کی ہے۔ آپ سمجھ گئے کہ مدینہ منورہ میں ضرور کوئی حادثہ رونما ہوا ہے یا ہونے والا ہے۔ اس رونما ہونے والے حادثے کے ذمہ دار یہی دو افراد ہیں۔ آپ نے راتوں رات چند سواریوں کا انتظام فرمایا اور زادِ راہ ساتھ لے کر عازمِ سفرِ مدینہ ہو گئے۔ سولہ روز کی مسافت کے بعد رات کے قریب مدینہ پہنچ گئے۔ صبح ہوتے ہی دربارِ عام کا اعلان کیا اور منادی کرا دی کہ دربار میں آنے والے ہر شخص کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔ اعلان سن کر انعام کے لالچ میں سارا شہر امڈ پڑا اور انعام و اکرام لے کر رخصت ہوا۔ مگر خواب میں نظر آنے والے دونوں شخص نظر نہ آئے۔ اس لیے پوچھا کہ کوئی شخص شہر میں باقی تو نہیں رہ گیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ کوئی شخص ایسا نہیں رہ گیا جس نے دربار میں حاضری نہ دی ہو۔ مگر دو اشخاص جو بہت پرہیزگار ہیں اور بالعموم لوگوں سے کنارہ کش رہتے ہیں، وہ نہیں آئے۔

بادشاہ نے آرڈر دے دیا کہ ان دونوں کو ہمارے روبرو لایا جائے۔ حکم کی بجا آوری کی گئی اور دونوں کو بادشاہ کے روبرو لایا گیا۔ سامنے آتے ہی دونوں کو بادشاہ نے پہچان لیا کہ یہی وہ دونوں ہیں۔ پوچھا کہ تمہاری رہائش کہاں ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہم ایک مہمان خانے میں مقیم ہیں، وہ مہمان خانے روضۂ انور کے قریب ہی تھی۔ بادشاہ نے ان کو وہیں ٹھہرنے کا حکم دیا اور خود اُن کی منزل کی طرف روانہ ہوا۔ دیکھا کہ ان کے کمرے میں ایک جانب قرآن مجید رکھا ہے اور ایک دوسرے گوشے میں پند و نصیحت کی چند کتابیں تھیں اور بہت سامان و زر بھی ایک جانب رکھا تھا۔ جس سے وہ غربا کو صدقہ دیتے تھے۔ لیکن بادشاہ کو مال و زر سے کیا لینا تھا، اُسے تو

کسی اور شئے کی تلاش تھی، کسی اور ہی گل کی جستجو تھی، اس کا منتہائے نظر تو کچھ اور تھا، اور پھر اُسے اپنا گوہر مراد مل گیا، اس کا گوہر مراد اُن کی خواب گاہ پر بچھا ہوا ایک ٹاٹ تھا۔ بادشاہ نے ٹاٹ اٹھایا تو نیچے ایک سرنگ تھی جو عین روضۂ اطہر تک پہنچی ہوئی تھی۔ آن واحد میں بادشاہ ساری صورت حال سے واقف ہو گیا۔ مارے غضب کے بدن کانپنے لگا اور واپس آ کر اُن دونوں کو ڈرایا اور کڑک کر اُن کی اصلیت پوچھی، وہ دونوں بزدل نکلے، وہ اقرار کیا کہ ہم نصرانی ہیں اور نصرانیوں نے ہمیں اس کام پر مامور کیا ہے کہ کسی نہ کسی طرح آپ کا جسد اطہر قبر سے نکال لائیں۔ اس کے عوض انھوں نے ہمیں بہت سا مال وزر دیا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب ان کی کھودی ہوئی سرنگ قبر انور کے نزدیک پہنچی تو اس رات بڑی گھٹا چھائی اور بجلی بڑے زور سے کڑکی اور چمکی۔ بڑے شدید زور کا زلزلہ آیا اور اُسی رات کے آخر میں سلطان مذکور مدینہ منورشریف پہنچ جاتے ہیں۔

جب بادشاہ نے ان کی گفتگو سنی تو اس کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے اور اُس نے آرڈر دیا کہ اُسی وقت اِن دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ان دونوں کی گردن اڑا دی گئی اور اس طرح وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ بعد ازاں سلطان نے روضۂ اطہر کے چاروں طرف ایک خندق کھدوائی اور قلعی پگھلا کر خندق کو بھروا دیا اور چاروں طرف سے مضبوط کر لیا، تاکہ کوئی بددین آپ کی قبر اطہر تک نہ جا سکے۔

رافضی بھی ناکام ہو گئے

اسلام دشمنی میں فقط نصرانی ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کی طاقتیں متحد ہیں۔ کفر واسلام کے درمیان سب سے قبل جو معرکہ رونما ہوا، وہ معرکۂ بدر ہے۔ اس معرکے میں مسلمانوں کی تعداد صرف 313 تھی، سامان حرب بھی کم تھا مگر مسلمانوں کے دلوں میں نور ایمان کی قوت موجود تھی۔ اس کے بعد معرکۂ خندق پیش آیا اس میں بھی کفار خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

بہر کیف! معرکۂ بدر وحنین ہوتے رہے۔ مغربی اور یورپی طاقتیں متحد ہو کر اسلام سے ٹکراتی رہیں اور پاش پاش ہوتی رہیں۔ اپنے آنے والی نسلوں کے لیے داستان عبرت تخلیق کرتی رہیں اور اسلام فتح ونصرت کے پرچم لہراتا رہا۔ کامیابی اور کامرانی قدم قدم پر اسلام کی

قدم بوسی کرتی رہی اور اسلام اپنے عروج پر پہنچنے کے لیے ثریا کی ہمدوشی حاصل کرتا چلا گیا۔ اسلام کی ترقی اور عروج سے اغیار کے سینوں پر سانپ لوٹتے رہے۔ ہر گھڑی ان کے دلوں میں تیر چلتے رہے۔ اغیار کی مثل اُس پرندے کی سی تھی جو اڑنا چاہتا ہے مگر اس کے پر کاٹ دیے جاتے ہیں۔

تیغ وسنان کے کھیل میں کفار کو زبردست ناکامی ہوتی رہی، اس لیے انھوں نے مکر وفریب کو اپنایا۔ چھپ چھپ کر شیاطین کی طرح اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور اس کے لیے انھوں نے حرص وہوس کے جال بچھائے۔ جس طرح نصرانیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو قبر انور سے نکالنے کی کوشش کی، اس طرح کفر کے ایک اور گروہ رافضی نے بھی ایسی ہی مذموم کوشش کی۔ حلب کے رافضیوں نے ایک منصوبہ بنایا کہ حاکم مدینہ کو مال وزر کا لالچ دے کر اپنا گوہر مقصود حاصل کیا جائے گا۔ اسی منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے حلب کے چند رافضی مدینہ منورہ آئے اور حاکم مدینہ کو بڑے قیمتی تحائف دیے اور اُس کو حرص مال وزر میں پھنسا لیا۔

اس دنیا میں دانش مندوں کے بقول فساد کی تین جڑیں ہیں:

۱۔ زن ۲۔ زر ۳۔ زمین

ان تینوں کی لالچ بڑے بڑے نیکوکاروں کے پائے ثبات میں لغزش ڈال دیتا ہے۔ حاکم مدینہ بھی بہک گیا، ضمیر فروشی اپنا بیٹھا۔ غیرت مند لوگ ضمیر فروشی پر مرجانے کو ترجیح دیا کرتے ہیں۔ لیکن اُس وقت کا حاکم مدینہ لالچی اور بزدل نکلا اور چند سونے اور چاندی کے کھن کھناتے سکوں کی کھن کھن کو دل دے بیٹھا۔ حلب کے رافضیوں نے کہا کہ اس سارے مال وزر کے بدلے ہم اس بات کے خواہاں ہیں کہ ہم کو صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے جسد اطہر نکال لے جانے دو۔ حاکم مدینہ نے حکم دے دیا کہ ان کے واسطے روضۂ اقدس کے دروازے کھول دیے جائیں اور کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ دربان کے مطابق جب وہ عشا کی نماز کی ادائیگی سے فارغ ہوا، تو 40 آدمیوں کی ایک جماعت بیلچے اور زمین کھودنے کے اوزاروں سے لیس روضۂ اقدس میں داخل ہوئی۔ راوی کا بیان ہے کہ میں ایک گوشہ میں جا کر رونے لگا کہ ان کے ظلم کو دیکھ کر آسمان نہ پھٹ پڑے، کہیں زمین نہ شق ہو جائے، کائنات نہ لرز

اٹھے۔ ان لوگوں نے قبور شریف کی کھدائی شروع کر دی، چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ غیرت الٰہی کو جوش آیا اور دوسرے ہی لمحے وہ سب زمین میں دھنس گئے، مجھے اس سے بے پایاں مسرت کا احساس ہوا۔ کافی دیر بعد حاکم مدینہ آیا اور کہنے لگا کہ میرے پاس جو جماعت آئی تھی، وہ کدھر گئی؟ میں نے جواب دیا کہ وہ سب غرق ارض ہو چکے ہیں۔ حاکم مدینہ نے دیکھا کہ جس جگہ وہ غرق ہوئے تھے وہاں ان کے کپڑوں کا کچھ نشان بچ گیا تھا، شاید اس لیے کہ ان کے غرق ہونے پر سب کو یقین آ جائے۔ (جواہر البحار، جلد رابع، صفحہ:62، جذب القلوب، صفحہ:116، نزہۃ المجالس، جلد دوم، صفحہ:163)

گنبدِ خضریٰ پر ملائکہ کی حاضری

سال کے پورے بارہ مہینے اور ہر روز و شب کے مکمل 24 / گھنٹے لاکھوں، کروڑوں ملائکہ گنبد خضریٰ پر حاضری دیتے ہیں۔ صبح کے وقت 70 / ہزار فرشتے گنبد خضریٰ پر حاضر ہوتے ہیں اور سارا دن صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ حضور اقدس کو پیش کرتے ہیں۔ جب شام ہوتی ہے اور دن کے اجالے رات کے اندھیروں میں بدل جاتے ہیں تو یہ فرشتے واپس چلے جاتے ہیں اور ان کی جگہ 70 / ہزار نئے فرشتے آ جاتے ہیں جو اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نذرانۂ سلام عرض کرتے ہیں جب تک کہ رات کی سیاہی دن کے روشن اجالے میں بدل نہیں جاتی۔ جو فرشتہ ایک مرتبہ زیارت کر جاتا ہے۔ لاکھوں تمناؤں کے باوجود دوبارہ اس کی باری نہیں آتی۔

(سنن دارمی، جذب القلوب، صفحہ:265، جواہر البحار، جلد چہارم)

☆☆☆

تیسرا وعظ

مدینہ پاک کے فضائل

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۔ (سورۂ نحل:41)

ترجمہ: جن لوگوں نے راہ الٰہی میں اپنے گھر بار چھوڑے مظلوم ہو کر، ہم ضرور ان کو دنیا میں اچھی جگہ دیں گے، بے شک اخروی ثواب بہت بڑا ہے، اگر لوگ اُسے جانتے۔

برادران اسلام! خالق دو عالم نے ارض و سما کی تخلیق فرمائی اور انسان نے ان پر خوبصورت اور دل فریب گل کاریاں کیں۔ انسان جو کہ اللہ کی مخلوقات میں سب سے افضل، اعلیٰ اور برتر مخلوق ہے۔ چوں کہ یہ دیگر تمام مخلوقات میں اشرف و اعلیٰ ہے، اس لیے اس کو "اشرف المخلوقات" کہا جاتا ہے۔ اس اشرف المخلوقات نے ارض سے آگے بڑھ کر ستاروں سے آگے والے جہانوں کی جستجو شروع کر دی ہے۔ گو کہ ابھی تک اس ضمن میں اسے خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ لیکن اس کرۂ ارض پر اس نے اپنے تمام ارمانوں کی تکمیل کی ہے۔ اپنی فنی مہارت کا کچھ اس خوبصورت انداز سے ثبوت دیا ہے کہ عقل محو تماشا ہے۔ اپنی فنی مہارت کا استعمال کرتے ہوئے انسان نے اس ارض کو اس قدر خوبصورت بنا دیا ہے کہ جنت ارضی کا گمان ہوتا ہے۔ اگر اس دنیا میں بسنے والے لوگوں سے یہ سوال کیا جائے کہ اس سارے عالم آب و گل میں سے کون سا شہر سب سے خوبصورت ہے، تو اس سوال کے جواب میں کوئی یہ کہے گا کہ پیرس خوبصورت ہے، کوئی لندن کو حسین قرار دے گا، کوئی نیویارک کا شیدا ہوگا، کوئی مالوئی پر عاشق ہوگا۔ چلئے ایک لمحے کے لیے ہم بھی یہ تسلیم کیے لیتے ہیں کہ یہ سارے شہر خوبصورت سہی۔ لیکن یہ تمام شہر اصل میں خوبصورت نہیں، اس لیے کہ عاشق اور مجنوں کے لیے وہ شہر سب سے زیادہ خوبصورت حسین اور پر رونق ہوتا ہے جہاں اس کی لیلیٰ، اس کا محبوب، اس کا

معشوق اور اُس کا مطلوب رہتا ہو، جہاں اس کے دل کی دھڑکن ہو۔

پیرس، لندن، نیو یارک اور مالوئی حسین سہی، لیکن ان کا حسن محدود ہے۔ صرف چند مخصوص عیاش مزاج لوگوں کو یہ شہر خوبصورت لگتے ہیں۔ لیکن اس عالم آب و گل میں، اس حسین کائنات میں ایک شہر ایسا بھی ہے جس کے دم سے اس کائنات کا حسن قائم ہے۔ جو سارے عالم کے مسلمانوں کے لیے اس لحاظ سے خوبصورت اور حسین ہے کہ اس شہر میں مسلمانوں کا محبوب و مطلوب رہائش پذیر ہے۔ مسلمانوں کا غمگسار، دلوں کا سہارا، آنکھوں کا تارا رہتا ہے، یعنی سرورِ کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کا شہر مدینہ طیبہ۔

مدینہ پاک اس لحاظ سے بھی ساری دنیا سے خوبصورت اور حسین ہے کہ اس میں ساری دنیا سے حسین، خوبصورت اور خوبرو ہستی کا قیام ہے۔ جس طرح چاند اور ستاروں کی وجہ سے سارا عالم آسمان کو خوبصورت تصور کرتا ہے، اسی طرح ساری دنیا سے حسین اور خوبرو ہستی کے قیام کی وجہ سے سارے عالم کے مسلمان مدینہ طیبہ کو حسین تصور کرتے ہیں۔ سارے عالم کے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نور کائنات کی ہر شئے سے حسین ہے، نیز اللہ کے انوار کی بارشیں ہر وقت مدینہ پاک میں ہوتی رہتی ہیں، اس لحاظ سے بھی مدینہ طیبہ تمام جہاں سے خوبصورت شہر ہے۔

مدینہ پاک اس لحاظ سے بھی ساری دنیا سے خوبصورت اور حسین و پر رونق ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق حور و ملائکہ گنبد خضریٰ کے طواف کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ مدینہ پاک اس لحاظ سے بھی ساری دنیا سے خوبصورت ہے کہ یہ شہر اس حسین کائنات کے خالق و مالک کو بھی پسند اور محبوب ہے۔

جذب القلوب، صفحہ: 21 میں مرقوم ہے کہ یہ شہر اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس شہر کی قسم کھاتا ہے اور قسم ہمیشہ پیاری شئے کی کھائی جاتی ہے۔ جس طرح ہم اپنے والدین، اپنے سر، قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے ہیں کہ والدین سب کو پیارے ہوتے ہیں اور اپنا سر، ہر کسی کو عزیز ہوتا۔ قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ تو بلا شک وشبہ ہم کو پیارے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ مدینہ پاک کی قسم کھاتا ہے، کیوں کہ یہ شہر اس کو پیارا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ (سورۂ بلد: ۱ تا ۲)

یعنی اے محبوب! مجھے اس شہر کی قسم ہے جہاں آپ جلوہ فگن ہے۔

مندرجہ بالا آیت مقدسہ کے معنی اکثر مفسرین کرام نے مکہ معظمہ لیے ہیں، مگر بعض مفسرین کرام کے نزدیک اس سے مراد مدینہ پاک ہے۔

یہ بیان اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شہر اللہ تعالیٰ کو پیارا ہے، اگر پیارا نہ ہوتا تو اس کو قسم کے لیے کیوں انتخاب کیا جاتا۔

اللہ پاک کو مدینہ پاک پیارا ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ جب تبلیغ اسلام کے نتیجے میں کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقا پر مظالم کی انتہا کر دی۔ جس کی وجہ سے اللہ کریم کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہجرت آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کرتے ہوئے یہ دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اِنْ اَخْرَجْتَنِيْ مِنْ اَحَبِّ الْبِقَاعِ اِلَيَّ فَاَسْكِنِّيْ فِيْ اَحَبِّ الْبِقَاعِ اِلَيْكَ۔ یعنی یا اللہ! تو نے مجھے اس شہر سے نکالا ہے، جو مجھ کو پیارا تھا۔ لہٰذا تو مجھے ایسی جگہ ٹھہرا جو تجھ کو زیادہ محبوب ہو۔

سرکار مدینہ سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی اور اللہ کے حکم سے مدینہ آگئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو مدینہ پیارا ہے۔ اس کے علاوہ ہماری عام زندگی میں بھی یہ قاعدہ اور اصول رائج ہے کہ حبیب اپنے دوسرے ساتھی اور دوست کے لیے پسند کے معاملے میں اسی چیز کا انتخاب کرتا ہے جس سے اس کو خود پیار ہو، جو شئے اس کو خود پسند ہو، اور چوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مدینہ مقام ٹھہرایا، اس لیے یہ بات کامل یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ مدینہ پاک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پیارا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو مدینہ پاک پیارا ہے، اس بات کے اثبات کی تکمیل کے لیے میری دلیل یہ ہے کہ اگر پرستارانِ توحید میں سے کوئی بھی مسجد نبوی میں دو رکعت نماز کی ادائیگی کرے تو اس کے نامۂ اعمال میں کامل فرض حج کا ثواب تحریر کیا جاتا ہے اور اگر پچاس رکعت نفل کی ادائیگی کی جائے تو پچاس حج کامل کا ثواب اور سو رکعت نفل کی ادائیگی سے پچاس کامل حج کا ثواب ملتا ہے۔

سبحان اللہ! قربان جائیے شانِ مدینہ پر کہ وہاں واقع مسجد نبوی میں دو رکعت نماز نفل کی ادائیگی اس قدر عظیم برکت والی ہے کہ مکمل ایک حج کا ثواب ملتا ہے۔ جب کہ مکہ مکرمہ میں

پورے سال میں صرف ایک حج ہے اور مدینہ میں ایک دن میں کئی حج کا ثواب لے جا سکتے تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اُفْتُتِحَتِ الْقُرٰى بِالسَّيْفِ وَافْتُتِحَتِ الْمَدِيْنَةُ بِالْقُرْآنِ۔ (موطا بحوالہ المدخل، جلد دوم، صفحہ:25)

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرب کے تمام شہر تلوار سے فتح ہوئے اور مدینہ قرآن سے فتح ہوا۔

مدینہ پاک اللہ کو پیارا ہونے کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ جس قدر بھی شہر فتح کیے گئے، وہاں پر معرکہ ہائے کارزار ضرور گرم ہوئے، وہاں پر تیغ وسنان کی جھنکار ضرور گونجی، خون انسانی سے وہاں کی گلیاں ضرور لالہ زار بنیں، وہاں پر تصادم ضرور ہوا، فاتح ومفتوح آپس میں باہم دست و گریباں بھی ضرور ہوئے، یہاں تک کہ یہ سب کچھ مکہ معظمہ کی فتح کے وقت بھی ظہور پذیر ہوا۔ لیکن مدینہ منورہ کی فتح اس شان سے ہوئی کہ وہاں پر کوئی خونی معرکہ نہیں ہوا، وہاں پر تیغ وسنان کی جھنکار بھی نہیں گونجی، وہاں کی گلیاں انسانی خون کی سرخی سے لالہ زار نہیں ہوئیں، وہاں کوئی کسی سے باہم دست وگریباں نہیں ہوا، بلکہ اس کی فتح صلح وآشتی کے سائے میں ہوئی۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ یہ شہر اللہ کا محبوب شہر ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ بات قطعی ناپسند ہے کہ مدینہ کی گلیاں شب عروس کا خونی سرخ جوڑا پہنیں۔ اسی وجہ سے مدینہ کی گلیاں تیغ وسنان سے نہیں گونجیں اور اسی وجہ سے یہاں معرکۂ قتال وجدال پیش نہیں آیا۔ (جذب القلوب، صفحہ:31)

اسی کتاب جذب القلوب، صفحہ:16 پر درج ایک دلیل اور پیش کی جاتی ہے:

اس عالم فانی میں کسی شخص کو ذرا بلند مرتبہ نصیب ہو جاتا ہے تو وہ اپنی اسیج قائم کرنے کے لیے پہرے دار کا انتظام کرتا ہے، رات کو شہروں کی حفاظت کے لیے ہر محلے میں چوکیدار پہرے داری کرتے ہیں۔ لیکن مدینہ کی حفاظت کے لیے اللہ نے ہر گلی، کوچے اور ہر گوشے میں شب وروز ایک فرشتے کی ڈیوٹی لگا دی ہے، جو مدینہ کی پاسبانی کرتے ہیں۔ انسانی چوکیداروں سے تو بھول ہو سکتی ہے مگر ملائکہ سے بھول ہونا ناممکن ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مدینہ کی محبوبیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ پاک کس قدر پیارا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ

آپ بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ۔ (مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ:239)

اس کا مطلب یہ ہے کہ الٰہی! میرے لیے مدینہ محبوب بنا جس طرح مکہ ہم کو محبوب ہے، بلکہ مکہ معظمہ سے بھی زیادہ محبوب بنا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس دعا میں لفظ اِلَيْنَا استعمال کیا اور واضح رہے کہ اِلَيْنَا جمع متکلم کی ضمیر کا صیغہ ہے، لہٰذا دعا میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ مدینہ پاک ہم سب کو محبوب بنا دے۔

برادران اسلام! پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخلیق دو عالم کا باعث ہیں اور اللہ کے محبوب ہیں، اس لیے یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ آپ کی دعا شرف قبولیت سے سرفراز نہ کی جائے اور آپ کی دعا کو زیور قبولیت سے آراستہ وپیراستہ نہ کیا جائے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کی دعا ہدف اجابت کا سینہ چاک نہ کرتی۔

پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا نے ہدف اجابت کا سینہ چاک کیا اور اللہ نے ہر اہل ایمان کا قلب محبت مدینہ سے معمور کر دیا۔ قلب مومن کو الفت مدینہ سے لبریز کر دیا۔ اسی پیدا شدہ محبت کا اثر ہے کہ مکہ معظمہ میں فریضہ حج کی ادائیگی سے فراغت پانے کے بعد مومنین کے دل میں مدینہ کی محبت کا سمندر متلاطم ہو جاتا ہے، دریائے الفت میں طغیانی آ جاتی ہے، مدینہ کے پرکیف نظارے انگڑائیاں لینے لگتے ہیں اور مومنین بے کل ہو کر مدینہ چلے آتے ہیں۔ (جذب القلوب، صفحہ:21)

مگر مقام افسوس ہے کہ بعض نادان اور کم فہم لوگ اس اعزاز سے محروم رہ جاتے ہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک یہ چیز شرک وبدعت ہے، حالاں کہ ایسا نہیں۔

پیار ومحبت اور چاہت کا ایک عام اور سادہ اصول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے پیار کرتا ہے، کسی کو محبوب رکھتا ہے اور اُس کا محبوب کسی کو محبوب رکھتا ہے تو محب پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے محبوب کے محبوب کی تعظیم کرے، کیوں کہ یہ عمل محبوب کی رضا کے لیے ہوگا، اگر ایسا نہیں ہے تو اس کی محبت کا دعویٰ بیکار ہے۔

علاوہ ازیں بڑے بڑے عالموں سے سنا ہے کہ خلق سے محبت کے بغیر خالق کے ساتھ محبت کا دعویٰ کرنا بیکار ہے اور پھر خلق ایسی ہو کہ اس کے لیے ارض وسما کا سارا انتظام پیدا کیا جائے، تو ایسی ہستی کی محبت ہمارے لیے لازم قرار پائے گی، اگر ایسا نہیں تو پھر خالق کے ساتھ محبت کا دعویٰ قطعاً فضول ہے۔

مدینہ میں مرنے والوں کی سفارش

یہ بیان ہو چکا ہے کہ مدینہ منورہ پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب اور اس قدر محبوب ہے کہ اگر کوئی شخص مدینہ میں وفات پا جائے تو اُس کی نجات کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفارش فرمائیں گے۔ صرف ایک شخص نہیں بلکہ مدینہ میں مرنے والے تمام لوگوں کی نجات کے لیے سفارش کریں گے اور انھیں بخشوا کر جنت میں داخل کریں گے۔

مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ:240 میں ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا فَإِنِّي أَشْفَعُ لِمَنْ يَّمُوْتُ بِهَا۔ (سنن ترمذی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ شخص خوش نصیب ہے، جو مدینہ میں مرے، کیوں کہ مدینہ میں مرنے والوں کی میں سفارش کروں گا۔

اسی لیے ایک شاعر نے کہا ہے:

تیرا در ہو، میرا سر ہو، تیری گلی میں میری قبر ہو

اور اس حقیر سراپا تقصیر کے دل میں بھی مدینہ میں مرنے کی آرزو چٹکیاں لیتی ہے۔

فقط اتنی سی آرزو ہے اور تمنا یا رسول اللہ
ترے در پہ میرا سر ہو جب وقت قضا آئے

جذب القلوب میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مدینہ میں مرنے کی آرزو رکھتے تھے، جس کے لیے آپ یوں دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ۔

ترجمہ: الٰہی! مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب فرما اور میری موت کے لیے اپنے رسول کا شہر

مقرر فرما۔

حضرت عمر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یار خاص اور منظور نظر تھے، نیز عاشق رسول بھی تھے اس لیے ان کی دعا کو اللہ نے زیور قبولیت سے آراستہ کیا۔ آپ نے راہِ خدا میں شہادت پائی اور مدینہ منورہ میں مدفون ہوئے اور خاص طور پر محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں اس روضۂ اقدس میں جگہ پائی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ۔ (جنت کے باغوں میں ایک باغ ہے) فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عمر کی دعا کا قبول ہونا راہِ خدا میں شہادت حاصل کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہونے کا اعزاز حاصل کرنا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا نتیجہ ہے۔

جذب القلوب ہی کی ایک اور عبارت پیش خدمت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل ایمان مدینہ میں مرنے کو کس قدر پسند کرتے تھے۔ حضرت امام مالک مدینہ کے عالموں میں سے تھے۔ آپ الفت مدینہ کے دام میں اسیر تھے اور رہائی چاہتے ہی نہ تھے۔ مبادا کہ قرب سے محروم رہ جائیں اور کسی دوسرے کی قربت میں روح جسد خاکی سے ناطہ توڑے اور مدینہ پاک کی خاک وغبار میں ملنے کے روح پرور اعزاز سے محروم رہ جائیں۔

چنانچہ آپ نے سعادت ابدی حاصل کرنے کے لیے ساری زندگی مدینہ میں بسر کی اور بعد از حصول حیات دوام مدینہ میں ہی مدفون ہوئے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی میں صرف ایک بار فریضۂ حج کی ادائیگی کی۔

برادرانِ اسلام! مدینہ پاک اللہ کو محبوب ہے، پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کو محبوب رکھتے ہیں، صحابہ کرام کے نزدیک یہ محبوب ہے اور ائمہ کرام اس کی الفت میں اسیری کو خوش بختی تصور کرتے ہیں تو لازمی بات ہے کہ اہل ایمان بھی اس کی محبت میں گرفتار ہیں۔ دیگر اہل ایمان کی طرح میرے دل میں بھی الفت مدینہ کا ایک دریا ناپیدا کنار موجزن ہے، الفت مدینہ میں میرا سارا جسم اسیر ہے، جب بھی مدینہ کا ذکر ہوتا ہے دل سینے میں دھڑکنے لگتا ہے۔ گویا براہ راست میرے دل کی دھڑکن بڑھا دی جاتی ہے، مجھ پر بے خودی کا عالم طاری ہو جاتا ہے، پورا جسم کیفیت کیف و مستی میں ڈوب جاتا اور شاداں و فرحاں ہو جاتا ہے، تصورات کی خوشبو سے شبستانِ خیال مہک اٹھتا ہے اور

میں چند بے حقیقت الفاظ سے اپنے دل کی تڑپ کو یوں سوا کرتا ہوں:

1- ہے مرکزِ انوار و تجلیات مدینہ
ہے دافعِ شر اور دافعِ بلیات مدینہ

2- مدینہ پہ قسم ہے، میں سو جان سے واری
سو جان سے برتر ہے ممات مدینہ

3- انگ انگ میرا مستی میں ڈوب جاتا ہے
آتے ہیں جب مجھ کو خیالات مدینہ

4- اسمِ مدینہ پہ دل میرا تڑپ اٹھتا ہے
تصور میں چلی آتی ہیں آیاتِ مدینہ

5- ہم نفسو! سناؤ مجھے قصے مدینے کا
ذرا کچھ بتاؤ مجھے حالاتِ مدینہ

6- تیرے عاجز بندے کی التجا ہے یارب!
لکھ دے میرے نصیب میں مماتِ مدینہ

برادرانِ اسلام! اللہ تعالیٰ کے حضور مماتِ مدینہ کی آرزو کرتے ہوئے مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے جیسے میری روح میرے بدن سے الوداع ہو کر سوئے مدینہ رواں دواں ہے۔ میری پرخلوص دعا ہے کہ اللہ کریم اپنے محبوب کے صدقے ہم سب کو زیارت مدینہ سے نوازے اور مماتِ مدینہ عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

مدینہ کی برکتیں

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے لیے دعا مانگی اور خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے خیر کے لیے مدینے کا انتخاب کیا۔ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ ثَمَرِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِیْ مَدِیْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا اَللّٰھُمَّ اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ عَبْدُكَ وَخَلِیْلُكَ وَنَبِیُّكَ وَاِنِّیْ عَبْدُكَ وَنَبِیُّكَ وَاِنَّهٗ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَاَنَا اَدْعُوْكَ

لِلْمَدِیْنَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ بِهٖ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهٖ مَعَهٗ۔ (ترمذی، مشکوۃ المصابیح، صفحہ: 239)

یعنی یا اللہ! ہمارے پھلوں میں، ہمارے شہر میں اور ہمارے صاع میں برکت عطا فرما، یا اللہ! ابراہیم تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی ہیں، میں بھی تیرا بندہ اور نبی ہوں۔ انھوں نے مکہ کے لیے تجھ سے دعا مانگی اور میں تجھ سے مدینہ کے لیے دعا طلب کرتا ہوں، اس قدر کہ جتنا ابراہیم نے مکہ کے لیے دعا کی۔

احترام اہل مدینہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں دنیا کی نگاہوں سے روپوش، محوِ خواب ہیں۔ مدینہ کے لیے آپ اپنی حیاتِ مبارکہ میں دعائیں مانگتے رہے، کیوں کہ مدینہ آپ کو محبوب تھا، اس لیے ہم مسلمانوں کے لیے لازمی امر ہے کہ ہم مدینہ اور اہلِ مدینہ کی تعظیم و توقیر کریں اور اُن کو ہر قسم کے آزار سے بچائے رکھیں۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا اور مدینہ یا اہلِ مدینہ کو کسی قسم کی بھی تکلیف دی تو ہماری نجات کی تمام راہیں مسدود ہو جائیں گی، کیوں کہ مدینہ اور اہلِ مدینہ کو تکلیف دینے سے اللہ کے محبوب پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو جاتے ہیں، اور جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو جائیں، اس کے دین و دنیا تباہ ہو جاتے ہیں، کیوں کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ناراض ہونے سے اللہ بھی ناراض ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دعا بھی فرمائی: اَللّٰھُمَّ مَنْ اَرَادَنِیْ وَاَھْلَ بَلَدِیْ بِسُوْءٍ فَعَجِّلْ ھَلَاكَهٗ۔

(جذب القلوب، جواہر البحار، صفحہ: 14)

یاالٰہی! جو شخص میرے اور میرے شہریوں کو شر کا نشانہ بنانے کا ارادہ کرے، اس کو جلدی ہلاک فرما۔

مشکوۃ شریف صفحہ 240 پر حضرت سعد سے روایت کی گئی حدیث یوں درج ہے:

اِنَّ سَعْدًا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَكِیْدُ اَھْلَ الْمَدِیْنَةِ اَحَدٌ اِلَّا انْمَاعَ كَمَا یَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِی الْمَاءِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ مدینہ سے کوئی مکر نہیں کرتا اگر کرے تو وہ گل جاتا ہے جس طرح نمک پانی میں گل جاتا ہے۔

برادرانِ اسلام! مندرجہ بالا حدیث سے ہمیں درس لینا چاہیے کہ کبھی بھول کر بھی مدینہ اور اہل مدینہ کے خلاف شر انگیز بات نہ سوچیں کہ ایسا کرنے سے ہم زبردست خسارے میں رہیں گے۔ اس کی روشن مثال یزید کی ہے، اس نے اہل مدینہ پر ظلم وستم کیا اور نتیجتاً کچھ ہی عرصہ بعد دق وسل اور عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گیا۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ مدینہ والوں کے ساتھ ہر ممکن بھلائی کریں۔ انسان تو انسان وہاں کے ایک کتے کو بھی ذرا سی تکلیف نہیں دینا چاہیے، اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو پھر ذلت ورسوائی اور تباہی وبربادی کا طوق ضرور ہمارے گلے کی زینت بنے گا۔ جو شخص اہل مدینہ کو ڈرائے دھمکائے یا اُن پر ظلم وزیادتی کرے تو ایسے شخص کے فرائض اور نوافل قبول نہیں کیے جاتے اور جب فرائض ونوافل شرف قبولیت سے ہمکنار نہ ہوں گے تو نجات مشکل ہے۔

جواہر البحار، جلد اول، صفحہ:14 پر پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے، جس سے مندرجہ بالا بات کی تصدیق ہوتی ہے:

اَللّٰهُمَّ مَنْ ظَلَمَ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ وَاَخَافَهُمْ فَاَخِفْهُ وَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَايُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ۔

یعنی یا الٰہی! جو کوئی اہل مدینہ پر ظلم کرے اور اُن کو ڈرائے، تو اس کو ڈرا، اور اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، نیز اس کے فرائض ونوافل قبول نہیں کیے جائیں گے۔

برادرانِ اسلام! پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ پیارے نبی، اللہ کے محبوب بندے اور رسول ہیں۔ ان ہی کی خاطر اس ساری کائنات کی تشکیل ہوئی، زمین وآسمان کی تخلیق ان ہی کے واسطے کی گئی اور اُن کی دعا شرف قبولیت سے نہ نوازی جائے یہ ناممکن ہے۔ اب ذرا دیکھئے کہ آپ کی اوپر بیان کی گئی دعا بھی قبول ہو چکی ہے اور پھر مدینہ والوں پر ظلم کرنے والوں کی خیر نہیں۔

جواہر البحار، جلد رابع، صفحہ:15 پر ایک اور ارشاد نبوی مرقوم ہے:

اَلْمَدِيْنَةُ مُهَاجَرِيْ فِيْهَا مَضْجَعِيْ وَمِنْهَا مَبْعَثِيْ حَقِيْقٌ عَلٰى اُمَّتِيْ حِفْظُ جِيْرَانِيْ مَا اجْتَنَبُوا الْكَبَائِرَ وَمَنْ حَفِظَهُمْ كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا اَوْ شَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَّمْ يَحْفَظْهُمْ سُقِيَ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ قِيْلَ لِلْمُزَنِيْ وَمَا طِيْنَةُ الْخَبَالِ قَالَ: عِصَارَةُ اَهْلِ النَّارِ۔

یعنی مدینہ میری جائے ہجرت ہے، اس میں میری آرام گاہ ہے، اس سے میرا اٹھنا ہے۔ میری امت پر لازم ہے کہ میرے ہمسایوں کی حفاظت کریں جب تک کہ وہ کبائر سے محفوظ رہیں۔ جو اُن کی حفاظت کرے گا روز قیامت میں اس کا سفارشی اور اُس کی شہادت دینے والا ہوں گا اور جو اُن کی حفاظت نہ کرے گا اسے طینۃ الخبال سے پلایا جائے گا۔ راوی سے پوچھا گیا کہ طینۃ الخبال کیا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ دوزخیوں کی جگہ ہے۔

اعظم چشتی کا ایک شعر ہے:

یاد ہے مجھ کو اہل مدینہ کی یہ بات
زندہ رہنا ہو تو انسان مدینے میں رہے

☆☆☆

چوتھا وعظ

روضۂ انور کی زیارت مغفرت کا باعث

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا. (سورۂ نسا، آیت:64)

ترجمہ: اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں اور اے محبوب! تمہارے حضور حاضری دیں، پھر اللہ سے معافی مانگیں اور رسول ان کی شفاعت فرمادیں تو وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

سورۂ نسا کی مندرجہ بالا آیت مقدسہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری دینا ایک ایسا عمل ہے جس کی بدولت گناہوں کی مغفرت ہوجاتی ہے۔ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ آیت مقدسہ زمانہ نبوت کے لیے تھی۔ ان لوگوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ زمانہ نبوت سے مراد اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا زمانہ لیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب اس دنیا سے پردہ فرما گئے ہیں، اس لیے اب لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کس طرح ان کی شفاعت سے اپنے گناہوں کی مغفرت کرواسکتے ہیں؟

اعتراض کرنے والوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف دنیا والوں کی نگاہوں سے روپوش ہوئے ہیں، جب کہ درحقیقت وہ اب بھی باحیات ہیں اور اپنے روضۂ اقدس میں محوِ آرام ہیں۔ چوں کہ وہ باحیات ہیں، اس لیے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی شفاعت حاصل کر کے اپنے گناہوں کی مغفرت کرواسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن مجید قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے شمعِ رشد وہدایت ہے اور اس طرح یہ آیت صرف زمانہ

نبوت کے لیے کس طرح ہوسکتی ہے؟ اور جب یہ آیت بھی قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے ہے تو پھر صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باحیات ہیں اور قیامت تک لوگ ان کے دربار میں حاضری دے کر ان کی شفاعت سے اپنے گناہوں کی بخشش کرواسکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ اقدس میں باحیات ہیں اور اپنے غلاموں کی عرضیوں کو سنتے ہیں، ان کا سلام قبول کرتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا مِنْ اَحَدٍ يُّسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ. (ابوداود بسند صحیح)

یعنی جو بھی مجھ پر سلام پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹاتا ہے، پھر میں اس کو سلام کا جواب دیتا ہوں۔

جواہر البحار، جلد رابع، صفحہ:30 پر درج ہے کہ وہابیوں کے امام ابن تیمیہ نے "اقتضاء الصراط المستقیم" میں تصریح کی ہے کہ ہر مسلمان قبر کے اندر رہ کر اپنی زیارت کرنے والے کو جانتا ہے اور اس کو اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ حضرت امام سمہودی فرماتے ہیں کہ جب ایک مسلمان کا یہ حال ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت اعلیٰ وارفع ہے۔

سلیمان ابن سُحَیم کا ارشاد ہے کہ ایک مرتبہ عالم خواب میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) نیاز مند لوگ آپ کی خدمت میں سلام پیش کرتے ہیں، تو کیا آپ ان کے سلام کو سنتے اور جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں! مجھے ان کے سلام کا علم ہوتا ہے اور میں ان کے سلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔

حضرت ابراہیم بن بشار فرماتے ہیں کہ ایک سال میں حج کی ادائیگی سے فراغت پانے کے بعد روضۂ انور پر حاضر ہوا اور سلام عرض کیا تو قبر کے اندر سے آواز آئی:

وعلیکم السلام، یعنی آپ سلام کا جواب دے رہے تھے۔

برادرانِ اسلام! اس سے یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور کے اندر باحیات ہیں اور اپنے نیاز مندوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے ثبوت کے بعد ہم اس وعظ کے آغاز میں بیان کی

گئی آیت مقدسہ کے مطلب کی طرف آتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی زیارت کرنے سے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال سمجھنے کے لیے یہ خیال کریں کہ پانی ہر پلید شئے کو پاک وصاف کر ڈالتا ہے اور چوں کہ ہم گناہوں کی نجاست سے پلید ہیں اور روضۂ انور پر انوار وتجلیات کا دریا موجزن رہتا ہے، اس لیے اگر ہم وہاں حاضری دیں گے تو گناہوں کی نجاست سے پاک اور صاف ہو جائیں گے۔ اس بات پر خود قرآن مجید شاہد ہے، قرآن مجید کی اس آیت کی شہادت کے بعد اس مسئلے کا ثبوت کسی اور شاہد اور دیگر دلائل کی فراہمی کا تقاضا نہیں کرتا۔ لیکن پھر بھی از روئے تسکین، تجسس قلب چند واقعات بیان کیے جاتے ہیں، تاکہ کسی کو اعتراض کرنے کا موقع نہ مل سکے:

جذب القلوب، صفحہ: 211 پر درج ہے کہ محمد بن حرب ہلالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے روضۂ اقدس پر حاضری دی اور زیارت سے فراغت کے بعد روضۂ انور کے بالمقابل نشست سنبھال لیا۔ کچھ دیر بعد ایک اعرابی آیا اور زیارت کا اعزاز حاصل کر کے یوں عرض کیا۔ اے خیر الرسل! حق تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب کا آپ پر نزول کیا اور اس کتاب میں ارشاد فرمایا: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ (سورۂ نساء، آیت: 64)

یعنی یا نبی اللہ! میں بھی گناہگار ہوں اور اپنے گناہوں کی بخشش کے واسطے آپ کو اپنا سفارشی بناتا ہوں، پھر اس نے چند اشعار پڑھے اور چلا گیا۔

برادرانِ اسلام! روضۂ انور پر ہر وقت نور کی بارشیں ہوتی رہتی ہیں اور وہاں کا ماحول بڑا روح پرور اور کیف آگیں ہے۔ روضۂ انور کے اس نورانی ماحول میں محمد بن حرب ہلالی کو حوریں نیند کے ہلکورے دینے لگیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ عالم نیند میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ اس فرد کو جا کر خوش خبری دے دو، اسے جا کر نوید مسرت سنا دو کہ اللہ غفار نے میری شفاعت کی برکت سے تیرے گناہوں کی مغفرت فرمادی ہے۔

جذب القلوب، صفحہ: 211 پر ایک اور واقعہ مرقوم ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو رحلت فرمائے ابھی تین روز ہوئے تھے، ان کی فرقت کا صدمہ ابھی تازہ تھا اور خورشید رسالت کو نبوت کے افق سے غروب ہوئے صرف تین دن ہوئے تھے کہ ایک اعرابی قبر انور پر حاضر ہوا، اور قبر انور سے لپٹ گیا۔ قبر انور کی گرد سے بالوں کو پراگندہ کیا اور عرض کناں ہوا: یا رسول اللہ! خالق ارض وسما نے جو کچھ آپ کو عطا کیا، وہ ہم نے بھی لے لیا۔ اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ "جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں اور اے محبوب! تیرے پاس حاضر ہوں، نیز اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی شفاعت فرما دیں تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور بہت مہربان پائیں" میں نے بھی اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور اب آپ کے دربار اقدس میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ سے سفارش حاصل کر سکوں۔ یا رسول اللہ نظر کرم فرمائیں اور میری سفارش کر دیں۔ اس کے الفاظ کی ادائیگی میں تڑپ تھی، سوز تھا، شوق تھا۔ ابھی اعرابی یہ کلمات ادا کرتا ہے کہ ادھر قبر انور سے صدا آتی ہے: جاؤ تمہاری مغفرت کر دی گئی۔

برادرانِ اسلام! مندرجہ بالا دونوں واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اقدس میں باحیات ہیں۔

اب نزہۃ المجالس، جلد اول، صفحہ: 159 کا ایک بیان کیا جاتا ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا ثبوت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ عشق کے انوکھے انداز کا مظہر بھی ہے۔

حضرت شیخ صالح سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں، ان کا قاعدہ تھا کہ ہر سال حاجیوں سے کہتے تھے کہ بارگاہِ مصطفیٰ میں میرا بھی ہدیہ سلام پیش کر دیں۔ دل میں عشق مصطفیٰ کی شمع روشن تھی۔ وصال محبوب کی آرزو سے قلب معمور تھا۔ ایک سال عشق مصطفیٰ کی شمع نے بدن خاکی جلایا تو تڑپ اٹھے اور دربار مصطفیٰ پر حاضری دینے کی خاطر حج کے لیے تشریف لے گئے۔ ادائیگی حج سے فراغت کے بعد روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے۔ ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کیا اور دل گیر لہجے میں عرض کیا: یا حبیب اللہ! پہلے حاجیوں کے ذریعے سلام خدمت اقدس میں پہنچاتا تھا، آج میں نے خود حاضر ہونے کی جسارت کی ہے۔ یا رسول اللہ! کرم فرمائیں اور اپنے گورے گورے ہاتھوں کو قبر انور سے باہر نکالیے، تاکہ چوم کر عقیدت کی پیاس سرد کروں۔ الفاظ کی ادائگی

میں تضرع کی آمیزش تھی، آرزو میں عشق و مستی مظہر تھی اور تمنائے وصال میں عجز کی آمیزش تھی۔
چنانچہ ہدف اجابت کا سینہ چاک ہوا اور پھر سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکان چمن کا وصال ہوا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر کرم کی اور قبر انور سے اپنے دونوں دست اقدس باہر نکال دیے اور
عاشق رسول نے بڑی عقیدت مندی سے ان کو بوسہ دینے کا شرف حاصل کیا۔

برادرانِ اسلام! ذرا زحمت گوارا کریں اور اپنے ہاتھوں کو اوپر اٹھانے میں میرے ساتھ شامل ہو جائیں اس دعا میں کہ: باری تعالیٰ! سب تعریفیں تیرے ہی واسطے ہیں، تیری اور ساری کائنات کے محبوب اور ان کی آل پر رحمت و برکت فرما۔ جس طرح تو نے رحمت و برکت دی تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی آل کو۔ یا الٰہی! ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام کے صدقے، بارہ اماموں کے صدقے، پنجتن پاک کے صدقے، غوث اعظم کے صدقے اور اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہمیں اپنے محبوب کے روضۂ انور کی زیارت کرنے کی توفیق عطا فرمایئے۔ (آمین ثم آمین)

روضۂ انور کی زیارت باعث برکت

رشک آتا ہے مجھے ان باسعادت اہل ایمان پر جن کو اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی زیارت کی توفیق دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور کی زیارت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

1- مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ۔ (دار قطنی)
جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔

2- مَنْ زَارَ قَبْرِيْ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ۔ (بزاز)
جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لیے میری شفاعت حلال ہے۔

3- مَنْ جَآءَنِيْ زَائِرًا لَا تَعْمَلُهُ حَاجَةٌ إِلَّا زِيَارَتِيْ كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ مَا أَكُوْنَ لَهُ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔
یعنی جو میرے پاس میری زیارت کے واسطے آئے اور سوائے میری زیارت کے اور کوئی حاجت نہ رکھے تو اُس کا مجھ پر حق ہے کہ روز قیامت میں اس کی سفارش کروں۔

4- مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِيْ بَعْدَ وَفَاتِيْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ۔
یعنی جو حج کرے، پھر میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرے تو گویا اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

5- مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ۔
یعنی جو شخص بیت اللہ کا حج کرے اور میری زیارت نہ کرے اس نے مجھ پر ظلم و زیادتی کی ہے۔
(طبرانی، جذب القلوب، صفحہ:195، جواہر البحار، جلد رابع، صفحہ:29)

روضۂ انور سے دارین کی نعمتیں ملتی ہیں

بارگاہِ مصطفوی بے چینوں کے لیے چین، بے قراروں کے لیے قرار، نصیب کے لیے شادیٔ نصیب، غمزدوں کے لیے باعث مسرت، گنہگاروں کے لیے مغفرت اور گداگروں کے لیے شاہی پیامبر ہے۔ وہ کون سی نعمت ہے جو اس در سے نہیں ملتی؟ وہ کون سائل ہے جو اس در سے خالی ہاتھ واپس آتا ہے؟ بقول شاعر:

اگر خیرات دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا ہر چہ میخواہی تمنا کن

ازروئے تشفی قلب چند حوالے سپرد قلم کیے جاتے ہیں، تا کہ کسی کو شک نہ رہے۔ سب سے قبل امام ابوبکر بن مقری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ درج کیا جاتا ہے جو کہ جذب القلوب، صفحہ:222 پر اس میں شامل ہے کہ ایک مرتبہ امام ابوبکر بن مقری رحمۃ اللہ علیہ حرم شریف میں حاضر ہوئے، آپ کے ساتھ آپ کے دو رفقائے گرامی طبرانی اور شیخ بھی تھے۔ دوران حاضری بھوک محسوس ہوئی، جس کی شدت بڑھتی گئی۔ پورے دو دن بھوک کے عالم میں گزارے۔ آخرکار وقت عشا روضۂ اقدس پہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الْجُوْعُ. یا رسول اللہ! میں بھوکا ہوں۔

امام ابوبکر بیان کرتے ہیں کہ روضۂ اقدس پر حال دل عرض کر کے واپس آ گیا، پھر میں اور ابو الشیخ دونوں نیند کی آغوش میں چلے گئے اور ہمارا تیسرا ساتھی طبرانی جاگتا رہا کہ کس وقت کوئی عطیہ آئے۔ کچھ لمحے گزرے کہ دروازے پر دستک ہوئی، دروازہ کھولا، تو دیکھا کہ ایک علوی

صاحب دو غلاموں کے ہمراہ موجود تھے، ہر ایک کے ہاتھ میں کھجوریں اور کھانوں سے بھری تھیلیاں تھیں، وہ سب کچھ انھوں نے ہمیں پیش کیا اور ہمارے ساتھ کھانا تناول کرنے میں شرکت کی، جب ہم سیر ہو کر کھا چکے تو باقی بچ رہنے والا کھانا انھوں نے ہمیں دے دیا اور علوی صاحب کہنے لگے کہ تم لوگوں نے اپنی بھوک کی شکایت سبز گنبد والے سے کی اور انھوں نے فوری طور پر مجھے حکم دیا کہ ان بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور میں حسب الحکم حاضر ہو گیا۔

جذب القلوب، صفحہ:223 پر ایک اور واقعہ یوں درج ہے:

ابو الجلا رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ مدینہ میں قیام پذیر ہوئے۔ بعض وجوہات کی بنا پر ایک دو فاقے برداشت کرنا پڑے، آخر روضۂ انور پر حاضر ہو کر عرض کناں ہوئے: اَنَا ضَیْفُكَ یَا رَسُوْلَ اللہِ! اللہ کے رسول میں آپ کا مہمان ہوں۔ عرض حال دل کے بعد انھوں نے پلکیں موند لیں اور محو خواب ہو گئے، عالم نیند میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت باسعادت سے مشرف ہوئے، انھوں نے آپ کو ایک روٹی عنایت کی، جب بیدار ہوئے تو دیکھا کہ آدھی روٹی ان کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی اور بھوک کی وجہ سے آدھی روٹی آپ نے عالم خواب میں ہی تناول فرمائی تھی۔

اب اسی کتاب وصفحہ کا ایک اور واقعہ پیش خدمت ہے:

حضرت ابو بکر اقطع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں حاضری دی، قدرت الٰہی کہ مجھے پانچ روز تک کھانے سے محروم رہنا پڑا، بھوک نے بہت ستایا تو روضۂ اقدس پر حاضر ہوا اور عرض کناں ہوا: اَنَا ضَیْفُكَ یَا رَسُوْلَ اللہِ! یا رسول اللہ! میں آپ کا مہمان ہوں اور بعد از عرض حال دل سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں، اس شان سے کہ آپ کے دائیں طرف صدیق اکبر تھے، بائیں جانب عمر فاروق تھے اور آگے آگے مولیٰ علی مشکل کشا تشریف لا رہے تھے۔ حضرت علی ان کے پاس آئے اور گویا ہوئے۔ جلدی اٹھو کہ اللہ کے محبوب تشریف لا رہے ہیں، وہ جلدی سے اٹھ بیٹھے اور آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک روٹی دی اور واپس چلے گئے۔ آئی ہوئی بہاریں لوٹ گئیں اور اپنی خوشبو اور مہک سے عالم کو مہکا گئیں۔ ابو بکر اقطع رحمۃ اللہ علیہ نے روٹی کھانا شروع کر دی۔ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ روٹی کا بچا ہوا ایک ٹکڑا ان کے ہاتھ میں موجود تھا۔

اب جواہر البحار، جلد رابع، صفحہ:34 پر مرقوم یہ واقعہ ملاحظہ ہو:

ابو محمد اشبیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غرناطہ نام کی ایک بستی میں ایک شخص بیمار پڑ گیا۔ طبیب اس کا علاج کرنے میں ناکام رہے۔ حکیم اس کی بیماری ختم کرنے سے عاجز ہو گئے اور لوگ یہ گمان کرنے لگے کہ اب یہ شخص کبھی اس بیماری سے صحت یاب نہیں ہو سکے گا۔ اس وقت کے ایک شاعر وزیر ابن ابی نے بارگاہ رسالت میں اس شخص کی بیماری سے شفا حاصل ہونے کی گزارش اشعار کی صورت میں خط میں ڈال کر بھیج دی۔ یہ گزارش والا قافلہ مدینہ طیبہ پہنچا اور روضۂ انور پر وہ اشعار پڑھے گئے تو اسی وقت اس شخص کو بیماری سے شفا حاصل ہو گئی۔

ابن ابی شیبہ نے سند صحیح روایت کی ہے کہ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زریں دور تھا کہ قحط پڑ گیا اور ختم ہونے کا نام ہی نہ لیا۔ اس صورت حال پر ایک مسلمان شخص روضۂ انور پر حاضر ہوا اور عرض کیا: یَا رَسُوْلَ اللہِ اِسْتَسْقِ لِاُمَّتِكَ فَاِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوْا۔ یا رسول اللہ! آپ کی امت ہلاکت کے قریب ہے، ان کے لیے بارش طلب فرمائیں، عرض دل کے بعد وہ شخص جواب کا منتظر رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی زیارت سے مشرف کیا اور فرمایا کہ جاؤ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو بشارت دے دو کہ بارش ہو گی۔

اب ایک اور واقعہ عرض ہے:

حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد کے پاس ایک شخص نے 80 دینار امانت کے طور پر رکھے۔ اسے چوں کہ جہاد کو جانا تھا اس لیے اس نے یہ اجازت دے دی کہ وہ ان روپوں کو ضرورت پڑنے پر خرچ کر سکتے ہیں۔ بعد از اجازت صرف وہ شخص جہاد پر چلا گیا۔ قدرت الٰہی کہ حالات کے پیش نظر حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ کے والد نے محسوس کیا کہ امانت کے 80 دینار بھی خرچ کرنا پڑیں گے۔ چوں کہ روپوں کا مالک ان کو خرچ کی اجازت دے چکا تھا، اس لیے انھوں نے وہ روپے خرچ کر لیے، ادھر وہ شخص جلد ہی جہاد سے واپس آ گیا اور اس نے روپے طلب کیے۔ حضرت منکدر رحمۃ اللہ علیہ تو روپے خرچ کر چکے تھے اور ان کے پاس کوئی روپیہ نہ تھا۔ لہٰذا اس سے گویا ہوئے کہ کل تشریف لانا۔ تمہاری امانت لوٹا دوں گا۔ وہ شخص چلا گیا۔ حضرت منکدر رحمۃ اللہ علیہ کو فکر دامن گیر ہوئی کہ کل امانت کی واپسی کا وعدہ کر لیا

ہے اور روپیہ کی آمد کا کوئی خاص ذریعہ نہیں ہے۔ یہ فکر ان کو مسجد نبوی لے گئی، وہاں وہ کبھی منبر کے پاس آ کر عرض کرتے اور کبھی روضۂ انور کی جانب متوجہ ہو کر فریاد کناں ہوتے کہ: یا رسول اللہ! کل امانت کی واپسی کا وعدہ ہے۔ لہٰذا حضور سے 80 دینار مانگتا ہوں، وقت آیا اور وقت پاؤں گزرتا رہا۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو اندھیری رات کا دامن چاک ہوا اور اس میں سے ایک شخص نمودار ہوا اور اس نے 80 دینار کا تھیلا حضرت منکدر رحمۃ اللہ کو دے دیا۔ انھوں نے سرکار کے اس عطیے پر سر تسلیم خم کیا اور خوشی خوشی واپس آئے اور صبح کے وقت مالک کو اس کی امانت واپس کر دی۔ (جذب القلوب، صفحہ:222)

☆☆☆

پانچواں وعظ

درود شریف کی تاکید

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

(سورۂ احزاب، آیت:56)

ترجمہ: اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام۔

قرآن مجید کے 22 ویں پارہ کی سورۂ احزاب کے تیسرے رکوع کی اس آیت مقدسہ سے دو باتوں کی وضاحت ہوتی ہے:

1- ہر قسم کے شکوک سے مبرا بات کہ اللہ اور اس کے ملائکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پیش کرتے ہیں۔

2- اہل ایمان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔

برادرانِ اسلام! اپنے پرائے اور اغیار سب ہی اس بات میں کوئی کلام نہیں سمجھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کی سب سے عظیم ترین ہستی ہیں، حتی کہ ان کے متعلق یہاں تک کہہ دیا گیا ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

بلکہ اس ساری کائنات کی تخلیق کا سبب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی ہے اور اللہ کو ان سے بے پناہ محبت ہے۔

جس طرح کسی ایک ملک کے فرماں روا کو کوئی حکم جاری کرنا ہو تو بہتر خیال کیا جاتا ہے کہ اس کام کا عملی اور اعلیٰ نمونہ عوام کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ عوام میں اس کام کے کرنے کا ذوق

پیدا ہو، کیوں کہ جب کسی قوم کا سردار کسی کام میں دلچسپی ظاہر کرے تو عوام کو آٹومیٹک اس کام سے دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بھی مشاہداتی بات ہے کہ جب کسی پولیس چوکی انچارج کسی کیس میں دلچسپی ظاہر کرے تو اس کے ماتحت بھی اس کیس میں دلچسپی لیتے ہیں۔ بالکل اسی قاعدے اور اصول کے تحت حاکم عظیم جو سب حاکموں کا حاکم ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کی مخلوق اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پیش کرے۔ محبت کا اصول یہ ہے کہ جو شخص پیارا ہو، اس کے لیے یہی خواہش ہوتی ہے کہ ساری دنیا اس کو محبوب رکھے۔ چوں کہ اللہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت ہے، اس لیے وہ اس بات کا خواہاں ہے کہ اس کی مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اثر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اہل ایمان کو ان پر درود وسلام بھیجنے کا حکم دیا ہے، اور مندرجہ بالا اصول کے ماتحت خود کو اور اپنے ملائکہ کو بطور نمونہ پیش کیا ہے تا کہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ مل سکے۔ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

(سورۂ احزاب، آیت:56)

یعنی اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود وسلام بھیجتے ہیں، اے اہل ایمان! تم بھی ان پر درود وسلام پیش کرو۔

چوں کہ اللہ اپنے محبوب کی محبت میں خود کو اور اپنے ملائکہ کو بھی ایک کام یعنی درود وسلام پیش کرنے میں مصروف رکھتا ہے، اس لیے اہل ایمان کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ ہم بھی ایسا کرتے ہیں۔ تم بھی کرو۔

بندہ اور خالق کے مابین فعل مشترک

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا اور اس کے ذمے کائنات کے چند کام لگا دیے، مثلاً نماز پڑھنا، روزے رکھنا، حج کرنا، سونا، پینا وغیرہ۔ لیکن اللہ ان سارے کاموں سے ماوراء ہے اور پاک ہے۔ قرآن مجید کے تیسرے پارے میں ارشاد ہوتا ہے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ (سورۂ بقرہ:۲۵۵)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے، ہمیشہ قائم رہنے والا ہے، نہ اس کو نیند آتی ہے اور نہ اونگھ۔

مندرجہ بالا آیت مقدسہ بندے اور خالق کائنات کے درمیان فعلی تفریق ظاہر کرتی ہے۔ اللہ معبود ہے جب کہ بندہ عبد ہے۔ اللہ تعالیٰ زندہ اور ہمیشہ قائم رہے گا جب کہ انسان فانی ہے اور فنا ہو کے مٹ جائے گا۔ اللہ کو نہ نیند آتی ہے اور نہ اونگھ، جب کہ انسان کے لیے نیند اور اونگھ لازمی امر ہیں۔

ان باتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ زندگی اور موت پر قادر ہے جب کہ انسانوں میں سے بڑے سے بڑا ڈاکٹر اور حکیم بھی کسی فرد کو زندگی نہیں دے سکتا اور نہ ہی کسی سے کوئی زندگی چھین سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورج نکالتا ہے، بارش برساتا ہے، روزی دیتا ہے اور یہ سب کام انسان نہیں کر سکتا، تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خالق کا کام مخلوق نہیں کر سکتی۔ نیز خالق اور بندے کے درمیان کوئی ایک سا کام بھی مشترک نہیں، لیکن ان سب کے باوجود ایک کام ایسا بھی ہے جو خالق اور مخلوق کے مابین مشترک ہے اور وہ کام ہے درود پاک پڑھنا۔ صداقت کے لیے اس وعظ کے آغاز میں بیان کی گئی آیت مبارکہ کا حوالہ دیا جاتا ہے جس میں اس کام کی نسبت اللہ سے بھی ہے، ملائکہ سے بھی اور مومنین سے بھی، یعنی مخلوق کی طرف بھی اور خالق کی طرف بھی۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ خالق اور مخلوق کے مابین درود شریف پڑھنے کا عمل مشترک ہے۔

حضور پر درود کا نزول ازل سے ابد تک

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ۔

یہاں پر اسمیہ جملہ استعمال کیا گیا ہے اور اسمیہ جملہ دوام واستمرار کا غماز ہے، کیوں کہ اسمیہ جملہ ایسے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جہاں کسی کام کا ہمیشہ کے لیے ہونا ہو، اور چوں کہ یہاں پر بھی جملہ اسمیہ استعمال ہوا ہے، لہٰذا مفہوم ظاہر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول رحمت ودرود ازل سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اور کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس میں اللہ کی رحمت کا نزول نہ ہوا ہو، اور کوئی زمانہ ایسا نہیں آئے گا جس میں اللہ کی رحمت کا نزول نہ ہوگا۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ جن پر اللہ تعالیٰ کی اس قدر رحمتیں نازل ہوتی ہیں جن کا شمار نا ممکن ہے۔ ان کا مذہب کس قدر جلیل ہے، ان کا مرتبہ کس قدر

عظیم ہے، ہم اس کے متعلق تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن اس کے باوجود ہمارے یہاں چند ایک ایسے نادان بھی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ ان کے مرتبہ و منصب میں فرق پیدا کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ ایک لمحے کے لیے اپنے شعور کو بیدار کریں اور غور کریں کہ اگر ہم اس عظیم ذات کی صفت نہ کر سکیں، تو کم از کم ان میں نقص بھی نہ نکالیں۔ اگر ایسا کریں گے تو خطا کھائیں گے اور سزاوار ہوں گے۔ ہم تو اچھے بھلے اور برے کی تمیز اور نشاندہی کر دیتے ہیں، ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں۔

درود کی تاکید

ملت اسلامیہ کے سپوتو!

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

اس آیت مقدسہ پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ درود شریف پڑھنے کا حکم صرف اہل ایمان کے لیے ہے، اس لیے کافر، منافق اس نعمت اور سعادت سے محروم ہیں۔ اگر وہ پڑھنا چاہیں تو لازم ہے کہ پہلے وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ہمارے پیارے رسول کی رسالت پر ایمان لے آئیں۔ نیز اس آیت میں صیغہ امر وارد ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ درود شریف کا پڑھنا ضروری ہے۔ بعض علما کے نزدیک درود شریف ساری عمر میں ایک بار فرض ہے۔ اگر نماز میں پڑھا جائے تو سنت ہوگی۔ دیگر اوقات اس کا ورد کرنا محبوب و مستحسن عمل ہے۔ جہاں پر پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آ جائے وہاں پر درود پڑھنا واجب ہے اور اگر آقائے نامدار کا نام بار بار آئے تو ہر بار درود پڑھنا مستحب ہے۔ بعض علما کے نزدیک ہر بار درود پڑھنا واجب اور لازمی ہے۔ خود پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ اس کے ثبوت میں چند احادیث مبارکہ عرض ہیں:

رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ۔

غبار آلود ہو ناک اس شخص کی جس کے پاس میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔
(مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ:86، سنن ترمذی)

بخیل مختلف طرح کے ہوتے ہیں، مگر سب سے بڑا بخیل وہ ہوتا ہے کہ جس کے سامنے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لیا جائے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھے۔ اس ضمن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ بیان کی ہے جو شفا، جلد دوم، صفحہ: 63 پر مرقوم ہے۔ حدیث مبارکہ یہ ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْبَخِيلَ كُلَّ الْبُخْلِ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑا بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! کیا میں تم لوگوں کو سب سے زیادہ بخیل کے بارے میں نہ بتاؤں؟ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ضرور فرمائیں، آپ کا ارشاد ہوا:

مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ۔ یعنی جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے وہ بہت بڑا بخیل ہے۔ (کشف الغمہ، صفحہ:272، افضل الصلوٰۃ، صفحہ:45)

ایک روایت یوں درج ہے کہ سرکار دو جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ویل ہے اس شخص کے لیے اور تباہی ہے اس شخص کے لیے جو قیامت کے روز میری زیارت سے محروم رہے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے استفسار کیا: یا رسول اللہ! اس شخص کی نشاندہی فرمائیں جو روز محشر آپ کی زیارت سے محروم رہے گا، وہ کون حرماں نصیب ہوگا جو آپ کے دیدار کی سعادت حاصل نہ کر پائے گا؟ فرمایا کہ وہ شخص جو کہ بخیل ہوگا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کون سے بخیل کے متعلق ارشاد فرما رہے ہیں؟ جواب ملا کہ ایسا بخیل جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ (کشف الغمہ، صفحہ:272، افضل الصلوٰۃ، صفحہ 45)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ایک ارشاد یوں درج ہے:

مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ فَقَدْ شَقِيَ۔ (شفا، صفحہ 62، افضل الصلوٰۃ، صفحہ:44)

یعنی جس کے پاس میرا نام لیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا، وہ بد بخت ہے۔

برادرانِ اسلام! آپ نے مندرجہ بالا احادیثِ مبارکہ ملاحظہ فرمائیں جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر درود نہ پڑھنے والا بد بخت ہے، بخیل ہے۔ اس کے لیے تباہی و بربادی ہے اور وہ شخص جو روزِ محشر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر آپ پر درود نہ پڑھے گا، اس کے دیگر صالحہ اعمال کی بنا پر جنت میں جانے کا حکم ملے گا تو وہ جنت کا راستہ بھول جائے گا۔ آپ کا ارشاد ہے: مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ اَخْطَأَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ۔

(شفا، صفحہ:62، افضل الصلوٰۃ، صفحہ:44)

جس کے پاس میرا نام لیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا وہ جنت کا راستہ بھول جائے گا۔

برادرانِ گرامی! مندرجہ بالا احادیثِ مبارکہ ہمیں وارننگ دے رہی ہیں کہ اگر ہم لاپرواہی کو اپنا شعار بنائے رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسمِ گرامی سن کر ہم نے آپ پر درود نہ پڑھا تو تباہی و بربادی ہماری نصیب بن جائے گی، کیوں کہ ایک حدیث کا مفہوم یوں بھی درج ہے کہ پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزِ محشر بعض گروہ ایسے ہوں گے جن کو اللہ کی جانب سے بسوئے جنت جانے کا حکم ہوگا، وہ جنت کی طرف چلیں گے اور راستہ بھول جائیں گے۔ کسی کی جانب سے استفسار کیا گیا کہ ایسا کیوں ہوگا؟ ارشاد ہوا، اس لیے کہ انھوں نے میرا نام سنا اور مجھ پر درود نہ پڑھا۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ 93)

دعا اور نماز درود کے بغیر قبول نہیں ہوتی

درود شریف پڑھنا لازمی ہے۔ اس قدر لازمی کہ اس کے بغیر نماز اور اللہ کے دربار میں شرف قبولیت سے ہمکنار نہیں کی جاتی، بلکہ وہ دعا اور نماز زمین و زمان کے درمیان معلق رہتی ہے، خواہ نمازی اپنی نماز میں کس قدر عجز و انکساری کرے اور تضرع و گریہ زاری کو مقام انتہا تک پہنچادے، خواہ اشک سوئی سے دریا بہادے۔ اس کے ثبوت میں حضرت عمر بن خطاب سے منسوب ایک قول ہے، اس کو ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ وہ قول یہ ہے:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهَا شَيْءٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلٰى نَبِيِّكَ۔ (مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 87)

یعنی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دعا زمین و آسمان کے درمیان

معلق رہتی ہے اور اس سے کوئی شئے نہیں چڑھتی، جب تک کہ تو اپنے نبی پر درود نہ پڑھے۔

حضرت عمر کے مندرجہ بالا اس قول سے گو کہ صرف دعا کے متعلق ہی علم ہوتا ہے مگر بعض روایتوں میں نماز اور دعا دونوں کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ ثبوت کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہی ایک اور قول حاضر ہے: اَلدُّعَاءُ وَالصَّلٰوةُ مُعَلَّقٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ فَلَا يَصْعَدُ اِلَى اللّٰهِ مِنْهُ شَيْءٌ حَتّٰى يُصَلِّيَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ 51)

یعنی دعا اور نماز زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے اور اس سے کوئی شئے نہیں چڑھتی، جب تک کہ تو اپنے نبی پر درود نہ پڑھے۔

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے واضح ہوتا ہے کہ دعا اور نماز بغیر درود کے آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتی ہے۔

قبل از دعا درود پڑھنا دعا کی قبولیت کا باعث ہے

ہر بات، ہر کام اور ہر عمل اپنی تکمیل کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ آداب کا تقاضا کرتا ہے۔ ایسے آداب کہ جن کی بجا آوری کے بغیر اس کی تکمیل ممکن نہیں اور جس چیز کی تکمیل تشنہ ہو، دیکھنے اور سننے والوں کے دلوں میں قبولیت حاصل نہیں کر پاتی۔ یہی حال دعا کا ہے، جب تک کہ دعا کے آداب کی بجا آوری نہ کی جائے گی اور دعا ہدف اجابت کا سینہ چاک نہ کرے گی۔

دعا درج ذیل آداب کی تقاضا کرتی ہے:

سب سے قبل اللہ جل شانہ کی حمد و ثنا کی جائے کہ اس عالم رنگ و بو کی تمام تر حمد و ثنا رب کریم کے لیے ہے۔ اس کے بعد دعا جس دوسری شق کا تقاضا کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا جائے۔ جب مندرجہ بالا تقاضہائے دعا و آداب دعا مکمل ہو جائیں تو پھر اللہ سے اپنی دعا کی جائے، تو ان شاء اللہ دعا ہدف اجابت کا سینہ چاک کرے گی اور پھر سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا وصال بھی ضرور ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت فضالہ بن عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے نماز ادا کی اور پھر یہ دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ۔

یا اللہ! مجھے معاف فرما اور مجھ پر رحم کر۔

اس وقت پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں رونق افروز تھے۔ آپ نے اس شخص سے ارشاد فرمایا کہ تونے دعا مانگنے میں جلد بازی سے کام لیا ہے۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آداب دعا سے روشناس کرایا کہ جب تو نماز سے فراغت حاصل کرلے تو آرام و سکون سے بیٹھ جا اور پھر حمد و ثنائے رب کریم بجالا۔ بعد از حمد و ثنائے رب کریم مجھ پر درود پڑھ اور پھر اپنی حاجت طلب کر۔ راوی کا کہنا ہے کہ اس کے بعد ایک اور شخص آیا اور اس نے نماز ادا کی، پھر حمد و ثنائے رب کریم بیان کی، پھر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا تو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَیُّهَا الْمُصَلِّیْ اُدْعُ تُجَبْ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ 86، سنن ترمذی)

ترجمہ: اے نمازی! اب دعا قبول ہوگی۔

ایک اور حدیث ہے جس کو ترمذی نے روایت کیا ہے، وہ حدیث یوں ہے: عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: کُنْتُ اُصَلِّیْ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ مَعَهٗ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَی اللّٰهِ تَعَالٰی، ثُمَّ الصَّلٰوةُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِیْ، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: سَلْ تُعْطَهْ، سَلْ تُعْطَهْ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ 87)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو اللہ کی ثنا شروع کی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا، پھر اپنے لیے دعا مانگنا شروع کی۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوال کرو، یعنی مانگو تجھے دیا جائے گا، مانگو تجھے دیا جائے گا۔

مندرجہ بالا دونوں احادیث مبارکہ اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ دعا سے قبل حمد و ثنا رب کریم کی جائے بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا جائے تو دعا ضرور قبول ہوگی۔

حضرت ابوسلیمان درانی کا ایک قول درج ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرے، اسے چاہیے کہ سب سے قبل اللہ کی حمد و ثنا کرے۔ بعد ازاں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے، پھر اپنی حاجت طلب کرے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے، تو ضرور دعا اللہ کے حضور شرف قبولیت سے ہمکنار ہوگی، کیوں کہ اللہ دعا کے اول

و آخر میں پڑھے گئے درود شریف کو ضرور قبول فرمائے گا تو یہ بات بعید از رحمت الٰہی ہے کہ اول و آخر کو قبول فرمائے اور درمیان سے نظریں پھیر لے۔ (افضل الصلوٰۃ)

بہرکیف! اول و آخر درود شریف پڑھا جائے تو ضرور دعا قبول ہوگی۔

درود شریف سے اعمال میں شیرینی

برادرانِ گرامی! درود شریف اللہ جل جلالہ کی جانب سے بیش بہا عطیہ ہے، اگر اس کی تلاوت کرتے ہوئے اعمال کیے جائیں تو اُن میں شیرینی پیدا ہو جاتی ہے۔

پیارے رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی شان اور شوکت والے تھے، آپ کا جسم دائمی طور پر اطہر اور پاک تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس پر مکھی کو بھی بیٹھنے کی جرأت نہیں تھی، مگر مگس (شہد کی مکھی) کو اس امر کی اجازت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کو چوم سکے۔

ایک بار اُس مگس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مگس سے سوال کیا کہ اے مگس! یہ تو بتاؤ کہ شہد بنانے کا طریق کار کیا ہے؟ کن عناصر کی تکمیل کے بعد تم شہد بناتی ہو؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! شہد بنانے کا عمل بہت سادہ اور شارٹ ہے، میں فقط یہ کرتی ہوں کہ باغ میں جاکر یاسمین اور گلاب کے گلوں سے رس چوس لیتی ہوں اور گھر آکر اُگل دیتی ہوں تو وہ شہد بن جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے مگس! یاسمین اور گلاب کے گلوں کے تمام رس مٹھاس اور شیرینی سے عاری اور محروم ہوتے ہیں، جب کہ شہد میٹھا ہوتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ یاسمین و گلاب کے پھولوں کے پھیکے رس کس طرح شیرینی اور مٹھاس سے لبریز ہو جاتے ہیں؟ ان میں مٹھاس اور شیرینی کی ملاوٹ کس طرح سے ہوتی ہے؟ یہ سن کر مگس نے جو جواب دیا اس کو ایک شاعر نے اس شعر کا روپ دیا ہے:

چوں خوانیم بر احمد درود
میشود شیریں و تلخی فرار بود

یعنی نہ ہمارے پیٹ میں مٹھاس ہوتی ہے اور نہ ہی منہ اس نعمت سے ہمکنار ہے، بلکہ اصل

بات یہ ہے کہ گلشن سے پھولوں کا رس چوس کر ہم درود شریف کا ورد کرتے ہیں اور گھر آنے تک اور شہد اُگلنے تک اس کا ورد کرتے رہتے ہیں۔ بس اسی درود شریف کی برکت سے شہد مٹھاس سے مزین ہوجاتا ہے۔

برادران گرامی! اگر درود شریف کی برکت سے پھولوں کے پھیکے رس میں مٹھاس اور شیرینی آسکتی ہے تو کیا یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ درود شریف کی برکت سے ہمارے پھیکے اعمال میں شیرینی آجائے۔ چنانچہ ہمیں ہر وقت درود شریف کا ورد کرتے رہنا چاہیے، تاکہ ہمارے اعمال میں شیرنی اور مٹھاس پیدا ہوتی رہے۔

☆☆☆

چھٹا وعظ

درود شریف کی فضیلت کے بارے میں

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

(سورۂ احزاب، آیت:56)

ترجمہ: اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! ان پر درود وسلام بھیجو۔

برادران گرامی! یوں تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمارے واسطے انواع واقسام کے وظائف نزول کیے گئے ہیں جو کہ ہمارے واسطے خیر وبرکات کا خزانہ ہیں، جن پر عمل کرنے سے ہم دین ودنیا کی نعمتوں سے سرفراز ہوسکتے ہیں مگر خالق کائنات کا سب سے عظیم تحفہ درود شریف ہے۔ یہ وظیفہ اپنے اندر ایک نرالا پن لیے ہوئے ہے اور بے انتہا نعمتوں کا باعث ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا۔
یعنی جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے اللہ کی طرف سے اس پر دس رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔
(مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ 86)

مشکوٰۃ شریف کے اسی صفحہ پر ایک اور حدیث جس کو دارمی اور نسائی نے روایت کیا، یوں ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کے ہر انداز میں مسرت اور خوشی کی آمیزش تھی، بلکہ خوشی آپ کے چہرہ اقدس سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آج روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس حاضر ہوئے اور وہ میرے لیے یہ پیغام لائے تھے کہ آپ کے پروردگار کا ارشاد ہے کہ کیا آپ اس بات پر خوش ہوں گے؟ کیا آپ کی رضا اس میں نہیں کہ آپ کی امت میں سے اگر کوئی شخص آپ پر ایک مرتبہ درود پڑھے تو میں اس پر دس درود پڑھوں اور جو آپ پر ایک

سلام بھیجے میں اس پر دس سلام بھیجوں؟

عارفین باللہ کے اقوال

برادران اسلام! پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ درود پڑھنے سے اللہ تعالیٰ دس بار رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس سے درود شریف کی فضیلت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

عارفین باللہ کا قول درج ہے کہ اگر انسان کی ساری زندگی عبادات میں گزری ہو اور اگر انسان کی ساری عمر کی تمام عبادات اور اللہ کی صرف ایک نظر رحمت کو باہم مقابل لایا جائے تو اللہ کی نظر رحمت انسان کی تمام عمر کی تمام عبادات سے بڑھ جائے گی۔ (افضل الصلوٰۃ، صفحہ:23)

یعنی اللہ کی نظر رحمت انسان کی ساری زندگی کی جملہ عبادات سے برتر ہے اور اگر یہی رحمت ایک بار سے بڑھ کر دس بار ہو جائے، تو کیا ہم اس کا کچھ اندازہ لگانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں؟

واضح رہے کہ اللہ کی صرف ایک رحمت کی نظر بیڑا پار کرنے کے لیے کافی ہے۔

حکایت: حضرت ابو الحسن شاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے کہ ایک بار آپ عازم سفر تھے۔ سر راہ ایک مقام ایسا آیا جو جنگلی جانوروں اور درندوں سے پُر تھا۔ ہر طرف ان کی بہتات تھی اور از روئے مجبوری آپ کو وہیں قیام کرنا پڑا۔ آپ نے اپنا زاد راہ سنبھالا اور وہیں ڈیرہ ڈال دیا۔ بوقت شب آپ کو درندوں کا خوف لاحق ہوا۔ آپ ایک بلند و بالا ٹیلے پر تشریف لے گئے اور دل میں خیال کیا کہ درندوں سے محفوظ رہنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا چاہیے۔ اس طرح سے میں درندوں سے محفوظ رہوں گا، کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھنے والے پر دس رحمتوں کا نزول کیا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ مجھ پر دس رحمتوں کا نزول کرے گا تو درندوں کا خوف و خطر میرے لیے بے حقیقت ہے۔ آپ نے اس سوچ پر، اس فکر اور اس خیال پر عمل کیا اور درندوں کے خوف سے لاپرواہ ہو کر اطمینان سے سو گئے۔ سونے سے قبل آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھ لیا جس کی وجہ سے درندوں کو آپ پر حملہ کرنے کی جسارت نہ ہو سکی۔ (سبحان اللہ)

برادران گرامی! ملت اسلامیہ کے علما کے نزدیک یہ بحث خاصی دلچسپی کا باعث ہے کہ درود شریف اور ذکر اللہ میں سے کس کو فضیلت حاصل ہے؟ ذکر اللہ کرنے سے زیادہ اجر ملتا ہے یا

درود شریف پڑھنا زیادہ اجر کا باعث ہے؟ حضرت عبد الحق محدث دہلوی اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ذکر اللہ سے زیادہ درود شریف پڑھنا فضیلت کا باعث ہے۔ اس کے ثبوت میں وہ قرآن مجید کے اِن الفاظ کا حوالہ دیتے ہیں: فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ۔ (تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا۔) وہ فرماتے ہیں کہ اس سے ظاہر ہے کہ اگر اللہ کا ذکر ایک بار کیا جائے تو اللہ بھی بندے کا ذکر ایک بار کرتا ہے، جب کہ درود شریف کے ایک بار پڑھنے سے اللہ تعالیٰ دس رحمتوں کا نزول کرتا ہے، یعنی دس بار یاد کرتا ہے۔ اس وجہ سے درود شریف پڑھنا اللہ کا ذکر کرنے سے افضل ہے۔ (معارج النبوۃ)

درود پڑھنے سے گناہ کا مٹنا اور درجات کا بڑھنا

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَّحُطَّتْ عَنْہُ عَشْرُ خَطِیْئَاتٍ وَّرُفِعَتْ لَہٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ۔ (سنن نسائی، مشکوٰۃ، صفحہ 86)

ترجمہ: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، اس کے دس گناہ مٹ جاتے ہیں اور دس درجے بلند ہوتے ہیں۔

دار قطنی اور ابن شاہین حضرت ابو ہریرہؓ سے راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلصَّلٰوۃُ عَلَیَّ نُوْرٌ عَلَی الصِّرَاطِ فَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ ثَمَانِیْنَ مَرَّۃً غُفِرَتْ لَہٗ ذُنُوْبُ ثَمَانِیْنَ سَنَۃً۔ (جواہر الحدیث، جلد:4، صفحہ:163)

یعنی مجھ پر درود بھیجنا پل صراط پر نور ہوگا۔ جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر اسی مرتبہ درود پڑھے گا۔ اس کے اسی سال کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

حکایت: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ روز محشر بپا ہوگی، میزان عدل قائم ہوگا، انسانوں کی زندگیوں کے اعمال کا حساب و کتاب کیا جائے گا، ہر شخص برگ آوارہ کی مانند کانپ رہا ہوگا، آنکھوں سے اشک ندامت رواں دواں ہوں گے، روز ازل سے لے کر قیامت تک کے انسانوں کا ہجوم ایک میدان میں جمع ہوگا، حضرت آدم اپنے جسم اقدس پر سبز رنگ کا جوڑا زیب تن کیے عرش کے نیچے تشریف فرما ہوں گے اور انسانوں کی اس بے پناہ بھیڑ کو ملاحظہ کر رہے ہوں گے کہ دیکھیں ان کی اولاد میں سے کون کون سے جنت میں

داخل کیے جاتے ہیں اور کن کن کو دوزخ کا ایندھن بنایا جاتا ہے۔ دورانِ مشاہدہ حضرت آدم علیہ السلام دیکھیں گے کہ ایک شخص جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہے، اس کو ملائکہ سوئے دوزخ لیے جارہے ہیں، یہ دیکھ کر حضرت آدم پکاریں گے: یا احمد، یا احمد! آپ جواب دیں گے۔ لَبَّیْکَ یَا اَبَا الْبَشَرِ! سیدنا آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ دیکھو تمہارے ایک امتی کو ملائکہ دوزخ کی جانب لے جارہے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی یہ بات سن کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتی کی طرف دوڑیں گے اور ملائکہ سے یوں ارشاد کریں گے: اللہ کے قاصدو! ذرا ٹھہرو، اس شخص کو کہاں لیے جارہے ہو؟ ملائکہ عرض کریں گے کہ ہم سخت ملائکہ میں سے ہیں اور ہم اللہ کے حکم سے سرتابی کی مجال نہیں رکھتے، ہم اس کے حکم سے منہ نہیں موڑ سکتے اور ہم اس کے حکم کو پس پشت نہیں ڈال سکتے۔ اس وقت سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بائیں دست مبارک اپنی ریش مبارک پر رکھ کر اللہ سے عرض کریں گے: یا اللہ! تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ مجھے میری امت کے بارے میں شرمسار نہیں کرے گا، اب وعدہ ایفائی کا وقت آگیا ہے۔ فوراً عرش الٰہی سے یہ ندا دی جائے گی: اَطِیْعُوْا مُحَمَّدًا. میرے حبیب کی اطاعت کرو۔

فرشتے اس کو واپس میزانِ عدل پر لے آئیں گے، وہاں اس کے اعمال کا دوبارہ وزن کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفید کاغذ اس شخص کی نیکیوں والے پلڑے میں ڈال دیں گے۔ میزان کن واقعہ رونما ہوگا، نیکیوں کا پلڑا جھک جائے گا، بدیاں مغلوب ہو جائیں گی اور نیکیاں غالب ہو جائیں گی، بدیاں نیکیوں کے مقابلے میں بہت کم ہو جائیں گی اور اس کے ساتھ ہی اس شخص کی قسمت بھی بدل جائے گی۔ پھر ایک ندا آئے گی کہ اب اس بندے کا شمار نیکوکاروں میں ہو گیا اور اب اسے جنت میں لے جاؤ۔

جب ملائکہ اس شخص کو جنت میں جانے کے لیے کہیں گے تو وہ اُن سے کہے گا کہ ذرا رک جاؤ، ذرا میں اس معزز آدمی سے کچھ عرض کرلوں۔ پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرے گا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ کس قدر حسین و جمیل ہیں، ذرا یہ تو نوازش فرمائیں اور بتا دیں کہ جناب کون ذات شریف ہیں؟ آپ نے دیارِ غربت و افلاس میں مجھ کو ایک بلائے گراں و بے درماں سے نجات دلائی ہے۔ جواب میں آپ ارشاد کریں گے کہ میں تیرا

نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں، اور سفید کاغذ وہ درود شریف ہے جو ایک بار تم نے مجھ پر پڑھا تھا، میں نے اس کو محفوظ کرلیا تھا کہ وقتِ حاجت تیرے کام آئے اور تیری حاجت روائی کا سامان کرسکے۔ (جواہر البحار، جلد چہارم، صفحہ:167)

درود شریف کے پڑھنے سے عذابِ خدا دور ہوتا ہے

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَنْظُرُ اِلٰی مَنْ یُّصَلِّیْ عَلَیَّ وَمَنْ نَظَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِلَیْہِ لَا یُعَذِّبُہٗ اَبَدًا.

یعنی اللہ تعالیٰ نظر کرم کرتا ہے اس شخص پر جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اور جس شخص پر اللہ نظر کرے اُسے عذاب نہیں دے گا۔ (افضل الصلوٰۃ، صفحہ:40)

اس سے دو باتوں کی وضاحت کرتی ہے:

1- بمطابق ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے والا اللہ کی نظر رحمت سے فیضیاب ہوگا۔

2- دوسری بات یہ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے آشنا ہو جائے، اس کو اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دے گا۔

اس سے صاف طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ درود شریف سے عذابِ الٰہی ٹل جاتا ہے۔

حکایت: امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے کلیم و پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عہدِ رسالت تھا۔ آپ کے عہد میں ایک شخص تفسیق و تفجیر کا پیکر تھا، اسی وجہ سے سارے بنی اسرائیل اس سے ناخوش تھے، پھر گردشِ دلیل و نہار سے رنگ آسمان بدلا اور اس فاسق و فاجر شخص کا جام حیات لڑھک گیا، لوگوں نے اس کی تجہیز و تکفین بھی گوارہ نہ کی اور اس کی لاش کو بے گور و کفن ایک پلید اور ویران مقام پر پھینک دیا، یہاں تک کہ اس کی نماز جنازہ بھی نہ ادا کی۔

پیغمبر وقت کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ نے نزول وحی کیا اور ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ! فلاں مقام پر ایک مردہ بے گور و کفن پڑا ہے، وہاں جاؤ اور اُس کو غسل دو، پھر اُسے کفناؤ اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کرو، کیوں کہ میں نے اسے معاف کر دیا ہے اور اس کی مغفرت فرما دی

ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی صورت حال سے واقف تھے، عرض کیا: خالق عالم! اس گنہگار کی کس وجہ سے تونے بخشش فرمائی ہے اور اس کا کون سا عمل اس کی مغفرت کا باعث بنا؟ ارشاد باری تعالیٰ ہوا: اے موسیٰ! اس شخص کی مغفرت کیے جانے کا سبب یہ ہے کہ ایک مرتبہ اس شخص نے توارت شریف میں میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دیکھا تو ان پر درود پڑھا، اسی وجہ سے میں نے اس کی مغفرت فرمادی ہے۔ (افضل الصلوٰۃ، صفحہ: 41)

درود خواں پر عرش الٰہی کا سایہ

روزِ محشر اس قدر گرم ہوگا کہ یہ ارض تانبے کی مانند گرم ہوگی اور ہر شخص بلکہ ہر ذی روح کسی سایہ کا خواہاں ہوگا، مگر وہاں سایہ میسر نہ ہوگا۔ لیکن وہ شخص جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود پڑھتا ہوگا، عرشِ الٰہی کے سایے میں ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ثَلٰثَةٌ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ قِيْلَ مَنْ هُمْ، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَنْ فَرَّجَ عَنْ مَكْرُوْبٍ مِّنْ اُمَّتِيْ وَاَحْيٰى سُنَّتِيْ وَاَكْثَرَ الصَّلٰوةَ عَلَيَّ۔

(افضل الصلوٰۃ، صفحہ: 28)

یعنی تین قسم کے شخص روزِ محشر جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا عرشِ الٰہی کے سایہ تلے ہوں گے۔ عرض کی گئی وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرے، جو میری سنت کا احیا کرے اور جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھے۔

درود خواں کے لیے حضور کی خصوصی سفارش

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ كُنْتُ شَفِيْعَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (جواہر البحار، صفحہ: 166)

یعنی جو شخص مجھ پر درود پڑھے گا۔ قیامت کے روز میں اس کا سفارشی بنوں گا۔

حکایت: حضرت شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس کا ایک شخص قضائے الٰہی سے اس دنیائے فانی سے رشتہ منقطع کر گیا، دار الفناء سے دار البقاء کی جانب عازم سفر ہوگیا، رات کو وہ شخص مجھے خواب کے عالم میں دکھائی پڑا، اس کو دیکھ کر از راہ لحاظ میں نے اس کا حال

دریافت کیا، اس نے کہا کہ جس وقت قبر میں منکر نکیر سوالات کے لیے آئے تو میری زبان بند ہوگئی اور میں ان کے سوالات کے جواب نہ دے سکا۔ اس وجہ سے میرے دل میں یہ گمان گزرا کہ کیا میرا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا، کیا مرتے وقت میں مسلمان نہیں تھا؟ میں ابھی اسی گومگو اور کشاکش کی کیفیت میں مبتلا تھا کہ ایک شخص قبر میں داخل ہوا، اور اس نے مجھے بتایا کہ فرشتوں کے سوالات کے جواب کیا ہیں، میں نے اس سے سوال کیا کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں ایک فرشتہ ہوں اور میری آفرینش تمہارے اس درود شریف کی وجہ سے ہوئی جو تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا تھا۔ (نزہۃ المجالس، جلد دوم، صفحہ: 94، جذب القلوب، صفحہ: 250)

ابو المظفر محمد بن عبد اللہ خیام فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے منارہ کعب کا رخ کیا، سر راہ میں اپنی منزل سے راستہ بھولنے کے سبب دور ہٹ گیا، میں گومگو کی کیفیت میں تھا کہ اچانک ایک شخص مجھے نظر آیا، اس شخص نے مجھ کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا اور میں ان کی رفاقت میں محو خرام ہوگیا، دل میں یہ گمان تھا کہ یہ شخص حضرت خضر علیہ السلام ہیں جو بھولے بھٹکوں کو اُن کی منزل پر پہنچاتے ہیں، اسی خیال کی تصدیق کے لیے میں نے پوچھا کہ آپ کا اسم گرامی کیا ہے؟ جواب ملا کہ میرا نام خضر بن ایشا ابو العباس ہے، میں نے ان کے ہمراہ ایک اور شخص کو دیکھا اور اس کا بھی اسم گرامی معلوم کیا، ان کے جواب سے مجھے معلوم ہوا کہ ان کا نام الیاس بن شام ہے۔

میں نے کہا آپ پر اللہ کی رحمت کا نزول ہو، کیا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرنے کی سعادت سے مشرف ہوئے ہیں؟ انھوں نے اقرار میں جواب دیا، پھر میں نے ان سے قسمیہ طور پر پوچھا کہ آپ نے جو حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، مجھ کو بھی سنائیں تاکہ میں اسے آگے روایت کروں، انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ طَهَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ مِنَ النِّفَاقِ كَمَا يُطَهِّرُ الثَّوْبَ الْمَاءُ۔

یعنی جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے، اللہ اس کے دل کو نفاق سے ایسے پاک کر دیتا ہے جیسے پانی کپڑے کو صاف کر دیتا ہے۔ (جذب القلوب، صفحہ: 251)

درود خواں کا بارگاہ رسالت میں قرب

برادران اسلام! اب آپ کی خدمت میں ابن مسعود کی روایت کردہ حدیث پیش کرتے

ہیں، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ درود پڑھنے والا روزِ محشر بارگاہِ رسالت کا قریبی ہوگا۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:86، سنن ترمذی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزِ قیامت میرے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر بکثرت درود پڑھتے ہیں۔

حکایت: اللہ تعالیٰ نے اپنی خلق کو ہدایت کے واسطے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام مبعوث فرمائے اور نبوت کا یہ سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کردیا۔ ان کے بعد اپنی مخلوق کی ہدایت کے واسطے برگزیدہ بندوں کو سلیکٹ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سے اب تک ہزاروں، لاکھوں برگزیدہ بندوں کو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے سلیکٹ کیا جاچکا ہے۔ ان برگزیدہ بندوں کو ولی اللہ کہا جاتا ہے، کیوں کہ وہ اللہ کی مانتے ہیں اور اللہ ان کی مانتا ہے۔ ان ہی لاکھوں برگزیدہ اولیائے کرام میں اللہ کے ایک برگزیدہ ولی حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ بھی گزرے ہیں۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز حضرت ابوبکر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بہرِ ملاقات تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ آپ کی آمد کی خبر سن کر ان کو 'ویلکم' کہنے کے لیے اٹھے، ان سے معانقہ کیا، بعدازاں ان کی جبین باسعادت پر دونوں آنکھوں کے بیچ بوسہ دیا اور اپنے لب اقدس سے جبین پر سعادت کی شیرینی کا ذائقہ محسوس کیا۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ ماجرا دیکھ کر میں ابوبکر سے گویا ہوا: یا سیدی! آپ نے شبلی کو اس قدر محترم اور مکرم کیوں جانا؟ ان کی اس قدر تکریم وتعظیم کا کیا سبب ہے؟ حالاں کہ تمام اہل بغداد کی طرح آپ کا بھی اس بات پر یقین ہے کہ شبلی عالم مجنونیت میں ہے۔ حضرت ابوبکر مجاہد فرمانے لگے کہ میں نے شبلی کے ساتھ اسی سلوک کو روا رکھا ہے جو سلوک اس کے ساتھ ہمارے آقا ومولیٰ نے روا رکھا۔ میں نے عالم رویا میں اس بات کو محسوس کیا اور ملاحظہ کیا۔ شبلی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضری دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم شبلی کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوگئے، پھر آگے بڑھ کر شبلی کو دونوں بغلوں سے پکڑا اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ شبلی کے ساتھ اس قدر پیار ومحبت کا اظہار کررہے ہیں، اس کی کیا

وجہ ہے؟ شبلی پر اس التفات کا کیا سبب ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہر نماز کے بعد یہ آیت پڑھتا ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (سورۂ توبہ:128)

بعدازاں مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے۔ (جذب القلوب، صفحہ 250)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ درود شریف پڑھنے سے بارگاہِ رسالت کی قربت نصیب ہوتی ہے۔

جذب القلوب کے اسی صفحے پر مرقوم یہ روایت موجود ہے کہ درود شریف پڑھنے سے اللہ کی قربت بھی حاصل ہوتی ہے، ملاحظہ ہو:

حق تعالیٰ نے اپنے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کا نزول کیا، جس میں بہت سی باتوں کے تذکرے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر یہ دنیا والے میری حمد وثنا سے منھ موڑ لیں اور گریز کرلیں، تو میں ارض پر آسمان سے ایک قطرہ پانی بھی نازل نہ کروں اور اسی طرح زمین سے اناج کا ایک دانہ بھی نہ اگاؤں۔ مزید ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ! اگر تو میری قربت کا خواہاں ہے اور میرے قرب کی تمنا دل میں رکھتا ہے، تو میرے پیارے محبوب ومطلوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا کرو، اسی صورت میں تم میری قربت سے سرفراز ہوسکتے ہو۔

☆☆☆

ساتواں وعظ

درود پاک پڑھنے کے فوائد

برادران اسلام! اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ارکان اسلام اور دیگر اعمال حسنہ کا نزول کیا۔ کیا اسے ان کی ضرورت تھی؟ نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ ارکانِ اسلام اور دیگر اعمال حسنہ کا نزول اس لیے کیا گیا کہ ہم اہل ایمان کی نجات کے سامان ہو جائیں۔ اس کی بخشش کا بہانہ ہمارے ہاتھ آ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کریم نے ارکان اسلام اور دیگر اعمال حسنہ کا نزول کیا اور ان کی طرف رغبت دلانے کے لیے ان کے فوائد سے بھی آگاہ فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ ارکان اسلام اور دیگر اعمال حسنہ اپنے اپنے فوائد کے ساتھ ہمیں بلا رہے ہیں۔ ارکانِ اسلام میں سے نماز اپنے اندر فوائد کا ایک گنج گراں مایہ چھپائے ہوئے ہے۔ زکاۃ معاشرتی بحران کو ختم کرنے کی ضامن ہے۔ رمضان المبارک تو ہم سب کے لیے سراسر رحمتِ الٰہی ہے اور حج ہے کہ انسانی مساوات کا علمبردار ہے۔

اس طرح دیگر اعمال حسنہ بھی ہمارے لیے فوائد دینی و دنیاوی سے بھرپور ہیں۔ ان اعمال حسنہ میں سے ایک درود پاک بھی ہے۔ درود پاک جس کے بارے میں پچھلے چند ابواب میں بیان کیا گیا ہے کہ اس عمل کو اللہ تعالیٰ اور ملائکہ سرانجام دیتے ہیں اور اللہ نے اہل ایمان کو بھی اس عمل کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ درود پاک کی تاکید و فضیلت کے بارے میں بھی بیان کیا جا چکا ہے۔

اب اس کے کچھ فوائد کے بارے میں خامہ فرسائی کی جا رہی ہے، کیوں کہ یہ بھی دیگر اعمال حسنہ کی طرح اہل ایمان کے لیے بے شمار دینی و دنیاوی فوائد کا خرمن ہے۔ اس کے چند فوائد عرض خدمت ہیں اور اس کا آغاز اس عنوان سے کیا جاتا ہے:

درود شریف تمام درد کی دوا ہے

درود شریف سراپا فوائد ہے۔ ہماری ہر پریشانی، ہر دکھ، ہر درد، ہر مصیبت، ہر بلا، ہر رنج اور

ہر غم کا علاج ہے۔ بیمار پڑھیں تو شفایاب ہو جائیں، پریشان حالوں کی پریشانی ختم ہو جائے، دکھ درد کے ماروں کو قرار آئے، غمزدوں کو غم سے نجات دلائے، ہر کرب و اذیت کا مداوا کرے اور عاصیوں کے لیے آپ رحمت الٰہی ہے کہ جو گناہوں کو دھو ڈالے۔

الغرض درود شریف زندوں کے لیے اکسیر اور مردوں کے لیے مسیحا ہے۔ درود شریف کے پڑھنے سے مردہ تن میں جانِ نو پیدا ہو جاتی ہے۔ درود شریف جملہ امراض دینی و دنیاوی کے لیے تیر بہدف دوا اور ہماری تمام مشکلات کے لیے ایک مکمل، اکمل اور کامل حل ہے۔ درود شریف تمام غموں سے ہماری کفایت کرتا ہے۔ اگر کوئی عقل کا مارا ہے، قسمت کا ہارا اور کذب کا غبارہ کا فر ہو تو اس کی عقل پر پڑے پردے ہٹانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کافی ہے، جس کو ابی بن کعب بیان کرتے ہیں: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّيْ أُكْثِرُ الصَّلٰوةَ عَلَيْكَ، فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلٰوتِيْ؟ فَقَالَ: مَا شِئْتَ. قُلْتُ: اَلرُّبُعَ، قَالَ: مَا شِئْتَ، فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ. قُلْتُ النِّصْفَ، قَالَ: مَا شِئْتَ، فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ. قُلْتُ: اَلثُّلُثَيْنِ، قَالَ: مَا شِئْتَ، فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ. قُلْتُ: أَجْعَلُ لَكَ صَلٰوتِيْ كُلَّهَا. قَالَ: إِذًا يُكْفٰى هَمُّكَ وَيُكَفَّرُ لَكَ ذَنْبُكَ۔ (سنن ترمذی، مشکوۃ، صفحہ: 86)

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ پر کثرت سے درود پڑھتا ہوں۔ میں آپ پر درود پڑھنے کے لیے کس قدر وقت مقرر کروں؟ فرمایا کہ جس قدر چاہو، میں نے عرض کیا کہ ایک چوتھائی؟ یعنی تین حصے باقی وظائف کے لیے اور چوتھا حصہ درود شریف کے لیے۔ فرمایا کہ جتنا چاہو، اگر زیادہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ نصف؟ فرمایا کہ جتنا چاہو، اگر زیادہ کرو تو تمہارے واسطے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ دو تہائی؟ فرمایا کہ جتنا چاہو، اگر زیادہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ سارا وقت آپ کے درود شریف کے لیے مقرر کر دیا۔ فرمایا کہ اب تیری تمام مشکلات حل ہو جائیں گی اور تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔

اس سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ درود شریف تمام مشکلات کا حل ہے، کیوں کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر فرمایا: إِذًا يُكْفٰى تیرے رنج و الم اور مشکلات کے لیے

کافی ہے۔ قطع نظر اس حدیث کے بعض احادیث میں اس طرح وارد ہے:

مَنْ عَسَرَتْ عَلَيْهِ حَاجَةٌ فَلْيُكْثِرْ مِنَ الصَّلٰوةِ فَإِنَّهَا تُكْشِفُ الْهُمُوْمَ وَالْغُمُوْمَ وَالْكُرَبَ وَتُكْثِرُ الْأَرْزَاقَ وَتَقْضِي الْحَوَائِجَ۔ (افضل الصلوٰۃ، صفحہ:28)

ترجمہ: جس کی حاجت رک جائے، یعنی حاجت پوری نہ ہوتو وہ مجھ پر کثرت سے درود پڑھے، یقیناً وہ تفکرات غم اور کرب دور کر دیتا ہے، رزق میں اضافہ کرتا ہے اور حاجتیں بھی پوری کرتا ہے۔

اس چھوٹی سی حدیث میں درود شریف کے درج ذیل فوائد بیان کیے گئے ہیں:

1- رکی ہوئی حاجت برلاتا ہے۔
2- فکروں سے آزاد کرتا ہے۔
3- غموں سے نجات دیتا ہے۔
4- کرب دور کرتا ہے۔
5- رزق میں فراخی پیدا کرتا ہے۔
6- حاجت روائی کرتا ہے۔

حاجت روائی اور مشکل کشائی کے بارے میں ایک حکایت اور ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ درود شریف کس شاندار انداز سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتا ہے:

حکایت: کسی زمانے میں اس عالم آب وگل میں ایک دین دار شخص غربت اور افلاس کی زندگی گزار رہا تھا۔ ستم ظریفیٔ حالات کے باعث وہ شخص تین ہزار دینار کا مقروض ہوگیا۔ قرض خواہ قرض کی واپسی کا متقاضی ہوا۔ وہ دین دار شخص بوجہ غربت وافلاس قرض کی واپسی کا متحمل نہ ہوسکا۔ قرض خواہ شاید ضرورت سے زیادہ ضرورت مند تھا۔ وہ قرض کی واپسی نہ ہونے پر بہت متفکر ہوا، اور اس دین دار غریب شخص کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ قاضی عدالت نے ہر دو فریق کا بیان سماعت کیا اور فیصلہ صادر کر دیا کہ قرض دار کو صرف اتنی رعایت دی جاتی ہے کہ ایک ماہ کی مدت میں قرض واپس کر دے۔ بے چارہ مقروض رفتاں وخیزاں، حیراں و پریشاں، مغموم ودلگیر واپس آ گیا۔ اسے یہ فکر دامن گیر تھی کہ ایک ماہ کی قلیل مدت میں تین ہزار دینار کی کثیر رقم کہاں سے آئے گی۔ اس قدر وسائل کہاں سے پیدا ہوں گے۔ جب کچھ نہ سجھائی دیا تو ایک مسجد میں چلا گیا اور نہایت دلگیر انداز سے سراپا عجز وانکساری بن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا شروع کیا اور بلا ناغہ اس عمل کی ادائیگی کرتا رہا۔ جب اس عمل کو کرتے

ستائیسویں رات آئی تو اس دین دار شخص کو خواب میں ہاتف غیبی کی جانب سے ندا سنائی دی کہ فکر نہ کر، اللہ تیرے قرض کی واپسی کرے گا اور تو وزیر وقت علی بن عیسیٰ کے پاس چلا جا اور اس سے جا کر یہ کہہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس شخص پر تین ہزار دینار قرض ہے، اس کو تین ہزار دینار دے دو، تا کہ اپنے قرض کی واپسی کر سکے۔ وہ مقروض اور دین دار غریب شخص جب خواب فرحاں سے بیدار ہوا تو بہت فرحاں وشاداں سے نہال وبے حال ہوا، لیکن پھر اسے یہ خیال دامن گیر ہوا کہ اگر وزیر موصوف نے اس خواب کی سچائی کے بارے میں ثبوت مانگا تو میں کیا کروں گا۔ اس سوچ نے اس کو وزیر موصوف کے پاس جانے سے روک دیا اور وہ پھر وہیں زانو دراز کیے دامن پھیلا کے بیٹھ گیا اور درود شریف کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ دوسری رات آئی تو خواب میں ہمارے آقائے نامدار احمد مصطفی محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف لائے اور پوچھا کہ تم وزیر موصوف کے پاس کیوں نہیں گئے؟ عرض کیا: یارسول اللہ! حکم کی سچائی کے لیے شناخت اور علامت کا طلب گار ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحسین فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اگر وزیر موصوف سچائی کا ثبوت مانگے تو کہہ دینا کہ تو ہر روز بعد نماز فجر طلوع آفتاب تک 5/ہزار مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے اور اس حقیقت سے اور امر سے یا تو آگاہ ہے، یا پھر اللہ کی ذات اس کو جانتی ہے۔ اس ثبوت کے حصول کے بعد وہ دیندار شخص وزیر موصوف کے پاس گیا اور اپنا خواب گوش گزار کیا اور اس کی سچائی کے لیے علامت بتائی۔ یہ سن کر وزیر موصوف بہت مسرور ونہال ہوئے اور بے ساختہ کہا۔ مرحبا: یارسول اللہ! بعد ازاں اس نے تین ہزار دینار دیے اور گویا ہوا کہ لو اپنے قرض خواہ کے قرض کی واپسی کرو، پھر تین ہزار دینار دے کر فرمایا کہ اس سے اپنے اہل وعیال کی پرورش کرو، پھر تین ہزار اور دیے اور کہا کہ اس سے بزنس کرو۔ گویا مجموعی طور پر 9/ہزار دینار کا نذرانہ دیا اور دین دار شخص کو قسمیہ کہا کہ اس سلسلۂ حبی میں بھول نہ آنے دینا اور جب بھی کوئی حاجت درپیش ہو، بلا کم وکاست بیان کر دینا۔ تمہاری حاجت روائی کی جائے گی۔ وہ غریب ودین دار شخص فرحاں وشاداں گھر لوٹ آیا۔ ایک ماہ کی مدت پوری ہونے پر قرض خواہ اور وہ مقروض شخص قاضی کے روبرو پیش ہوئے۔ قرض دار شخص نے تین ہزار دینار واپس کر دیے۔ اس بات سے قرض خواہ بحر حیرت میں غوطہ زن ہوگیا کہ

اس قلیل مدت میں اس قدر رقم کا بندوبست اس غریب شخص نے کیسے کرلیا۔ اس نے اس قدر وسائل کہاں سے پیدا کیے۔ اس کو حیرت کے عالم میں دیکھ کر قرض دار شخص نے سارا ماجرا بلا کم و کاست بیان کیا۔ قاضی صاحب نے یہ ماجرا سنا تو بہت حیران ہوئے اور تین ہزار دینار دین دار شخص کو دیتے ہوئے کہا۔ صرف وہ وزیر ہی مقام افضلیت کیوں حاصل کرے۔ میں تیرا قرض ادا کرتا ہوں۔ یہ دیکھ کر قرض خواہ برجستہ بولا کہ تم دونوں ہی کو بزرگی حاصل کیوں ہو۔ میں اپنا قرض اس شخص کو معاف کرتا ہوں۔ قاضی صاحب دین دار شخص سے گویا ہوئے۔ گو کہ تجھے قرض کی واپسی سے بری کر دیا گیا ہے مگر میں نے جو دینار تمھیں دیے ہیں واپس نہ لوں گا۔ کیوں کہ یہ میں نے رسول اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لیے دیے ہیں۔

اس طرح دین دار شخص کے پاس بارہ ہزار دینار ہو گئے جن کو لے کر وہ خوشی خوشی گھر لوٹ آیا اور اللہ کے حضور شکرانہ ادا کیا۔ (جذب القلوب، صفحہ:255۔265)

اب ایک اور حکایت بیان کی جاتی ہے۔ یہ بھی درود شریف کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے بارے میں ہے، اور یہ نزہۃ المجالس، صفحہ:92 پر موجود ہے:

حکایت: ایک متقی پرہیزگار اور نیکوکار شخص بیمار ہو گیا۔ اس کو یہ مرض لاحق ہو گیا کہ اس کا پیشاب رک گیا۔ جس سے اس کو سخت تکلیف کا سامنا تھا۔ خواب میں اس کو حضرت عارف باللہ شہاب الدین بن ارسلان کی زیارت ہوئی۔ وہ متقی پرہیزگار اور نیکوکار شخص آپ سے فریاد کناں ہوا کہ بندش پیشاب کی وجہ سے میں سخت تکلیف میں ہوں۔ انھوں نے کہا: میں تجھ کو ایک درود پاک بتاتا ہوں۔ اس کو پڑھا کر یہ بھی تریاق مجرب ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى رُوْحِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِى الْاَرْوَاحِ وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى قَلْبِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِى الْقُلُوْبِ وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى جَسَدِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِى الْاَجْسَادِ وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى قَبْرِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِى الْقُبُوْرِ۔

خواب فرحاں سے بیدار ہوا تو اس شخص کو خواب یاد تھا۔ اس نے درود شریف کا ورد شروع کر دیا جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت جلد صحت کاملہ سے سرفراز فرمایا۔

درود پاک کا اخروی فائدہ

درود شریف صرف دنیاوی فوائد کا خزانہ نہیں بلکہ اخروی فوائد کا ضامن بھی ہے:

حکایت: ایک مرتبہ ایک پدر اپنے پسر کے ہمراہ محو سفر تھا۔ سر راہ پدر کا جام حیات چھلک گیا۔ اس کی روح اس کے جسد خاکی سے ناطہ توڑ گئی اور اس کا جثہ تبدیل ہو گیا، یعنی اس کا سر خنزیر کا ہو گیا۔ پسر اپنے پدر کی اس تبدیلی پر بڑا تشویش زدہ ہوا اور بحالت عجز و انکساری اللہ تعالیٰ سے لو لگائی۔ کچھ لمحوں بعد اسے نیند کا غلبہ ہوا۔ خواب میں ہاتف غیبی نے ندا دی کہ اے شخص! تیرا باپ سود خور تھا۔ اس جرم ناروا کی سزا کے طور پر تیرے باپ کا چہرہ تبدیل کر دیا گیا تھا۔ مگر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سفارش کی ہے، کیوں کہ تمہارے باپ ان کا اسم گرامی سن کر ان پر درود پڑھا کرتے تھے۔ اس وجہ سے ہم نے اس کو اصلی صورت پر لوٹا دیا ہے۔
(نزہۃ المجالس، صفحہ:89)

حکایت: تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 82،81 پر ایک حکایت یوں درج ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضرت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ محو طواف کعبہ تھے۔ آپ نے ایک شخص کو طواف کرتے دیکھا کہ وہ طواف میں محو ہونے کے دوران ہر قدم اٹھا کر اخلاص کے ساتھ درود شریف پڑھتا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص سے استفسار کیا کہ اے شخص! تو نے طواف میں تسبیح و تہلیل کی جگہ درود شریف کیوں اپنا رکھا ہے۔ کیا اس کا تمہارے پاس کوئی جواز ہے؟ کوئی دلیل ہے؟ اس نے کہا: اللہ آپ پر رحمتوں کا نزول کرے۔ آپ بتائیے کہ آپ کون ذات شریف ہیں؟ میں نے کہا: میں عبد اللہ بن عباس ہوں۔ وہ شخص کہنے لگا کہ اگر آپ اپنے وقت کے عجیب و غریب شخص نہ ہوتے تو میں کبھی آپ پر اپنا حال نہ کھولتا۔ کبھی آپ کو اپنی کیفیت سے آگاہ نہ کرتا، آپ سے اپنا حال مخفی رکھتا، پھر اس نے بیان کیا کہ ایک بار میں اپنے پدر کی رفاقت میں ارادۂ حج بیت اللہ لے کر گھر سے نکلا۔ سر راہ ایک مقام پر قیام کا اتفاق ہوا۔ ستم ظریفی حالات اس مقام پر میرے پدر سخت بیمار ہو گئے۔ میں دل و جان سے ان کی چارہ گری میں محو رہا۔ لیکن تقدیر کے آگے تدبیر نہ چلی اور ایک شب جب کہ میں اپنے والد صاحب کے سرہانے خدمت میں مشغول تھا وہ قضا کر گئے۔ ان کی روح دار الفناء سے دار البقاء کی جانب روانہ ہو گئی اور میرے پدر کا چہرہ سیاہی مائل ہو گیا۔ یہ دیکھ کر مجھے عبرت ہوئی۔ میں نے اپنے

باپ کے چہرے پر چادر ڈال دی اور خود سو گیا۔ کیوں کہ مجھ پر نیند نے غلبہ کر لیا تھا۔ عالم خواب میں میں نے دیکھا کہ ایک از حد خوبرو شخص کہ اس سے زیادہ حسین و جمیل چہرے والا، صاف ستھرے لباس والا، نہایت معطر خوشبو والا مجھے آج تک نظر نہیں آیا۔ نہایت دل ربا چال سے قدم بڑھاتا ہوا چلا آتا ہے، یہاں تک کہ میرے پدر کی لاش کے قریب آیا اور پھر میرے والد کے چہرے پر سے چادر کا دامن ہٹایا اور اپنا ہاتھ بڑھا کر ان کے منھ پر پھیرا، جس سے میرے باپ کا چہرہ روشن اور نورانی ہو گیا۔ اس کے بعد وہ شخص واپس جانے لگا۔ میں لپک کر دامن پکڑا اور عرض کیا: یا حضور! اللہ کے مقبول بندے! آپ کون ذات شریف ہیں؟ اس غریب الوطنی میں میرے باپ کی دست گیری کے لیے آپ کو اللہ نے بھیجا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ کیا تم مجھ سے ناواقف ہو؟ میں محمد ابن عبد اللہ ہوں کہ جن پر قرآن نازل ہوا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا باپ زندگی بھر خود پر ظلم کرتا رہا اور اللہ کی نافرمانیوں میں مشغول رہا۔ لیکن اس کے ساتھ وہ کثرت سے ہم پر درود بھیجا کرتا تھا۔ بعد از مرگ جب وہ مبتلائے عذاب ہوا تو اس نے ہماری جناب میں فریاد کی۔ چنانچہ ہم اس کی فریاد رسی کو پہنچے اور ہم اس کی ضرور فریاد رسی کرتے ہیں جو ہم پر درود شریف پڑھتا ہے، پھر میری آنکھ کھل گئی۔ خواب میں طلسم ٹوٹ گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرے باپ کا چہرہ در حقیقت چاند سے بھی زیادہ روشن ہے۔

(افضل الصلوٰۃ، صفحہ:56، نزہۃ المجالس، صفحہ:89، جذب القلوب، صفحہ:253)

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 87 پر مرقوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندۂ مومن صدق دل سے مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ درود شریف اس کے منھ سے نکلتے ہی تیزی کے ساتھ تمام خشک و تر مشرق و مغرب سے گزر جاتا ہے اور آواز دیتا ہے۔ میں وہ درود شریف ہوں جو فلاں ابن فلاں نے اخلاص کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا۔ دنیا کی ہر شے اس شخص کے واسطے اللہ سے مغفرت اور رحمت کی دعا کرتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس درود شریف سے ایک پرندہ پیدا فرماتا ہے۔ جس کے 70/ہزار بازو اور ہر بازو میں 70/ہزار پر اور ہر پر میں 70/ہزار سر اور ہر سر میں 70/ہزار چہرے اور ہر چہرے میں 70/ہزار منھ اور ہر منھ میں 70/ہزار زبانیں اور ہر زبان میں 70/ہزار لغت ہوتے ہیں۔ ہر لغت سے قیامت تک اللہ

تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل ہوتی ہے اور کہتا ہے: یا اللہ! جس شخص نے یہ درود پڑھا اس کی مغفرت فرما۔ یا الٰہی! اس درود پڑھنے والے کو بخش دے۔

اسی صفحہ پر مرقوم ایک اور حدیث ملاحظہ کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مجھ پر میرے حق کی تعظیم بجالا کر ایک بار درود شریف پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس درود کے الفاظ سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔ جس کا ایک بازو مغرب میں اور دوسرا مشرق میں ہوتا ہے۔ اس کے پاؤں زمین کے ساتویں طبقے پر ہوتے ہیں اور سر عرش الٰہی سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے: اے فرشتے! میرے نیک بندے کے لیے دعائے رحمت کر، جس طرح اس نے میرے برگزیدہ بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا ہے، اور وہ فرشتہ قیامت تک اس شخص کے لیے دعائے رحمت کرتا ہے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ 88 پر مرقوم ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت انس سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت کا نزول کرتا ہے۔ جو شخص دس بار درود شریف پڑھتا ہے، اللہ اس پر سو بار رحمت کا نزول کرتا ہے اور جو شخص سو بار درود پڑھے، اللہ اس پر ہزار بار درود نازل کرتا ہے اور جو ہزار بار مجھ پر درود پڑھے گا، وہ اس شان سے جنت میں داخل ہوگا کہ اس کا شانہ میرے شانے سے ملا ہوا ہوگا۔ اللہ اس کو شہیدوں کے زمرے میں جگہ دے گا اور دنیا میں کفر و نفاق سے اس کو محفوظ رکھے گا اور آخرت میں عذاب دوزخ سے نجات دے گا۔ اس کے جسم پر آتش دوزخ حرام کر دے گا۔ دونوں جہانوں میں اور منکر و نکیر کے سامنے کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر ثابت قدم رکھے گا اور بہشت میں داخل کرے گا اور اس کے لیے وہی درود شریف قیامت کی تاریکیوں میں اور پل صراط پر جس کی مسافت پانچ سو برس کی راہ ہے، نور بن جائے گا اور ہر بار درود پڑھنے کے عوض اس کو شاخ جنت ملے گا۔

☆☆☆

آٹھواں وعظ

کثرت درود پاک کی برکت

برادرانِ اسلام! درود شریف کا سب سے عظیم فائدہ یہ ہے کہ اس کی کثرت سے ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی ہے اور جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے، تو یہ اس کی نجات کے لیے کافی ہے۔ اس کا بیڑا پار ہو جاتا ہے اور دارین کی کامیابیاں اس کا مقدر بن جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات عالم آب وگل کی تخلیق کی اور اس میں انسان کو اپنا نائب بنا کر بھیجا اور ہر انسان کی شکل وصورت، خصوصیات اور اوصاف الگ الگ رکھے۔ کسی کو معمولی شکل دے دی اور کسی کو اس قدر خوبرو کر دیا کہ جو دیکھے جگر تھام کے رہ جائے۔ کسی کو قبول صورت بنا دیا اور کسی کو اس قدر خوبرو بنا دیا کہ یوسف ثانی کا گمان گزرے۔ کسی کے نصیب میں سیاہ رنگ کر دیا کہ رات کی سیاہی کو مات ہو اور کسی کو اس قدر گورا رنگ دیا کہ سورج کی روشنی بھی شرما جائے۔ بہر کیف! یہ سب اس کی کاریگری کے کرشمے ہیں جو عقل میں نہیں آ سکتے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو فلاح کی خاطر بے شمار اور ان گنت وظائف کا نزول کیا۔ ہر وظیفہ اپنے اپنے فوائد کے لحاظ سے برتر واعلیٰ ہے، مگر ہر وظیفہ کا اجر ہر دوسرے وظیفے کے اجر سے الگ ہے۔ کسی وظیفے کا اجر کم ہے اور کسی کا زیادہ۔ ان تمام وظائف میں سب سے زیادہ افضل وظیفہ درود پاک ہے، کیوں کہ اس کے پڑھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوتا ہے اور پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے اس کی نجات کے سامان ہو جاتے ہیں۔ اس کا بیڑا پار ہو جاتا ہے اور دارین کی کامیابیاں اس کا مقدر بن جاتی ہیں۔

جذب القلوب، صفحہ: 249 کی تحریر کے مطابق بزرگان دین کا قول ہے کہ جو شخص اپنے آقا ومولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود پاک پڑھے گا۔ اپنی زندگی میں عالم

خواب یا عالم بیداری میں وہ ضرور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے سرفراز ہوگا۔

حکایت: امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین کرام نقل کرتے ہیں کہ حضرت محمد بن سعد بن مطرف رحمۃ اللہ علیہ اس معمول کے پابند تھے کہ ہر شب قبل از نیند ایک مقررہ تعداد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ ایک شب حسب معمول آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا اور نیند کی حالت میں دیس کی سیر کو چلے گئے۔ عالم خواب میں آپ نے محسوس کیا کہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ شب اسرا کے دولہا ماہتاب مدینہ، آفتاب رسالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکان پر بنفس نفیس تشریف لائے ہیں اور ان کے جلوؤں کی تابانی سے، چہرۂ اقدس کی شعاعِ نورانی سے سارا مکان روشن ہے، منور ہے، پرنور ہے۔ ان کے جلوؤں کی تابانی نے سارے مکان کو لپیٹ میں لے لیا ہے، ان کے نور سے سارا مکان کیف آگیں روشنیوں میں ڈوب گیا ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹوں سے نغمۂ سروری کی صدا بلند ہوئی اور سماعت کو فردوس گوش بنا گئی۔ وجد میں لے آئی اور حکم دے گئی کہ اے محمد بن سعد! جس منہ سے تم مجھ پر درود شریف پڑھتے ہو وہ منہ ذرا میرے قریب لاؤ تا کہ میں اسے بوسہ دوں۔ بقول محمد سعد کہ انھوں نے اس امر میں شرم محسوس کی کہ والفجر کے چہرے کے روبرو اپنا منھ کریں۔ شرم دامن گیر ہوئی اور اپنا منھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے روبرو نہ کر سکے۔ اس کے بجائے انھوں نے اپنا رخسار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یاقوتی ہونٹوں سے مقدر اور معطر ہونٹوں سے حضرت محمد بن سعد کے رخسار پر بوسہ دیا اور واپس تشریف لے گئے، پھر خواب کا طلسم ٹوٹ گیا۔ آپ بیدار ہو گئے اور محسوس کیا کہ سارے مکان میں مشک اور کستوری کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ آپ نے سارے مکان کو مشک وکستوری کی خوشبو سے مہکتا ہوا پایا اور پورے آٹھ دن آپ کے رخسار مبارک سے خوشبو آتی رہی، جس کو آپ کی بیوی محسوس کرتی تھی۔ (جذب القلوب، صفحہ: 249، مطالع المرات، صفحہ: 58)

مطالع المرات، صفحہ: 58 پر مزید درج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حبیب خدا اشرف الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم اطیب الطیبین اور اطہر الطاہرین ہیں۔ آپ جس مقام سے گزرتے، جس مقام کو زیر پا کرتے اور جس جگہ مجلس جماتے اور جس جگہ یا چیز کو اپنے ہاتھ یا جسم کے کسی دوسرے

عضوِ اقدس سے چھوتے، سب سے خوشبو آتی۔ اسی طرح جس مجلس و محفل میں آپ کا اسم گرامی لیا جائے تو وہاں سے اہل ایمان کو بھی خوشبو آتی ہے۔

بعض مشائخ عظام نے فرمایا ہے کہ جو شخص راہِ سلوک و تصوف کا بنجارہ ہو، راہِ حق کا متلاشی ہو۔ لیکن اسے کسی بزرگ، پیرِ کامل اور مردِ قلندر کی رہنمائی حاصل نہ ہو تو بصد ادب و احترام خلوصِ دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرے تو حبیبِ کردگار صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنی سرپرستی میں لے لیں گے۔ اس کی نگہداشت فرمائیں گے اور اس کی تربیت و رہنمائی فرمائیں گے جس سے اس شخص کو اعلیٰ مدارج حاصل کرنے میں آسانی ہوگی۔

(جذب القلوب، صفحہ:248)

ذریعۂ حصولِ زیارتِ مصطفیٰ

بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں آتشِ دیدارِ مصطفیٰ ہو۔ جس کا دل آپ کے دیدار کا متمنی ہو، جو آپ کی زیارت کا خواہاں ہو۔ جو شخص آپ کے دیدار کے شوق میں اسیر ہو۔ جس شخص کے دل میں تڑپ دیدارِ مصطفیٰ کی ہو تو اسے چاہیے کہ باوضو ہو کر اخلاص کے ساتھ خوشی خوشی اس درود شریف کا ورد کرے اور کثرت سے کرے۔ درود شریف درج ذیل ہے:

1- اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلِّمْ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى لَهٗ۔

ان شاء اللہ ایک روز ضرور آپ کی زیارت نصیب ہوگی۔

علاوہ ازیں درج ذیل درود شریف بھی اسی خواص کا حامل ہے۔

2- اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَرْوَاحِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى جَسَدِهٖ فِى الْاَجْسَادِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى قَبْرِهٖ فِى الْقُبُوْرِ۔

مفاخر الاسلام میں درج ہے کہ جو شخص جمعہ کے روز ہزار بار یہ درود شریف پڑھے گا ان شاء اللہ زیارتِ مصطفیٰ سے مشرف ہوگا اور قبل از مرگ دارِ جنت دیکھ لے گا، اگر پہلی مرتبہ زیارت سے مشرف نہ ہو سکے تو پانچ جمعہ تک متواتر اس درود شریف کو پڑھے۔ اس دوران ان شاء اللہ ضرور اپنے مقصود سے ہمکنار ہوگا۔ درود شریف درج ذیل ہے:

3- اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ۔

ہفتے میں جب جمعرات کے دن کی آمد ہو تو دو رکعت نفل نماز ادا کرے اس طرح کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ آیت الکرسی پڑھے اور گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے۔ اس طرح دو رکعت نماز مکمل کرے۔ سلام کے بعد مؤدب ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ درود پڑھے اللھم صل علی محمد النبی الامی اس سے یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوگی، اگر پہلی مرتبہ کامیابی نہ ہو تو دوسرے ہفتے بھی ایسا کرے تین ہفتے گزرنے سے قبل ہی وہ باسعادت لمحہ آن پہنچے گا۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگی۔

فَقَدْ جَرَّبَهٗ بَعْضُ الْفُقَرَآءِ۔ (جذب القلوب، صفحہ:260)

ترجمہ: یقیناً بعض فقرا نے اس کا تجربہ کیا ہے۔

درود خواں کا نام، بادشاہِ ہر دو عالم کے حضور پیش کیا جاتا ہے

برادرانِ اسلام! انسانی فطرت جذبہ خود نمائی سے بھرپور ہے۔ لمحہ لمحہ انسانی قلب و نظر اس بات کے متمنی ہوتے ہیں کہ ان کے بارے میں دنیا کے مصروف ترین افراد کے مابین باتیں ہوں۔ ہر شخص اس کا خواہاں ہے کہ اس کا نام بڑے بڑے آفیسرز تک پہنچے۔ ان کی محفل میں میرے نام کے تذکرے ہوں۔ اس کا نام لیا جائے لیکن اس کے لیے ہزاروں جتن کرنا پڑتے ہیں، اور بقول شاعر:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

یہ ٹارگیٹ بڑی مشکل سے سر ہوتا ہے، کیوں کہ آفیسرز آفس کے اصول و ضوابط کی قید میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں لہٰذا سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکان چمن کا ملاپ نہیں ہوتا۔ سونے کی چڑیا ہاتھ نہیں آتی۔ گوہرِ مقصود سے محرومی مقدر ہو جاتی ہے اور حیات شکوۂ حرماں نصیبی میں گزر جاتی ہے۔ لیکن اگر چہ خواہش ہو کہ میرا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ عالیہ میں پہنچ جائے تو اسے ہزاروں جتن کرنا نہ پڑیں گے۔ نرگس ہزاروں سال بے نوری پہ روتی نہ رہے گی۔ چمن میں دیدہ ور جلدی پیدا ہوگا۔ گوہرِ مقصود ہاتھ آ جائے گا، سونے کی چڑیا ہاتھ آ جائے گی۔ سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکان چمن کا ملاپ ہو جائے گا۔ مگر اس کے لیے صرف اتنا کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھ لے تو اس کا نام رسول پاک کے دربار میں پہنچ جائے گا۔ درود پاک

کے الفاظ ختم بھی نہ ہوں گے۔ فرشتے اس درود پاک کو بطور ہدیہ دربار رسالت میں پیش کر کے عرض کریں گے کہ: یارسول اللہ! فلاں بن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے۔

اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ نہ صرف ہمارا نام بلکہ ہمارے والد گرامی کا نام بھی دربار رسالت میں پہنچ جاتا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰی مَلَكًا اَعْطَاهُ اِسْمَاعَ الْخَلَائِقِ فَهُوَ قَائِمٌ عَلٰی قَبْرِیْ اِذَا مِتُّ فَلَيْسَ اَحَدٌ يُصَلِّيْ عَلَيَّ صَلَاةً صَادِقًا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا قَالَ يَا مُحَمَّدُ صَلّٰی عَلَيْكَ فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ قَالَ: فَيُصَلِّي الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی ذٰلِكَ رَجُلٌ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ عَشْرًا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ جس کو اللہ نے خلق کی باتیں سن لینے کی طاقت عطا فرمائی ہے۔ میری رحلت کے بعد وہ میری قبر پر کھڑا رہا کرے گا اور جب کوئی شخص لصدق دل سے مجھ درود شریف پڑھے گا تو وہ مجھے اطلاع دے گا کہ یا محمد! فلاں بن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر ہر درود کے بدلے دس بار صلوٰۃ بھیجے گا۔

(جلاء الافہام، صفحہ: 95، کشف الغمہ، صفحہ: 270، جواہر البحار، صفحہ: 165)

ہمارا درود بارگاہ رسالت میں فوراً پہنچتا ہے

برادران گرامی! دنیا میں میل Mail کی دو اقسام ہیں: جنرل میل اور ایئر میل۔ جنرل میل 50/میل کے ایریا میں بھی 3/روز کے اندر جاتی ہے اور ایئر میل ملک کے دور دراز علاقوں تک 3/دن لگاتی ہے۔ سعودی عرب میں ایئر میل ایک ہفتہ لگاتی ہے۔ اگر ٹیلی فون پر بھی کال کی جائے اور کم از کم وقت بھی لیا جائے تو 10/منٹ تو لگ ہی جاتے ہیں لیکن ہمارا درود سعودی عرب بارگاہ رسالت میں فوراً پہنچتا ہے۔ اس قدر تیزی سے کہ ہمارے منہ سے نکلتے ہی رسول اللہ سن لیتے ہیں۔ روایت میں ہے: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِيًا اُبْلِغْتُهٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھے گا، اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے درود پڑھے گا وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ، صفحہ 87، شعب الایمان)

اعتراض: بعض ناسمجھ، کم عقل، بے شعور اور بے علم لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود فرشتوں کے واسطے سے پیش کیا جاتا ہے تو اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان نہیں ہیں، اگر غیب دان ہوتے تو پھر ملائکہ کے واسطے کی کیا حاجت تھی؟

جواب: معترض حضرات میں اگر کچھ ضبط کا یارا ہو تو کہہ دوں کہ آپ حضرات غایت درجے کے جاہل ہیں، یہ سراپا جہالت ہیں اور آپ کے پاس شعور اور عقل نام کی کوئی شے نہیں، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کا پیش ہونا آپ کی بلند شان کی دلیل ہے۔ اس سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہوتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عدیم العلم ہیں، اس طرح تو آپ ذات باری تعالیٰ پر بھی اعتراض کریں کہ اس کی بارگاہ میں ہمارے اعمال ملائکہ ہی پیش کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ غیب دان ہے تو پھر ملائکہ کی کیا ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر معراج پر تشریف لے گئے تو اللہ نے پہلے آپ کو 50/نمازیں اور 6/ماہ کے روزے تحفہ میں دیے۔ جن میں آہستہ آہستہ کمی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ 5/نمازیں اور ایک ماہ کے روزے رہ گئے۔ اب آپ یہاں یہ کہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اس بات کا علم تھا کہ مجھے 5/نمازیں اور ایک ماہ کے روزے دینا ہے، تو پھر اس نے 50/نمازیں اور 6/ماہ کے روزے کیوں دیے؟

دراصل ہر کام میں کچھ مصلحت ہوتی ہے، کچھ حکمت پوشیدہ ہوتی ہے، سلطان دارین کا مرتبہ ومقام اور شان وشوکت اس بات کی تقاضا خواہ ہے کہ ان کے دربار میں ملائکہ ہی درود وسلام پیش کریں۔

ایسے لوگ دراصل اسلام کے دشمن ہیں۔ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور میں صلیب کے پجاریوں نے یہ مشن اپنایا تھا۔ لوگوں کے دلوں سے جذبہ اسلام کو ختم کرنے کی خاطر قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کا غلط مطلب بیان کرنے والے بظاہر تو مسلمان ہیں۔ لیکن دراصل یہ صلیبیوں اور اسلام دشمن عناصر کے پٹھو ہیں اور ان ہی کے مشن کا پرچار کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے بدعقیدہ اسلام دشمن عناصر کی شرانگیزیوں سے محفوظ ومامون فرمائے۔ (آمین)

معترض حضرات کی خدمت گرامی میں اب ایک حدیث پاک پیش کی جاتی ہے شاید کہ اس سے ان کی آنکھوں پر پڑے پردے اٹھ جائیں۔ شاید کہ ان کے قلب وجگر میں ایمان کی روشنی بھی سرایت کر جائے۔ بقول شاعر:

شاید کہ ترے دل میں اتر جائے میری بات

اور شاید کہ سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہو جائے۔

قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرَاَیْتَ صَلٰوۃَ الْمُصَلِّیْنَ عَلَیْکَ مِمَّنْ غَابَ عَنْکَ وَمَنْ یَّاْتِیْ بَعْدَکَ وَمَا حَالُھُمَا عِنْدَکَ فَقَالَ: اَسْمَعُ صَلٰوۃَ اَھْلِ مَحَبَّتِیْ وَاَعْرِفُھُمْ وَتُعْرَضُ عَلَیَّ صَلٰوۃُ غَیْرِھِمْ عَرْضًا۔ (دلائل الخیرات، صفحہ:76)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ سے دور رہنے والوں اور بعد میں آنے والوں کے درودوں کا آپ کے نزدیک کیا خیال ہے۔ تو آپ نے فرمایا ہم محبت والوں کے درود تو خود سنتے ہیں اور ان کو پہچانتے ہیں اور غیر محبت والوں کا درود ہم پر پہنچایا جاتا ہے۔

کہیے جناب معترض صاحبان! اب کیا فرماتے ہیں علمائے دین؟ کیا اب بھی آپ کا اعتراض باقی ہے۔ حالاں کہ آپ کا اعتراض کرنا ہی فضول اور بے وقوفی کی علامت ہے۔ کیوں کہ بیان کی گئی حدیث میں کہیں بھی ایسے الفاظ کا استعمال نہیں کیا گیا جن سے ظاہر ہوتا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں کے درود کو خود نہیں سماعت کر سکتے۔

اللہ کے لیے اپنے ضمائر پر بندھی لالچ اور ہوس کی پٹی کو کھولیں اور حقیقت کو پہچانیں اور دیکھیں کہ وہ آپ سے کس بات کی متقضی ہے۔ سر فروش بنیں، ایمان فروش نہ بنیں۔ دنیا کے ساتھ ساتھ اپنی عاقبت بھی خراب نہ کریں کہ اسی میں آپ کی بھلائی ہے۔ ورنہ امت اسلامیہ روز قیامت آپ کو ہر گز معاف نہیں کرے گی۔

اگر آپ ایسا کرنے کو تیار ہوں تو ہماری جانب سے پیشگی شکریہ قبول کریں۔

افضل درود شریف

جو درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں ان کا پڑھنا باعث فضیلت اور بہتر ہے۔ جس طرح کہ نماز کا درود ابراہیمی۔ مگر اس سے یہ مطلب ہر گز نہیں کہ دیگر جملہ درود پڑھنا ناجائز ہیں اور دائرہ بدعت میں آتے ہیں۔

حالاں کہ علمائے راسخین اور اولیائے کرام اور اولیائے کاملین شوق وذوق کی کیفیت کے زیر اثر بہت سے درود شریف بالفاظ بدیع تصنیف فرماتے ہیں۔ جن میں سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب میں رقم کیے ہیں۔ یہاں پر بعض لوگ کم فہمی کی بنا پر یہ کہتے ہیں کہ صرف اور صرف درود ابراہیمی پڑھنا جائز ہے اور دیگر تمام درود پڑھنا ناجائز اور دائرہ بدعت میں داخل ہیں۔

پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ اس عالم آب وگل میں، اس کائناتِ رنگ وبو میں دو طرح کے گروہ ہیں: ایک اہل عقل جو لوگوں کو ہدایت کی باتیں بتلاتے ہیں، راہ حق کی روشنیاں دکھلاتے ہیں اور دنیا کو راہ حق کے بنجارے بناتے ہیں اور دوسرا گروہ دنیا والوں کو جہالت کے اندھیاروں میں لے جاتا ہے، بلندیوں سے پستیوں کی جانب لے جاتا ہے اور اہل حق کو بھٹکانے میں مصروف رہتا ہے۔ معترض حضرات بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتے معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا صاف واضح ارشاد ہے: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو درود شریف پڑھنے کا حکم دے رہا ہے اور اس آیت میں کہیں بھی لفظ اور صیغہ کی تخصیص نہیں ہے۔ نیز وقت اور تعداد کی کوئی پابندی نہیں لگائی گئی ہے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ جو درود جس قدر اور جس وقت پڑھنا چاہو جائز ہے، سوائے ان اوقات کے جب کہ کوئی عبادت جائز نہیں یعنی وقت زوال وغیرہ۔

سوال: درود ابراہیمی میں یوں ارشاد ہوتا ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

یہاں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درود مشبہ ہے اور درود ابراہیمی مشبہ بہ ہے، اور گرامر کی رو سے مشبہ بہ، مشبہ سے قوی اور افضل ہے۔ چنانچہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ درود ابراہیمی درود محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی افضل ہے اور اُن پر جو درود پاک پڑھی جائے، وہ بھی افضل ہے۔

جوابات: علمائے کرام نے اس عقلی سوال کے بہت سے جوابات دے کر اس سوال کو

رد کیا ہے، ان میں سے چند ایک سپردِ قلم کیے جاتے ہیں:

1- تشبیہ کیفیت و کمیت میں نہیں ہوتی، بلکہ نفس صلوٰۃ اور اصل صلوٰۃ میں ہوتی ہے۔ لہٰذا مطلب یہ ہوگا: یا اللہ! تو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نازل فرما، جیسا کہ تو نے ابراہیم پر درود نازل فرمایا۔

یہاں یہ نہیں کہ اس قدر اور اتنی ہی مقدار میں جتنا کہ ابراہیم پر نازل فرمایا تھا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کہ کسی شخص سے یہ کہا جائے کہ تم اپنی اولاد سے ویسا ہی سلوک کرو جیسا تم نے فلاں شخص سے کیا تھا، تو اس سے غرض اور مقصود نفس سلوک ہوتا ہے نہ کہ اس کی کیفیت اور کمیت۔ جیسا کہ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا احسان کرنا کسی مخلوق سے ممکن نہیں، اور یہ تشبیہ اس طور پر درست ہے کہ جب ہر شخص رسول پاک کے لیے اتنی ہی صلوٰۃ طلب کرے گا جتنی کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے تھی، تو آپ پر جو صلوٰۃ ہوگی وہ ابراہیمی صلوٰۃ سے اس قدر زیادہ ہو جائے گی کہ جس کا شمار نا ممکن ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ افضل ہے۔

مثال کے طور پر ایک بادشاہ کسی فرد کو ہزار روپیہ دے دے اور پھر اس کی ساری رعایا دوسرے فرد کی نسبت جو پہلے فرد کی نسبت افضل و اعلیٰ ہو، یہ درخواست کرے کہ اس کو بھی اتنا ہی روپیہ دے اور بادشاہ ہر شخص کی درخواست منظور کرے اور دوسرے کو بھی ایک ہزار روپیہ دیتا جائے، تو اس کی مقدار پہلے کے عطیے سے کئی گنا بڑھ جائے گی۔

2- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ خود بھی ابراہیم کی آل و اولاد سے ہیں، بلکہ خیر آلِ ابراہیم ہیں، تو مشبہ بہ آپ کی شخصیت سے جو من حیث آل واقع ہوتی ہے۔ صلوٰۃ مطلوبہ آپ کی جامعیت و اکملیت کے لیے باعتبار صلوٰۃ مخصوصہ حضرت ابراہیم سے بدرجہا زائد ہو جاتی ہے۔

برادرانِ اسلام! اوقات ممنوعہ کے علاوہ ہر وقت درود پڑھنا جائز اور باسعادت ہے، مگر درج ذیل اوقات میں درود پاک کی کثرت باعث زیادتی اجر و ثواب ہے:

جمعہ کے دن اور رات میں درود پڑھنا بڑا ثواب ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَةِ الْجُمُعَةِ۔

ترجمہ: جمعہ کے دن اور رات میں مجھ پر درود پاک کثرت سے پڑھا کرو۔

(کشف الغمہ، صفحہ: 270)

جذب القلوب، صفحہ: 256 پر اسی نفس مضمون پر ایک حدیث ہے:

اَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِي اللَّيْلَةِ الْغَرَّاءِ وَالْيَوْمِ الْاَغَرِّ۔

ترجمہ: مجھ پر روشن رات (جمعرات) اور روشن دن (جمعہ) میں بکثرت درود پڑھا کرو۔

اسی نفس مضمون پر ابن ماجہ کی ایک روایت ہے:

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَاِنَّ اَحَدًا لَّمْ يُصَلِّ عَلَيَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلٰوتُهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ: قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ۔ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر بروز جمعہ بکثرت درود پڑھو۔ کیوں کہ وہ مشہود ہے اور اس میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انتقال کے بعد بھی؟ فرمایا: بے شک اللہ نے زمین پر انبیائے کرام کے اجسام کھانے کو حرام کر دیا ہے، اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق دیا جاتا ہے۔

حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر جمعہ کے روز 80 مرتبہ درود پاک پڑھا، اس کے 80 سال کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

حکایت: منقول ہے کہ خالد بن کثیر عالم نزع میں اسیر تھے اور روح جسد خاکی سے نکلنے کے قریب تھی۔ ان کا جام حیات چھلکنے میں کچھ لمحوں کی دیر تھی کہ ان کے سر اقدس کے نیچے سے کاغذ کا پرزہ ملا ایک ٹکڑا ملا، جس پر یہ الفاظ تحریر تھے: بَرَآءَةٌ مِّنَ النَّارِ لِخَالِدِ بْنِ كَثِيْرٍ۔ یعنی خالد بن کثیر کے لیے آتش دوزخ سے آزادی کا ڈپلومہ ہے۔ لوگوں کو تجسس ہوا، جستجو ہوئی کہ

ماجرا کیا ہے اور فطرت انسانی سے مغلوب ہو کر خالد بن کثیر کے ورثا سے پوچھا کہ اس نے زندگی میں کون سا عمل اپنا رکھا تھا؟ گھر والوں نے بتایا اور اسرار کھول ڈالا کہ خالد بن کثیر ہر جمعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہزار درود شریف کا نذرانہ بھیجا کرتا تھا، یہ اسی ڈپلومہ کا انعام ہے۔

(جذب القلوب، صفحہ:257)

شب دوشنبہ میں درود کی فضیلت

پیر کی رات جس کو دوشبہ کی رات بھی کہتے ہیں، اس میں درود پاک پڑھنا بڑی سعادت ہے کہ اسی روز ہمارے اعمال بارگاہِ الٰہی میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دن روزہ سے ہوا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ بندگانِ خدا کے اعمال بارگاہِ الٰہی میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اسی لیے میں دوست رکھتا ہوں کہ جب میرے اعمال پیش کیے جائیں تو میں روزہ سے ہوں۔ علاوہ ازیں درود پاک پڑھنا اس لحاظ سے بھی افضل ہے کہ شب دوشنبہ وہ شب ہے کہ جس میں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم فانی میں تشریف لائے تھے۔

اسی شب آفتاب رسالت کی چمک سے اک عالم بقعۂ نور ہوا تھا۔ اسی شب عرب کی خاک اکسیر ہوئی تھی۔ اسی شب دنیا کے مقدر کا ستارہ روشن ہوا تھا۔ اسی شب اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی آفرینش باسعادت سے آتش کدۂ فارس بجھ گیا تھا اور کاخ شاہ فارس کے کنگرے زمیں بوس ہو گئے تھے۔ اسی شب حوران جنت کو عروسِ شب سہاگ بنایا گیا تھا اور اسی شب جنت کی تزئین حسن کی گئی تھی۔ اسی شب میں نسخہ کیمیا کو جو مردوں کی مسیحائی کرتا ہے، نزول کیا تھا اور اسی روز سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا وصال ہوا تھا۔ یہی وہ دن ہے کہ جس میں خورشید رسالت جہاں زیب افقِ رحلت کے پیچھے نگاہ انسانی سے اوجھل ہوا تھا۔ یہی وہ دن ہے کہ جب قیامت سے پہلے قیامت برپا ہو گئی تھی، اور بقول شاعر:

قیامت سے پہلے قیامت ہم نے دیکھی ہے
تیرا مل کے بچھڑ جانا قیامت اور کیا ہوگی

(جذب القلوب، صفحہ:257)

پنج شنبہ کے روز درود پاک پڑھنا بڑا ثواب ہے

پنج شنبہ کے روز درود پاک پڑھنا بڑی فضیلت کا حامل ہے۔ مناخر الاسلام میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ یَوْمَ الْخَمِیْسِ مِائَةَ مَرَّةٍ لَمْ یَفْتَقِرْ اَبَدًا۔

ترجمہ: جو شخص مجھ پر جمعرات کے روز 100 مرتبہ درود پڑھے وہ کبھی محتاج نہ ہو۔

(جذب القلوب، صفحہ:258)

درود پاک کے بہترین اوقات اور مقامات

لاریب یہ بات باسعادت ہے کہ درود پاک ہر جگہ پڑھا جا سکتا ہے۔ لیکن علمائے کرام نے چند مقامات کا تقرر کیا ہے کہ وہاں درود پاک کا پڑھنا زیادہ مستحب اور مؤکدہ ہے۔ ان مقامات مقدسہ سے چند زیب بیان ہیں:

مجلس میں درود پاک

جب اور جس جگہ دو تین افراد کو مل بیٹھنے کا موقعہ ملے تو ان پر لازم ہے کہ کم از کم ایک مرتبہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ لیں کہ اس سے محفل پرنور اور بابرکت ہوگی اور شیطان کو مایوسی ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

زَیِّنُوْا مَجَالِسَکُمْ بِالصَّلٰوةِ عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ نُوْرٌ لَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔

ترجمہ: اپنی مجلسوں کو مجھ پر درود پڑھ کر زینت دو، کیوں کہ تمہارا درود قیامت کے روز تمہارے لیے نور ہوگا۔ (افضل الصلوٰۃ، صفحہ:41، جلد الافہام، صفحہ:197)

اسی طرح جواہر البحار، صفحہ:157 جلد چہارم پر ایک حدیث یوں مرقوم ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ یَذْکُرُوا اللّٰهَ فِیْهِ وَلَمْ یُصَلُّوْا عَلٰی نَبِیِّهِمْ اِلَّا کَانَ عَلَیْهِمْ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ فَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی مجلس میں کوئی گروہ جمع ہوا اور اس نے اللہ کا ذکر نہیں کیا اور نہ اپنے نبی پر درود بھیجا تو وہ مجلس ان

کے لیے وبال ہوگی، اگر چاہے تو اللہ ان کو معاف کردے اور چاہے تو عذاب دے۔

ایک اور ارشاد سنیے: عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَإِنْ دَخَلُوا الْجَنَّةَ لِلثَّوَابِ۔ (ابوداؤد، ترمذی بحوالہ حصن حصین، صفحہ:497)

ترجمہ: جس مجلس میں لوگ جمع ہوں اور اس میں نہ اللہ کا ذکر کریں اور نہ اپنے نبی پر درود پڑھیں تو وہ لوگ قیامت کے دن اس مجلس پر افسوس اور حسرت کریں گے، اگر چہ وہ ثواب کے لیے جنت میں داخل ہوں۔

حضور کا نام لکھتے وقت درود شریف

برادرانِ اسلام! ہم پر لازم ہے کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لکھیں تو ان پر درود شریف پڑھیں، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ فِيْ كِتَابٍ لَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِكَةُ تَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَا دَامَ اسْمِيْ فِي الْكِتَابِ۔

ترجمہ: جو کتاب میں مجھ پر درود شریف لکھے گا، جب تک میرا نام کتاب میں رہے گا اس کے لیے فرشتے رحمت کی دعا مانگتے رہیں گے۔ (شفا جلد دوم، صفحہ:57، جذب القلوب، صفحہ:259)

حکایت: اللہ تعالیٰ کا ایک برگزیدہ بندہ فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک کاتب رہائش پذیر تھا۔ ایک دن اس کو عالم جاوداں سے بلاوا آ گیا، روح و جسم کا ناطہ ٹوٹ گیا، سافر حیات سے اڑ گئی۔ میں نے اس کو عالم خواب میں دیکھا اور اس سے استفسار کیا کہ بندۂ خدا! اللہ نے تیرے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ جواب دیا کہ اس نے مجھے بخش دیا، میں نے بخشش و مغفرت کی وجہ جاننا چاہی، سبب پوچھا، اس نے جواب دیا کہ جب بھی کسی کتاب میں تاجدار عرب و عجم کا اسم گرامی لکھتا تو درود پاک پڑھتا تھا، اور بعض روایات میں لکھنے کے متعلق درج ہے، تو میرے پروردگار نے مجھ پر ایسی نعمتوں کا نزول کیا جو انسانی قلب و نظر سے اوجھل ہیں، انسان ان کا تصور نہیں کرسکتا، اس نے کبھی ان کے متعلق سنا بھی نہیں ہوگا اور کوئی نہیں جانتا کہ نعمتوں کی حقیقت کیا ہے۔ (دلائل الخیرات، صفحہ:63)

حکایت: یہ قصہ ہے یہ ایک کاتب کا ہے جو کتابت کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آتا تو وہ محض بغرض بچت ورق درود شریف تحریر کرنے سے گریز کرتا۔ اس کو اس جرم کی سزا اللہ کی جانب سے یہ ملی کہ اس کے ہاتھوں میں مرض آکلہ پیدا فرما دیا۔ مرض آکلہ ایک ایسا مرض ہے جس سے مریض کے ہاتھ از خود گر جاتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی اس کاتب کے ساتھ ہوا اور اس کے ہاتھ از خود گر کر ختم ہو گئے۔ اسی طرح ایک اور کاتب بھی کرتا تھا، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی آنے پر درود شریف نہیں لکھتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا اور کہا:

اے شخص! کیوں خود کو 40 نیکیوں سے محروم کرتا ہے، یعنی لفظ وسلم میں 4 حروف ہیں اور ہر حرف کے بدلے 10 نیکیاں ملتی ہیں۔

یہاں پر یہ بات قابل تحریر ہے کہ بعض نادان قسم کے کاتب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام گرامی پر درود شریف نہیں لکھتے بلکہ "ص" "صلعم" لکھ دیتے ہیں۔ اسی طرح علیہ السلام کی جگہ "عہ" لکھ دیتے ہیں اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ "رضہ" لکھ دیتے ہیں۔ یہ بالکل اچھا نہیں بلکہ پورا کلمہ یعنی صلی اللہ علیہ وسلم اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علیہ السلام لکھنا چاہیے۔

(جذب القلوب، صفحہ:258 تا 260)

تلبیہ کے بعد درود شریف پڑھنا

احرام میں تلبیہ کے بعد صفا و مروہ پر کعبہ معظمہ کے دیکھنے اور استلام حجر کے وقت اور طواف میں روضۂ اطہر کی زیارت کے وقت، آثار نبویہ کے مشاہدہ کے وقت اور مواطن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مثل مسجد قبا، مدینہ پاک اور وادی بدر و جبل کے وقت اور جبل احد کے وقت درود شریف پڑھنا باعث دارین ہے۔

ختم قرآن کے وقت درود شریف پڑھنا

جذب القلوب، صفحہ:259 پر مرقوم ہے کہ ختم قرآن پر اور نیک کام کی ابتدا میں، درس علم اور وعظ کی ابتدا میں اور حدیث پاک پڑھتے وقت درود شریف پڑھنا مستحسن ہے۔

بازار میں آتے جاتے درود پاک پڑھنا

جب انسان محوِ سفر ہو، سواری پر سوار ہو، یا بازار کو جا رہا ہو تو درود شریف پڑھنا چاہیے۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ جب لوگ تجارت کے سلسلے میں بازار جاتے ہیں تو وہاں تو اللہ کو بالکل بھول جاتے ہیں، اس کی یاد سے بالکل لاپرواہ ہو جاتے ہیں تو آپ نے اس کی احیا کی خاطر بازار میں جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنا شروع کیا۔ جب کوئی حاجت آپڑے، جب خوف لاحق ہو، جانور یا غلام بھاگ جائے، غم واندوہ کا سامنا ہو، کان بجنے کا مرض ہو، طاعون اور غرق کا اندیشہ ہو، گدھا بنیں گے، پاؤں سوج جائے، گناہ کا ارتکاب ہو جائے تو درود شریف پڑھنا چاہیے، تاکہ بیماریوں اور غموں سے نجات ملے اور گناہوں کا کفارہ ہو۔ (جذب القلوب، صفحہ:259)

مسجد میں داخل وخارج ہوتے وقت درود پاک پڑھنا

مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے خارج ہوتے وقت درود شریف پڑھنا باعثِ سعادت ہے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی وطیرہ ہے:

قَالَتْ فَاطِمَةُ الْكُبْرٰی كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ۔ (ترمذی، جلد اول، صفحہ:48)

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مسجد میں داخل ہوتے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے اور فرماتے: اے میرے رب! میرے گناہ معاف کر اور میرے لیے رحمت کے دروازے کھول دے اور جب باہر نکلتے تو محمد پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے اور یہ دعا پڑھتے: میرے مولیٰ! میرے گناہ معاف کر اور فضل کے دروازے کھول دے۔

ابن ماجہ، صفحہ:56 پر ایک اور حدیث تحریر ہے:

عَنْ اَبِيْ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيْ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَقُلْ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔

ترجمہ: حضرت ابوحمید ساعدی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی مسجد میں داخل ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے پھر یہ کہے: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔ اور جب مسجد سے نکلے تو یہ پڑھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔

ابن ماجہ کے اسی صفحے پر حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ ثُمَّ يَقُلْ: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ وَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنِيْ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو نبی علیہ السلام پر سلام پڑھے اور یہ کہے: "اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔ اور باہر نکلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھے اور یہ کہے: اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنِيْ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔"

شفا، جلد دوم، صفحہ:53 پر حضرت علقمہ کا قول درج ہے: عَنْ عَلْقَمَةَ اِذَا دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ اَقُوْلُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

ترجمہ: حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں کہ اے نبی! تم پر سلام ہو اور اللہ کی برکتیں۔

برادرانِ گرامی! مندرجہ بالا احادیث مبارکہ سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ درود پڑھنا، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک ہے۔ لیکن بعض کم فہم، کم عقل اور عقل وشعور سے بیگانہ افراد درود پاک پڑھنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حرفِ ندا سے پکارنا بھی ناجائز قرار دیتے ہیں۔

جب کہ امداد اللہ مہاجر مکی صاحب "شمائم امدادیہ" میں واضح طور پر لکھتے ہیں:

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ۔ پڑھنا جائز ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے پرخلوص دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے سایہ رحمت میں رکھے اور ہمیں بدعقیدہ افراد کے شر سے محفوظ رکھے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

نواں وعظ

علم کی فضیلت

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ (سورۂ مجادلہ، آیت:11)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے، درجے بلند کرے گا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

برادرانِ اسلام! علم بڑی افضل شے ہے، اس کا مرتبہ و مقام دیگر تمام دنیاوی مراتب و مقامات سے بلند ہے۔ علم کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ بادشاہ اور وزیر بھی عالم سے کمتر ہیں۔ علم کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی وحی کا نزول علم کے بارے میں ہوا۔ علم وہ دیا ہے جس سے جہالت کی تاریکیاں دور ہوتی ہیں، سچی اور سیدھی راہوں کے در کھلتے ہیں، توہمات کا خاتمہ ہوتا ہے اور انسان خود آگہی سے روشناس ہوتا ہے۔ یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ علم سے انسان انسان ہے ورنہ حیوانوں سے بھی بدتر ہے۔

تفسیر حسینی، صفحہ:386 پر مرقوم ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایسا مومن شخص جو علم رکھتا ہے، اس مومن شخص سے جو کہ بے علم ہے، خواہ وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو، اس قدر درجہ رکھتا ہے کہ ایک جگہ سے تیز رفتار گھوڑا 60 سال تک دوڑنے سے دوسری جگہ پہنچتا ہے۔

اب اس سے عالم اور بے علم کے بارے میں فرق اور مرتبہ قائم کرنے کے لیے چنداں مشکل نہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر بزرگی کا سبب

بالجملہ کی نورانی مخلوق ملائکہ سے مٹی کا پتلا انسان افضل ہے۔ اسی وجہ سے اس کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے پاس علم ہے اور ملائکہ کا قصہ مشہور ہے۔ اس کی تفصیل قرآن مجید کے پہلے پارے میں یوں بیان کی گئی ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۔ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:30 تا 34)

ترجمہ: جس وقت محبوب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین کا اپنا نائب اور خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ مولیٰ! کیا ایسے کو خلیفہ بناتا ہے جو زمین میں فساد کرے گا اور خون ریزی کرے گا؟ حالاں کہ ہم تیری حمد کرتے، تسبیح پڑھتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ (گویا اس سے ملائکہ نے اپنے آپ کو خلافت کا مستحق قرار ٹھہرا) فرمایا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، اور اللہ نے آدم علیہ السلام کو تمام اشیا کے نام سکھلائے، پھر سب اشیا ملائکہ کے سامنے ظاہر کیں اور فرمایا کہ اگر سچے ہو تو ان کے نام بتا دو۔ بولے کہ پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں، مگر جتنا تو نے ہمیں سکھلا دیا ہے۔ بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اے آدم! اب تم ان اشیا کے نام بتاؤ۔ جب آدم نے سب اشیا کے اسما بتا دیے۔ تو فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمینوں کے اندر مخفی سب چیزیں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو اور یاد کرو جب ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، جو منکر ہوا اور متکبر و کافر ہو گیا۔

تفسیر عزیزی، صفحہ:172 پر قرآن مجید کے پہلے پارے کی اس تفصیل کے متعلق لکھا ہے کہ

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ علم کی برکت سے اللہ نے حضرت آدم کو زمین کی خلافت سے سرفراز فرمایا اور سجودِ ملائکہ کے مقام سے مشرف کیا۔ اس طرح علم ہی ہے جس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو مراتب عالیہ سے سرفراز کیا گیا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا۔ ہم نے حضرت آدم علیہ السلام کو علم اور علم فراست عطا فرمایا اور اُسی علم کی بدولت ان کو یہ شرف ملا کہ آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کا استاد بنایا گیا۔ ذرا اور پیچھے لوٹ جایئے اور دیکھئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو علم الخواب سے بہرہ ور کیا گیا تھا۔ وَعَلَّمْتَنِي مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ۔

اللہ نے مجھے خوابوں کا علم سکھلایا اور پھر اس کی برکت سے رب العزت نے حضرت یوسف کو مصر کا ملک ودیعت فرمایا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو دیکھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم صنعت سے مالا مال کیا تھا۔ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ۔ ہم نے ان کو زرہ بنانے کا علم سکھایا اور اس علم کی برکت سے حضرت داؤد علیہ السلام کو بادشاہت وریاست عطا کی گئی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے جانوروں کی بولیوں کا علم مرحمت فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَعُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ۔ ہم نے ان کو جانوروں کی بولیوں کا علم عطا فرمایا۔ اسی علم کی برکت تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلقیس جیسی صاحب مال وزر بیوی ملی اور سارے جہان کی بادشاہی کے لیے آپ کو منتخب کیا گیا۔ علم کی بدولت ہی کائنات ارضی کی ہر مخلوق کو حضرت سلیمان کے تابع کر دیا گیا تھا۔ علم کی برکت سے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لوگوں کے عائد کردہ بہتان سے بری کیا گیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان کو کتاب، حکمت، تورات اور انجیل سکھائی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسرار و رموز کا علم اور ہر شئے کا علم عطا فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ۔ اللہ تعالیٰ نے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر خاص فضل وکرم کیا اور علم کی برکت

سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافت کبریٰ کا منصب بخشا اور شفاعت عظمیٰ کا امین قرار دیا۔ علم کی برکت کے بارے میں یہ تحریر تفسیر عزیزی میں ہے اور تفسیر عزیزی، صفحہ:173 پر مزید رقم شدہ تحریر کا مفہوم درج ذیل ہے:

علم کی برکت کے بارے میں جاننے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ علم ایک وسیلہ ہے۔ جس کے طفیل اللہ تعالیٰ جس انسان کو چاہتا ہے مراتب عالیہ سے نوازتا ہے۔ گویا تمام تر بلند مقامات پر سرفراز ہونا علم کی برکت سے ہے۔ انسان کو اللہ نے یہ اعزاز بخشا ہے کہ اس کو تمام مخلوقات میں افضل واعلیٰ اور برتر پیدا کیا۔ جس کی وجہ سے اس کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔

چلئے چھوڑیئے جانے دیجئے کہ انسان تو اشرف المخلوقات ٹھہرا، اس کو تو علم کی بدولت مراتب عالیہ سے نوازا ہی جائے گا۔ لیکن علم تو اس بادل کی مثل ہے۔ جو پھولوں پر نہیں برستا بلکہ کانٹے بھی اس کی مہربانیوں کا ہدف بنتے ہیں۔ انسان کے علاوہ جس کسی کو بھی علم سکھایا جائے وہ علم کی برکت سے بہرہ ور ہوگا، مثلاً اس کائنات ارضی وسماوی میں سب سے نجس، پلید اور اخس ترین مخلوق جس کو تصور کیا جاتا ہے وہ کتا ہے۔ جی ہاں! کتے کو اس کائنات ارضی وسماوی میں سب سے نجس، پلید اور اخس مخلوق ہونے کا قبیح ترین اعزاز حاصل ہے۔ لیکن کتے کا یہ قبیح ترین اعزاز اس سے دست بردار ہوسکتا ہے، اس طرح کہ کتے علم سیکھ جائیں۔ جی ہاں! اگر کتا علم سیکھ جائے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اس کو امر شکار پر معمور کر دیا جائے اور وہ اس میں کامیابی حاصل کرے تو اس کا کیا ہوا شکار حلال ہوگا۔ حالاں کہ جس شئے سے کتا چھو جائے اس کو پلید کا اعزاز بخش دیتا ہے لیکن علم کی بدولت کیا ہوا شکار حلقۂ حلت میں شمار ہوتا ہے۔ واہ! کیا شان اور برکت ہے علم کی۔

جس طرح کتے کو اس دنیائے ارضی وسماوی میں سب سے نجس پلید اور اخس ترین مخلوق تصور کیا جاتا ہے، اسی طرح چیونٹی اس کائنات ارضی وسماوی کی سب سے چھوٹی ترین مخلوق تصور کی جاتی ہے۔ نہ صرف چھوٹی بلکہ سب سے کمزور ترین شئے ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے صرف اس قدر علم عطا کیا گیا کہ انبیا علیہم السلام کے صحابہ اور ساتھی کمزور چیونٹیوں پر دیدہ اور دانستہ ظلم نہیں کرتے۔ صرف اسی علم کی برکت سے چیونٹی کو یہ مرتبہ اور مقام دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے چیونٹی کے کلام کو قرآن مجید میں یوں منقول کیا ہے:

لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۔

ترجمہ: اے چیونٹیو! تم کو سلیمان علیہ السلام اور اس کا لشکر بے خبری میں روند نہ ڈالے۔

قارئین گرامی! اس سے بھی زیادہ مقام حیرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ساری سورت کا نام ہی سورۂ نمل رکھ دیا ہے۔

ایک زمانے میں ایک شخص شاہی ملازمت کا خواہاں تھا مگر شاہی ملازمت حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا اور جوئے شیر تو آنجہانی فرہاد صاحب بھی نہیں لا سکے تھے تو وہ بے چارہ کیسے لے آتا اور کہاں سے لے آتا۔ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ جذبوں اور ارادوں میں صداقت ہو، تمنائیں سچائی پر مبنی ہوں تو پہاڑوں کے دل بھی پگھل اٹھتے ہیں۔ وہ شخص بھی جذبوں میں صداقت رکھتا تھا، اس کی تمنائیں بھی سچائی پر مبنی تھیں، شاید اسی وجہ سے یا پھر قسمت کی مہربانی کے سبب اسے اس کا گوہر مراد مل گیا اور اس نے شدید ترین کوششوں سے شاہی ملازمت حاصل کرلی۔ کچھ عرصہ تو عام درباری کی حیثیت سے فرائض کی ادائیگی کی، پھر ایک روز بادشاہ سے عرض پیرا ہوا کہ شہنشاہِ ذیشان! آپ کا اقبال اور زیادہ بلندیاں حاصل کرے۔ اس بندۂ ناچیز کی جانب سے ایک گزارش ہے کہ حضور! بندہ کو اپنی خاص محفل کا رکن بنائیں اور بندہ کو شرفِ قرب سے نوازیں۔ بادشاہ نے لبِ نازنین کو جنبش دی کہ اے شخص! ہر کس و ناکس کو شرفِ قرب سے نہیں نوازا جاتا، بادشاہ کا مقرب ہونے کے لیے تحصیل علم لازمی امر ہے۔ لہٰذا اگر ہمارا مقرب اور خاص ممبر بننا چاہتا ہے، تو جا تحصیل علم کر۔

یہ زمانہ وہ زمانہ تھا جس کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جیسا قابل اور بے مثال عالم میسر تھا۔ وہ شخص بادشاہ کا مقرب بننے کی خاطر تحصیل علم کے لیے روانہ ہوا، اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو علم کی لذتوں سے روشناس کرایا اور شاہی ملازمتوں کی آفات کا سرِ نہاں روزِ روشن کی طرح منکشف کیا، جس سے اس شخص کا دل شاہی ملازمت بلکہ دنیا سے اچاٹ ہو گیا اور اس نے اللہ سے لو لگالی۔

ادھر گردش لیل و نہار جاری رہی، چرخ فلک گھومتا رہا، جس کا نتیجہ ہمیشہ کی طرح اور آج کی طرح یہ نکلا کہ وقت کا پنچھی کافی دور پرواز کر گیا اور عین اس لمحے بادشاہ نے اس شخص کی طلبی کا پروانہ جاری کر دیا۔

حکم حاکم مرگ مفاجات، وہ شخص حاضر ہوا۔ بادشاہ نے امتحان لیا اور کہا کہ اب تو اس قابل ہو گیا ہے کہ بادشاہ کا مقرب بنے، اس لیے مزید تحصیل علم کی ضرورت نہیں، بس اب تحصیل علم چھوڑ اور ہمارا خدمت گار بن جا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ بادشاہ سلامت! وقت کبھی ایک سا نہیں رہتا۔ ایک وہ وقت تھا کہ میں نے خود کو آپ کی خدمت کے لیے وقف کرنا چاہا اور آپ نے ٹھکرا دیا، اب وہ وقت گزر چکا ہے اور میں اللہ کی خدمت کے قابل ہو گیا ہوں اور اسی کے لیے وقف ہو گیا ہوں۔ اس لیے اس وقت میں تیری عنایتوں کا ہدف بننے سے انکار کرتا ہوں۔ تفسیر عزیزی، صفحہ:173 پارہ اول، اور در مختار، صفحہ:51 پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گرامی نقل ہے:

فُزْ بِعِلْمٍ وَّلَا تَجْهَلْ بِهٖ اَبَدًا۔ اَلنَّاسُ مَوْتٰی وَاَهْلُ الْعِلْمِ اَحْیَاءٌ۔

ترجمہ: علم سے فیضیاب ہو اور جاہل نہ رہ۔ بے علم لوگ مردہ ہیں اور علم والے زندہ ہیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہی ایک شعر ازحد مشہور ہے:

رَضِیْنَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِیْنَا
لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُهَّالِ مَالٌ

یعنی ہم اللہ جبار کی تقسیم پر راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم دیا اور جاہلوں کو مال۔

قارئین گرامی! حضرت علی کے اس قول سے یہ حقیقت سامنے آگئی کہ جو لوگ بے علم ہیں، علم سے بے بہرہ ہیں، وہ لوگ مردہ ہیں اور جن لوگوں نے تحصیل علم کیا وہ لوگ زندہ ہیں۔ گویا علم کو علامتِ زندگی قرار دیا جا رہا ہے۔ واللہ کیا شان ہے علم کی!

در مختار، صفحہ:16 پر درج ہے:

اَلْعِلْمُ وَسِیْلَةٌ اِلٰی کُلِّ فَضِیْلَةٍ۔ علم ہر فضیلت کا وسیلہ ہے۔

طحطاوی شریف میں ہے: اِنَّمَا الْعِلْمُ لَا زَبَابِهٖ وَلَایَةٌ لَیْسَ لَهَا عَزْلٌ۔

یعنی علم صاحبانِ علم کے لیے وہ منصب دائمی ہے جس کو تنزل نہیں۔ (در مختار، صفحہ:16)

اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

یعنی کہہ دو کہ کیا اہل علم اور بے علم یکساں ہو سکتے ہیں؟

اس لیے کہ عالمِ دین اپنے رب کریم کی ذات وصفات، اسما و احکام سے آشنا ہوتا ہے اور جاہل پوری پہچان سے قاصر ہوتا ہے۔ نہ اسے رب کی کامل پہچان ہوتی ہے اور نہ مسائل سے شناسائی ہوتی ہے۔ اس لیے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ عالم کی برابری کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے علاوہ مشکوٰۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مرقوم ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔ تحصیل علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ہر مسلمان سے مراد مرد اور عورت ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے علم کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ اہل ایمان کے لیے تحصیل علم فرض قرار دی گئی ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ آج کے اس پرفتن دور میں ہماری عقلوں پر ایسے پتھر پڑ گئے ہیں کہ ہم دینی علوم کی طرف ذرا توجہ بھی نہیں دیتے۔ مدرسے خالی ہیں، مسجدیں ویران ہیں اور علامہ اقبال کے اس مصرع کی ترجمان ہیں:

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

اس کے برعکس دنیاوی علم کے لیے ہم باؤلے ہوئے پھرتے ہیں۔ کسی کو یہ شکایت کہ تعلیم کا معیار کم ہوتا جا رہا ہے، کسی کو یہ شکوہ کہ ہمارے بچے کو نرسری میں داخلہ نہیں ملتا۔ غرض کہ دنیاوی تعلیم کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں اور کوئی یہ توجہ نہیں دیتا کہ اس کے بچے دینی علوم سے بھی بہرہ ور ہوں۔

دراصل دنیاوی تعلیم کو لوگ معاش کا ضامن تصور کرتے ہیں لیکن لوگوں کو یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ایسا علم جو بزنس کے طور پر اپنانے کے لیے حاصل کیا جائے۔ قطعاً اس سے فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ تو رسوا ہونے والی بات ہے۔

تفسیر عزیزی، صفحہ: 171-172 پر درج ذیل مفہوم پر مشتمل حضرت علی مشکل کشا کا ارشاد درج ہے کہ 7 وجوہات کی بنا پر علم مال پر فضیلت رکھتا ہے۔

1- مال وزر فرعون، نمرود، ہامان، شداد اور قارون جیسے جاہل لوگوں سے نسبت رکھتا ہے کہ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بے شمار مال پایا اور اسی کے نافرمان بن گئے۔ لیکن علم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ انبیائے کرام کی میراث ہے جنھوں نے انسان کو اس کے اصلی خالق اور معبود سے روشناس کرایا۔

بالیقین سعادت مند ہیں وہ لوگ اور قابل رشک ہیں وہ لوگ کہ جو انبیائے کرام کی میراث

حاصل کرتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حلقۂ سعادت منداں میں شامل کرے۔

2- دوسری وجہ یہ ہے کہ علم مال سے افضل ہے اس لیے ہے کہ مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس علم ایسا خزانہ ہے کہ اس کو جس قدر خرچ کیا جائے، اسی قدر بڑھتا ہے اور اس میں اسی قدر اضافہ ہوتا ہے۔

3- تیسرا سبب یہ ہے کہ مالدار کو مال کی چوکیداری کرنا پڑتی ہے تاکہ چوروں، ڈاکوؤں سے محفوظ رہے، پھر بھی بعض اوقات ہزاروں چوکیداریوں کے باوجود مال چوری ہو جاتا ہے۔ لیکن مال کے برعکس علم ایک ایسا خزانہ ہے جس کو دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا اور ماہر چور ڈاکو نہیں چرا سکتا، اس لیے اس کی حفاظت ضروری نہیں، بلکہ علم تو خود صاحب علم کی حفاظت کرتا ہے اور اسے جاہل ہونے سے بچاتا ہے، اخلاقی اور عقلی لٹیروں سے بھی اس کی حفاظت کرتا ہے۔

4- مال کسی کا وفادار اور دوست نہیں ہے۔ یہ ڈھلتی چھاؤں ہے۔ آج میرے پاس تو کل کسی دوسرے کے پاس اور پرسوں کسی اور مقام پر ہوگا۔ علاوہ ازیں مرنے کے بعد تو انسان قبر کا باسی ہوتا ہے اور اس کا مال اس کے عزیز و اقارب اور ورثا کے قبضے میں چلا جاتا ہے۔ مگر علم اصلی اور وفادار دوست ہے جو کسی حال میں بے وفائی کا ارتکاب نہیں کرتا، بلکہ مرنے کے بعد بھی قبر میں ساتھ جاتا ہے اور ساتھ نبھاتا ہے۔

5- مال ایک ایسی شئے ہے کہ اس کا حصول ہر شخص (صاحب ایمان اور کافر) کر سکتا ہے۔

6- جب میزان عمل قائم ہوگا تو پل صراط پر گزرتے وقت مال کمزوری اور ضعف کا باعث بنے گا، جب کہ علم طاقت بخشے گا، یعنی باعمل علم پر صراط پار کرا دے گا اور مال پل صراط سے گرا دے گا۔

7- مال دار کی طرف فقط چند لوگ محتاج ہوتے ہیں کہ جو غریب ہوتے ہیں۔ مگر عالم کی طرف سب لوگ محتاج ہوتے ہیں۔ غریب ہوں یا امیر، بے علم ہوں یا عالم۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 76,75 پر درج ذیل تحریر مرقوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا پھاٹک ہیں۔ اس ارشادِ گرامی کو فرقۂ خوارج کے لوگوں نے سنا اور انھوں نے حضرت علی سے حسد کیا۔ ایک بار گیارہ آدمی جو اس فرقہ کے رئیس تھے، باہم جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ آؤ ہم الگ الگ حضرت علی کے پاس جائیں اور ان سے ایک ہی سوال

کریں، پھر دیکھیں کہ کیا جواب دیتے ہیں۔ اگر انھوں نے ہم سب کو الگ الگ جواب دے دیے تو ہم یقین کر لیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقعی شہر علم کا پھاٹک ہیں۔ یہ پروپوزل اتفاق رائے سے منظوری ہو گئی۔ منصوبہ شاندار قرار دیا گیا اور اس کی تکمیل کے لیے گیارہ آدمیوں کی خوارجی جماعت کا ایک شخص حضرت علی کی خدمت میں آیا۔ سلام عرض کرنے کے بعد گویا ہوا: یا علی! ذرا یہ تو ارشاد فرمایئے کہ علم افضل ہے یا مال؟ بلا تامل جواب ملا کہ علم افضل ہے۔ اس شخص نے دلیل کا تقاضا کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: علم نبیوں کی میراث ہے اور مال قارون، ہامان اور فرعون وشداد کی میراث ہے۔ یہ تسلی بخش جواب سن کر وہ شخص چلا گیا۔ اس کے بعد دوسرا شخص آیا اور سوال کیا: اے علی! علم افضل ہے یا مال؟ جواب دیا گیا کہ علم افضل ہے۔ اس شخص نے دلیل کا تقاضا کیا، آپ نے فرمایا: علم تمہاری نگہبانی کرتا ہے اور مال کی تم خود حفاظت کرتے ہو۔ دوسرا شخص گیا اور تیسرے کو بھیج دیا۔ اس نے بھی وہی سوال کیا۔ اسے وہی جواب ملا۔ دلیل کا تقاضا کیا تو حضرت علی نے فرمایا: علم خاص دوست کو دیا جاتا ہے مگر مال کے لیے یہ ضروری نہیں، ہر کس وناکس دوست دشمن کو عطا کیا جاتا ہے۔ پھر چوتھا آیا، اس نے بھی وہی سوال کیا، اسے بھی وہی جواب ملا۔ دلیل پوچھی گئی تو حضرت علی نے فرمایا کہ مال خرچ کرنے سے کم ہو جاتا ہے مگر علم جس قدر خرچ کیا جائے زیادہ ہوتا ہے۔ پانچویں شخص نے بھی وہی سوال کیا، اسے بھی وہی جواب ملا۔ دلیل پوچھی گئی تو حضرت علی نے جواب دیا: صاحب علم ہمیشہ بزرگی اور عظمت سے یاد کیا جاتا ہے، جب کہ مالدار کبھی کنجوس وبخیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پھر چھٹا آدمی آیا، اس نے علم کے افضل ہونے کی دلیل مانگی۔ حضرت علی نے جواب دیا: روز محشر مالدار سے ایک ایک پیسے کا حساب لیا جائے گا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور صاحب علم روز محشر گنہگاروں کی شفاعت کرے گا۔ پھر ساتواں آیا اور علم کے افضل ہونے کی دلیل پوچھی۔ آپ نے فرمایا: مالدار جب مر جاتا ہے تو اس کا تذکرہ بھی مر جاتا ہے مگر صاحب علم کا ذکر مرنے کے بعد قیامت تک رہے گا۔ پھر آٹھواں آیا، اس نے دلیل مانگی تو آپ نے جواب دیا: مالدار کے دشمن بہت ہوتے ہیں اور عالم کے دوست بکثرت ہوتے ہیں۔ پھر نواں آیا اس نے دلیل مانگی تو جوابا ارشاد فرمایا کہ مال مدتوں پڑا رہے تو بوسیدہ اور بیکار ہو جاتا ہے، جب کہ علم کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ پھر دسواں آیا

اس کو آپ نے یہ دلیل دی کہ مال سے دل سخت ہو جاتا ہے اور علم دل کو روشن کرتا ہے۔ پھر گیارہواں آیا، اس سے آپ نے فرمایا: صاحب مال مال کے غرور میں خدائی کا دعویٰ کر دیتا ہے مگر عالم کبھی ایسا نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ فروتنی اور عبودیت کا اقرار کرتا ہے۔ اس کے بعد حضرت علی نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ مجھ سے یوں ہی سوال کرتے رہیں تو اس ایک جواب کی دلیل ہر ایک کو الگ الگ اپنی زندگی بھر دیتا رہوں گا۔ گیارہ آدمیوں کی اس جماعت نے بھی آپ کی علمیت کو تسلیم کیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مندرجہ بالا قول سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ علم انگنت وجوہات کی بنا پر مال سے افضل ہے:

انسان کو انسان بناتا ہے علم — حیوان سے بدتر ہے جو ہے بے علم
علم علامت ہے زندگی کی — مردوں کو زندہ بناتا ہے علم
ہوئی ہے اس سے پہچان انسانیت — درس خود آگہی کا دیتا ہے علم
عقل کی روشنی دکھاتا ہے یہ — جہالت کے اندھیرے مٹاتا ہے علم
ملتی ہے بڑائی طفیل اس کے — کہ سب فضیلتوں کا وسیلہ ہے علم
جس کو کبھی کوئی چرا نہ سکے — ایسا خزانہ گراں مایہ ہے علم
تجھ سے یہ التجا ہے یارب — وقار کو بھی دیدے تو علم

☆☆☆

دسواں وعظ

کچھ عالمِ دین کی فضیلت کے بارے میں

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔
اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ۔

ترجمہ: بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں عالم لوگ ڈرتے ہیں۔

مطلب اور مفہوم واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جس قدر مخلوق روئے ارض وفلک میں ہے اس تمام مخلوق میں اللہ سے صرف وہ لوگ ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں، جو جاننے والے ہیں۔

برادرانِ ملت اسلامیہ! اس عالمِ آب وگل میں سب اشیا پر بزرگی رکھنے والا عنصر علم ہے۔ اسی طرح جملہ مخلوق میں سے زیادہ افضل وہ ہے جو صاحب علم ہے اور علم پر عامل ہے۔

خوفِ الٰہی سے جنت ملتی ہے

اس وعظ کے شروع میں بیان کی گئی آیت مقدسہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ عالم لوگ اپنے دلوں کو خوف الٰہی سے معمور رکھتے ہیں اور اپنے قلب میں خوف الٰہی کو جگہ دینا ایک احسن اور بارگاہِ الٰہی میں مقبول وپسندیدہ عمل ہے۔ جس کا اجر یہ ہوتا ہے کہ جنت میں مکان الاٹ کردیا جاتا ہے۔ ہمارے خالقِ حقیقی رب العالمین کا ارشاد ہے: ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ ۔

یعنی وہ لوگ جنت کے حقدار ہیں جو دلوں میں خوف الٰہی رکھتے ہیں۔

مزید ارشاد ہے: اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ جنت اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے بنائی گئی ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرمارہا ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی ۔

ترجمہ: جو اللہ کے حضور کھڑا ہونے میں ڈرے اور اپنے نفس کو لالچ سے بچالے، اس کی جائے پناہ جنت ہے۔

برادرانِ گرامی! مطلب اور مفہوم یہ نکلا، رزلٹ یہ آؤٹ ہوا کہ جس شخص کے دل میں اللہ کا خوف ہے وہ سزاوار جنت ہے اور چوں کہ عالم حضرات بھی اپنے دلوں کو اللہ کے خوف سے معمور رکھتے ہیں، اس لیے ان کے لیے بھی جنت سزاوار ہے۔

پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ وَاَھْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتَّی النَّمْلَۃَ فِیْ جُحْرِھَا وَحَتَّی الْحُوْتَ یُصَلُّوْنَ عَلٰی مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَیْرَ ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ: 34)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، اہل ارض، اہل فلک، یہاں تک کہ چیونٹی سوراخ میں اور مچھلی دریا میں دعائے خیر کرتی ہیں نیکیوں کے سکھانے والے پر یعنی عالم دین پر۔

واللہ! شان ہو تو ایسی کہ عالم دین گھر میں آرام فرمارہے ہیں یا بازار میں شاپنگ کررہے ہیں اور دریاؤں، سمندروں کی مچھلیاں اور سوراخوں کی چیونٹیاں ان کے لیے دعائے خیر مانگ رہی ہیں۔ سچ ہے کہ اللہ اپنے فضل سے جس کو چاہے عزت بخش دے۔

عَنْ کَثِیْرِ بْنِ قَیْسٍ قَالَ: کُنْتُ جَالِسًا مَعَ اَبِی الدَّرْدَآءِ فِیْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَجَآءَہٗ رَجُلٌ قَالَ: یَا اَبَا الدَّرْدَآءِ اِنِّیْ جِئْتُکَ مِنْ مَّدِیْنَۃِ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِحَدِیْثٍ بَلَغَنِیْ اَنَّکَ تُحَدِّثُہٗ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا جِئْتُ لِحَاجَۃٍ قَالَ: فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَطْلُبُ فِیْہِ عِلْمًا سَلَکَ اللّٰہُ بِہٖ طَرِیْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّۃِ وَاِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَھَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ ۔ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: کثیر بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں ابودرداء کے ہمراہ دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے ابودرداء! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ سے آیا ہوں ایک حدیث کے لیے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو بیان کرتے ہو۔ میں کسی اور حاجت کے لیے نہیں آیا۔ ابودرداء نے

فرمایا کہ واقعی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو شخص ایسے راستے پر چلتا ہے جس میں علم حاصل کیا جاتا ہے تو اللہ اس کو راہ جنت پر چلاتا ہے اور طالب علم کی رضا کے لیے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔

سبحان اللہ! لاریب علم افضل ہے کہ جس شخص نے ابھی تحصیل علم نہیں کیا بلکہ وہ اس میں مصروف ہے تو ملائکہ اس کے قدموں تلے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ اندازہ کریں ذرا اس وقت کا جب کہ وہ شخص تحصیل علم میں کسی حد تک کامل ہو جائے۔ کیا آپ اندازہ کر سکتے ہیں ایسے شخص پر اللہ کی کس قدر نعمتیں نازل ہوں گی۔

حکایت: ایک طالب علم کی نظر سے گزری۔ دل میں خیال شیطانی ابھرا، سوچ میں منفی انداز پیدا ہوا، شاید اس کے دماغ کا کوئی اسکرو ڈھیلا تھا کہ خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار بیٹھا، اپنی بدقسمتی کو دعوت کر بیٹھا۔ حدیث کے متعلق جان کر اس نے اپنی جوتیوں کے تلووں میں کیل اور میخیں لگوائیں کہ جب ملائکہ میرے قدموں میں پر بچھائیں گے تو میں کیلوں اور میخوں سے انھیں کچل دوں گا۔ ملائکہ رب قدوس وجبار وقہار کی نورانی مخلوق میں ان کی انسلٹ بارگاہ الٰہی میں شاق گزری، غیرت الٰہی غضب ناک ہوئی اور قہر الٰہی بن کر اس طالب علم پر یوں نازل ہوئی کہ اس کے دونوں پاؤں میں مرض آکلہ پیدا ہو گیا۔ (نزہۃ المجالس)

مرض آکلہ ایک ایسا مرض ہے کہ جسم کے جس عضو کو ہو جائے، وہ عضو اپنے آپ کو کھاجاتا ہے۔ اس طالب علم کو کم فہمی اور شوخی کی سزا ملی اور اس کے پاؤں خود کو کھا گئے۔

حکایت: ایک مرتبہ ایک طالب علم بغرض تحصیل علم ایک عالم دین کے پاس جا رہا تھا۔ بعض لوگ اپنی زبان کو قابو میں نہیں رکھتے اور بے وقت کی راگنی چھیڑے رکھتے ہیں ایسے نادان لوگوں کی زبان ان کے لیے باعث سود وزیاں بن جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے سروں پر سینگ نہیں ہوتے بلکہ وہ بھی دوسرے صاحب عقل لوگوں میں گھلے ملے رہتے ہیں۔

اس طالب علم سے ایک صاحب مزاح نے ازراہِ تمسخر کہا۔ میاں صاحبزادے! اپنے قدموں کو ذرا ہوا میں اٹھالو، تاکہ ملائکہ اپنے پروں سے محروم نہ ہو جائیں۔۔۔ بے چارہ نادان تھا اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکا، بے وقت کی راگنی چھیڑ بیٹھا اور سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کے ہجرو

زوال کا باعث بن گیا۔ اس طرح کہ قدرت الٰہی سے اس کے دونوں پاؤں فوراً شل ہو گئے۔
(نزہۃ المجالس، صفحہ:69)

مشکوٰۃ شریف، صفحہ:37 کی حدیث ہے جس کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے:

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا، قَالُوْا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ. قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِيْ اٰدَمَ وَاَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِيْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَهٗ يَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمِيْرًا وَحْدَهٗ اَوْ قَالَ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ سب سے بڑا سخی کون ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ بڑا سخی ہے، پھر میں تمام اولاد آدم سے زیادہ سخی ہوں اور میرے بعد ان میں وہ شخص زیادہ سخی ہے جس نے علم سیکھا اور اسے پھیلایا، اس کو قیامت کے دن بمنزلہ ایک امیر کے لایا جائے گا۔

عَنْ عَوْنٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ: مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ صَاحِبُ الْعِلْمِ وَصَاحِبُ الدُّنْيَا وَلَا يَسْتَوِيَانِ اَمَّا صَاحِبُ الْعِلْمِ فَيَزْدَادُ رِضًا لِلرَّحْمٰنِ وَاَمَّا صَاحِبُ الدُّنْيَا فَيَتَمَادٰى فِي الطُّغْيَانِ ثُمَّ قَرَاَ عَبْدُ اللّٰهِ كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى، قَالَ: وَقَالَ الْاٰخِرُ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔

ترجمہ: حضرت عون رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ دو حریص ہیں جو سیر نہیں ہوتے۔ ایک صاحب علم، دوسرا صاحب دنیا اور دونوں برابر نہیں ہیں۔ ہرحال میں صاحب علم اللہ کی رضا زیادہ کرتا ہے اور صاحب دنیا سرکشی میں زیادہ ہوتا ہے۔ پھر عبداللہ نے یہ آیت تلاوت کی کہ كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى (ہرگز نہیں، بے شک ہی انسان سرکشی کرتا ہے اس لیے اپنے تئیں بے پرواہ دیکھا۔ اور دوسرے شخص کے حق میں یہ آیت تلاوت کی کہ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ یقیناً اللہ سے اس کے بندوں میں سے علما ہی ڈرتے ہیں۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا

مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهٗ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل منقطع ہوجاتے ہیں مگر تین عمل (جاری رہتے ہیں) ایک صدقہ جاریہ، دوسرے وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے، تیسرا ایک بچہ جو باپ کے لیے دعائے خیر مانگتا ہو۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ زَارَ عَالِمًا فَكَاَنَّمَا زَارَنِيْ وَمَنْ صَافَحَ عَالِمًا فَكَاَنَّمَا صَافَحَنِيْ وَمَنْ جَالَسَ عَالِمًا فَكَاَنَّمَا جَالَسَنِيْ وَمَنْ جَالَسَنِيْ اَجْلَسَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِي الْجَنَّةِ۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ:67)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عالم کی زیارت کی گویا اس نے میری زیارت کی، جس نے کسی عالم سے مصافحہ کیا گویا اس نے میرے سے مصافحہ کیا، جو کسی عالم کی مجلس میں بیٹھا گویا اس نے میری مجلس میں بیٹھا اور جو میری مجلس میں بیٹھے گا اُسے قیامت کے روز اللہ جنت میں بٹھائے گا۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَّ الْعَالِمُ اَوِ الْمُتَعَلِّمُ عَلٰى قَرْيَةٍ رَفَعَ اللّٰهُ الْعَذَابَ عَنْ مَقْبَرَتِهَا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب عالم دین یا طالب علم کسی بستی سے گزرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بستی کے قبرستان سے 40 روز کے لیے عذاب اٹھا دیتا ہے۔

اب مشکوٰۃ شریف اور نزہۃ المجالس میں رقم شدہ احادیث ملاحظہ فرمائیں:

1- ایک بار حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں تشریف لے گئے اور بازار والوں سے کہا کہ تم لوگ یہاں پر ہو اور مسجد میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہورہی ہے۔ وہ لوگ بازار چھوڑ کر مسجد کی طرف گئے اور لوٹ کر حضرت ابوہریرہ سے بولے کہ ہم نے میراث کو تو نہیں دیکھا۔ انھوں نے کہا پھر تم لوگوں نے کیا دیکھا؟ جواب ملا کہ ہم نے ایک جماعت کو دیکھا جو اللہ کا ذکر کرتی تھی، تلاوت قرآن پاک کرتی تھی اور علم کی تعلیم دیتی تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے، یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔

2- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماں باپ کے چہرے پر نگاہ ڈالنا عبادت ہے، کعبہ شریف پر نظر ڈالنا عبادت ہے اور عالم کے چہرے پر نگاہ کرنا تمام عبادتوں کی اصل ہے۔
(تذکرۃ الواعظین، صفحہ:78)

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے ابن مسعود! تمہارا گھڑی بھر علم دین کے حلقۂ درس میں بیٹھنا اس حالت میں کہ نہ کوئی قلم ہاتھ سے چھوؤ اور نہ کوئی حرف لکھو، تمہارے لیے ہزار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔ اس واسطے کہ عالم کا مرتبہ اللہ کے نزدیک ہزار شہیدوں اور حافظوں سے بزرگی میں زیادہ ہے۔ جو شخص کسی عالم یا طالب علم کی مدد کرے گا خواہ وہ مدد معمولی ہی کیوں نہ ہو، مثلاً: ایک لقمہ روٹی یا ایک ٹکڑا کپڑا یا ایک پیالہ پانی یا کوئی لوٹا ہوا قلم یا کاغذ تو اس شخص نے گویا 70 ربار خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور اللہ تعالیٰ اس کو اس قدر ثواب عطا کرے گا گویا اس نے کوہِ اُحد کے برابر زر خالص اللہ کی راہ میں دیا اور 70 رحج کیے ہوں اور 70 رنبیوں کو کھانا کھلایا ہو، اور تمام عمر اس کے نامۂ اعمال میں اس کی خطائیں درج نہ کی جائیں گی۔ علم کی خدمت کا ثواب ہزار رکعت نفل سے زیادہ ہے۔
(تذکرۃ الواعظین، صفحہ:79,78)

فتاویٰ نسفی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت عالم کسی جلسے میں آئے اور حاضرین جلسہ اس کی تعظیم کے لیے پورے طور پر نہ کھڑے ہوں تو قیامت کے دن وہ لوگ میری شفاعت سے محروم رہیں گے اور جو شخص عالم کو ایک درہم دے یا پیٹ بھر کھانا کھلائے یا پانی پلائے تو اللہ تعالیٰ اس کو نیک بخت اولاد سے سرفراز فرمائے گا اور وہ شخص بلا حساب وکتاب جنت میں داخل ہوگا۔ (تذکرۃ الواعظین، صفحہ:79)

قارئین گرامی! آیئے اب ہم آپ کو اگلے باب میں طالب علم کی فضیلت کی سیر کے لیے لیے چلتے ہیں۔

اس لیے اس باب کو ختم کرنے کی اجازت دیں۔

☆☆☆

گیارہواں وعظ

طالب علم کی فضیلت

برادرانِ اسلام! اس کائناتِ عالم آب وگل میں بعد از نبوت سب مراتب اور درجات سے بلند مرتبہ اور درجہ علم کا ہے اور جس شخص کے پاس علم ہو، اس کا مرتبہ بھی دیگر تمام مراتب والوں سے بلند اور عظیم ہے۔ علم اور عالم کی فضیلت کے بارے میں کچھ احاطہ تحریر میں لایا جارہا ہے۔ سب سے قبل احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔

چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

پہلی حدیث: اِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَھَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ۔ (مشکوٰۃ،ص:34)
یعنی فرشتے اپنے پر طالب علم کی رضا کے لیے بچھاتے ہیں۔

دوسری حدیث: عَنْ عَائِشَۃَ اِنَّھَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ اَوْحٰی اِلَیَّ اَنَّہٗ مَنْ سَلَکَ مَسْلَکًا فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ سَھَّلْتُ لَہٗ طَرِیْقَ الْجَنَّۃِ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:36)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ اللہ عزوجل نے میری طرف وحی فرمائی کہ جو کوئی طلب علم کے راستہ میں چلتا ہے تو میں اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہوں۔

تیسری حدیث: عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی عُتَقَآءِ اللّٰہِ مِنَ النَّارِ فَلْیَنْظُرْ اِلَی الْمُتَعَلِّمِیْنَ الْعِلْمَ فَوَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ مَا مِنْ مُتَعَلِّمٍ یَخْتَلِفُ اِلٰی بَابِ عَالِمٍ اِلَّا کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِکُلِّ قَدَمٍ عِبَادَۃَ سَنَۃٍ وَبَنٰی لَہٗ بِکُلِّ قَدَمٍ مَدِیْنَۃً فِی الْجَنَّۃِ وَیَمْشِیْ عَلَی الْاَرْضِ وَالْاَرْضُ تَسْتَغْفِرُ لَہٗ۔
(نزہۃ المجالس، صفحہ:69)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص آرزو رکھتا ہے کہ دوزخ سے آزاد ہونے والوں کو دیکھ لے تو وہ طالب علموں کو دیکھ لے۔ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ طالب علم کسی عالم کے دروازے پر نہیں آتا جاتا، مگر اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلے میں ایک سال کی عبادت لکھتا ہے اور ہر قدم کے عوض جنت میں ایک شہر تیار کرتا ہے اور وہ جب زمین پر چلتا ہے تو زمین اس کے لیے استغفار کرتی ہے۔

مندرجہ بالا احادیث سے طالب علم کی فضیلت بخوبی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلے جنت میں ایک شہر بناتا ہے، سال بھر کی عبادت لکھتا ہے اور زمین پر چلنے سے زمین بھی اس کے لیے دعائے مغفرت کرتی ہے اور طالب علم دوزخ کی آگ سے آزاد ہوتا ہے۔

سبحان اللہ! جب اس قدر فضائل ہوں تحصیل علم کے تو یقیناً وہ شخص بے چارہ قسمت کا مارا ہوگا جو اپنی اولاد کو علم دین سے آراستہ نہ کرے اور یقیناً خوش نصیب اور باسعادت ہیں وہ لوگ جن کی اولاد علم دین سیکھتی ہیں اور پھر دوسروں کو سکھاتی ہیں۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اِغْبَرَّتْ قَدَمَاہُ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ حَرَّمَ اللّٰہُ جَسَدَہٗ عَلَی النَّارِ وَاسْتَغْفَرَ لَہٗ مَلَکَاہُ وَاِنْ مَاتَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ مَاتَ شَھِیْدًا وَّکَانَ قَبْرُہٗ رَوْضَۃً مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ وَیُوَسَّعُ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ مَدَّ بَصَرِہٖ وَیُنَوَّرُ عَلٰی جِیْرَانِہٖ اَرْبَعِیْنَ قَبْرًا عَنْ یَمِیْنِہٖ وَاَرْبَعِیْنَ قَبْرًا عَنْ یَسَارِہٖ وَاَرْبَعِیْنَ مِنْ خَلْفِہٖ وَاَرْبَعِیْنَ مِنْ اَمَامِہٖ۔

(نزہۃ المجالس، صفحہ:69)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے قدم طلب علم میں غبار آلود ہوں اللہ تعالیٰ دوزخ کو اس کے جسم پر حرام کر دیتا ہے اور اس کے دونوں فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں اور اگر تحصیل علم میں مرجائے تو مرتبہ شہادت حاصل کرتا ہے اور اس کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جاتی ہے، تاحدِ نظر اس کی قبر وسیع کر دی جاتی ہے اور اس کے داہنی جانب والے ہمسایوں کی 40 رقبریں اور بائیں جانب کی 40 رقبریں، آگے سے 40 رقبریں اور پیچھے سے 40 رقبریں پیچھے کی طرف روشن کر دی جاتی ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاءَہُ الْمَوْتُ وَھُوَ یَطْلُبُ الْعِلْمَ لِیُحْیِیَ بِہِ الْاِسْلَامَ فَبَیْنَہٗ وَبَیْنَ النَّبِیِّیْنَ دَرَجَۃٌ وَّاحِدَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ۔ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جس کو موت آئے اس حال میں کہ وہ علم حاصل کرتا ہے تا کہ اسلام کو زندہ کرے، جنت میں اس کے اور انبیائے کرام کے بیچ صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔

طالب علم کی فضیلت کے بارے میں ایک اور حدیث ملاحظہ ہو:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ قَالَ: اِنَّ اللّٰہَ یُبَاھِیْ الْمَلَائِکَۃَ بِمِدَادِ الْعُلَمَاءِ کَمَا یُبَاھِیْ بِدَمِ الشُّھَدَاءِ۔ (مجالس سنی، صفحہ:109)

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ علما کی سیاہی سے فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے جیسا کہ خون شہیداں سے مباہات فرماتا ہے۔

علم عبادت ہے اور عالم عابد سے افضل ہے

حضرات! علم بھی دیگر عبادات کی طرح ایک عبادت ہے۔ مگر ایسی عبادت ہے کہ جو دیگر عبادتوں سے افضل ہے۔ چوں کہ یہ دیگر عبادات سے افضل ہے، اس وجہ سے اس عبادت کا حساب دیگر عبادت کے حساب سے افضل واعلیٰ ہے۔

اس کے ثبوت میں درج ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں:

ابن عباس کا یہ قول زیب نظر اور قرار دل بنائیے: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَۃً مِّنَ اللَّیْلِ خَیْرٌ مِّنْ اِحْیَائِھَا۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:36)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رات کے ایک پل کے لیے بھی علم کا درس دینا رات بھر عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

مطلب یہ نکلا کہ ساری رات جاگ کر عبادت کرنے سے یہ بہتر ہے کہ تھوڑی دیر علم کا درس دیا جائے یا مطالعہ کیا جائے یا علم کے بارے میں کچھ لکھا اور سنا جائے۔ (خطابر، صفحہ:106)

کشف الغمہ، صفحہ:16 کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

فَضْلُ الْعِلْمِ خَیْرٌ مِّنْ فَضْلِ الْعِبَادَۃِ خَیْرُ دِیْنِکُمُ الْوَرَعُ۔ (زواجر ابن حجر)

ترجمہ: علم کی کثرت عبادت کی کثرت سے افضل ہے، بہترین دین پرہیز گاری ہے۔

قَلِیْلُ الْعِلْمِ خَیْرٌ مِّنْ کَثِیْرِ الْعِبَادَۃِ۔ (کشف الغمہ، صفحہ:16)

ترجمہ: تھوڑا علم بہت عبادت سے افضل ہے۔

کشف الغمہ، جلد اول، صفحہ:17 کی درج ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیں:

کَانَ اَبُوْذَرٍ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ لَاَنْ تَغْدُوَ تَعَلَّمَ اٰیَۃً مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ خَیْرٌ لَّکَ مِنْ اَنْ تُصَلِّیَ مِائَۃَ رَکْعَۃٍ وَلَاَنْ تَغْدُوَ فَتَتَعَلَّمَ بَابًا مِّنَ الْعِلْمِ عُمِلَ بِہٖ اَوْ لَمْ یَعْمَلْ خَیْرٌ لَّکَ مِنْ اَنْ تُصَلِّیَ اَلْفَ رَکْعَۃٍ۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک آیت قرآن پاک کا سیکھنا سو رکعت نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ تیرا سویرے جاگ کر ایک باب علم کا سیکھنا خواہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے، ہزار رکعت پڑھنے سے بہتر ہے۔

بیان کی گئی مندرجہ بالا روایات اس بات کی مظہر ہیں کہ علم جملہ عبادات نافلہ سے بہتر ہے اور اس طرح عالم عابد سے بہتر ہے۔ ایک ایسا شخص جس کو دین کے بارے میں سمجھ بوجھ ہے اور وہ اس کے بارے میں شعور رکھتا ہے، اس شخص سے بہتر ہے جو بے علم اور جاہل ہے، خواہ گوشہ نشین اور عابد ہی کیوں نہ ہو۔ اس قول کی صداقت کے لیے درج ذیل احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلَیْنِ کَانَا فِیْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اَحَدُھُمَا کَانَ عَالِمًا یُصَلِّی الْمَکْتُوْبَۃَ ثُمَّ یَجْلِسُ فَیُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَیْرَ وَالْاٰخَرُ یَصُوْمُ النَّھَارَ وَیَقُوْمُ اللَّیْلَ اَیُّھُمَا اَفْضَلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَضْلُ ھٰذَا الْعَالِمِ الَّذِیْ یُصَلِّی الْمَکْتُوْبَۃَ ثُمَّ یَجْلِسُ فَیُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَیْرَ عَلَی الْعَابِدِ الَّذِیْ یَصُوْمُ النَّھَارَ وَیَقُوْمُ اللَّیْلَ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاکُمْ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:36)

ترجمہ: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے دو اشخاص کے بارے میں پوچھا گیا، ان میں سے ایک عالم تھا جو کہ فرض نماز پڑھتا پھر بیٹھ جاتا اور لوگوں کو نیک باتیں سکھاتا تھا اور دوسرا دن بھر روزہ رہتا اور ساری رات عبادت میں کھڑا رہتا، ان میں سے کون افضل ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عالم کی فضیلت جو

فرض نماز پڑھ کر لوگوں کو بھلائی کی باتیں سکھاتا ہے اس عالم پر جو سارا دن روزہ رکھتا ہے اور رات بھر عبادت میں کھڑا رہتا ہے، اس قدر ہے جس قدر میری فضیلت تمہارے ادنیٰ آدمی پر۔ یعنی بے شمار فضیلت ہے۔

کشف الغمہ، صفحہ:18 کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: يُجَاءُ بِالْعَالِمِ وَالْعَابِدِ فَيُقَالُ لِلْعَابِدِ اُدْخُلِ الْجَنَّةَ وَيُقَالُ لِلْعَالِمِ قِفْ حَتّٰى تَشْفَعَ لِلنَّاسِ بِمَا اَحْسَنْتَ اَدَبَهُمْ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ روز محشر عالم اور عابد کو لایا جائے گا، پھر عابد سے کہا جائے گا کہ وہ جنت میں جائے اور عالم کو کہا جائے گا کہ ٹھہرو، تاکہ لوگوں کی سفارش کرے بدلہ اس اچھی تعلیم کا جو تو نے ان کو دی۔

کشف الغمہ کے اسی صفحہ پر ایک اور تحریر یوں مرقوم ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْهٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطٰنِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ۔

ترجمہ: ایک عالم (فقیہ) ہزار عابدوں سے زیادہ شیطان پر سخت ہے۔

چمنستان سعدیہ کے روح رواں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ بھی صاحب علم کو عابد پر فضیلت قرار دیتے ہوئے گلستاں میں یوں رقم طراز ہیں:

صاحبے بمدرسہ آمد ز خانقاہ
بشکست عہد صحبت اہل طریق را

ایک بزرگ نے خانقاہ کی صحبت کو چھوڑا اور مکتب میں تشریف لائے:

گفتم میان عالم و عابد چہ فرق بود
کہ کردی اختیار از آں ایں فریق را

ترجمہ: میں نے پوچھا کہ عالم و عابد میں کیا فرق تھا کہ جس کی وجہ سے تو نے اس فرقہ کو اختیار کیا۔ اس نے کہا کہ وہ اپنی کملی موج سے باہر لے جاتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ ڈوبے ہوئے کو بچائے۔

گویا عالم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوؤں کو علم کی روشنی

کی کشتی میں بٹھا کر بچا لیتا ہے، جب کہ عابد اس اعزاز سے محروم ہے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:79-80 پر مرقوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری خوشنودی چاہتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ میرے دوست کی تعظیم کرے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کا دوست کون ہے؟ فرمایا کہ میرا دوست طالب علم ہے اور مجھ کو ملائکہ سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ جس شخص نے طالب علم کی زیارت کی گویا اس نے میری زیارت کی۔ جس نے اس سے مصافحہ کیا گویا اس نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ جو اس کے پاس بیٹھا گویا وہ میرے پاس بیٹھا اور جس نے اس کی تعظیم کی اس کے لیے بلا حساب و کتاب ہمیشہ کے لیے جنت ہے، کیوں کہ روز محشر وہ میری امت کا شفیع ہوگا۔

ترجمہ درۃ الناصحین، صفحہ:34 پر عالم کی فضیلت کے بارے میں یوں درج ہے:

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مومن کے درجے سے مومن عالم کے درجے سات سو گنا زیادہ ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان 500 / برس کا فاصلہ ہے اور علم پانچ وجوہات کی بنا پر عمل سے افضل ہے:

۱۔ علم بغیر عمل کے حاصل ہوتا ہے، جب کہ عمل علم کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔
۲۔ علم عمل کے بغیر نفع دیتا ہے اور عمل علم کے بغیر نافع نہیں ہے۔
۳۔ علم چراغ کی مانند ایک نور ہے، جب کہ عمل علم سے روشن ہے۔
۴۔ علم مقام انبیا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے علما بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی مانند ہیں۔
۵۔ علم صفت الٰہی اور عمل بندوں کی صفت ہے، اور اللہ کی صفت بندوں کی صفت سے بہتر ہے۔

اسی کتاب، صفحہ:33 پر مرقوم ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے عالم کا درجہ پوچھا تو انھوں نے کہا کہ وہ لوگ امت کے چراغ ہیں، دنیا اور آخرت میں خوش ہوں گے۔ وہ لوگ جو عالم کے مرتبے کو پہچانیں گے اور جن لوگوں نے عالموں سے بغض رکھا اور اُن سے گستاخی اور بے ادبی کی ایسے لوگوں کے لیے عذاب ہے۔

☆☆☆

بارہواں وعظ

علمائے دین کی مجلس کی فضیلت

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو۔

برادران اسلام! اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کی بنیاد سچائی اور حقیقت پر ہے۔ اسی وجہ سے اسلام ایک سچا مذہب ہے اور چوں کہ اسلام ایک سچا مذہب ہے، اسی لیے اس کے پیروکاروں کو سچائی کی تلقین کی جارہی ہے کہ سچائی حاصل کرنے کے لیے سچوں کے ساتھ رہو، تا کہ تم پر حقیقت منکشف ہو اور حقیقت کا اظہار اولیائے عظام اور علمائے دین کی صحبت سے ہوتا ہے، کیوں کہ یہی وہ لوگ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں۔ ان ہی کی مجالس میں دین کی آیات کھول کر بیان کی جاتی ہیں اور رحمت الٰہی کی بارشیں ہوتی ہیں اور سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہوتا ہے۔ بیڑے پار ہوتے ہیں، نوع انسانی وحیوانی کی قسمیں تبدیل ہوتی ہیں اور مقدر کا ستارہ چمکتا ہے اور خوشبوئے ہوائے جنت سے روح تک خوشی سے سرشار ہوجاتی ہے، اس لیے کہ مجلس عالم دین جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہوتی ہے۔ اگر اس میں کسی صاحب کو کوئی شک ہے تو سچائی کے ثبوت کے لیے درج ذیل حدیث پاک ملاحظہ ہو:

اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّۃِ فَارْتَعُوْا، قَالُوْا: وَمَا رِیَاضُ الْجَنَّۃِ؛ قَالَ: مَجَالِسُ الْعِلْمِ۔
(کشف الغمہ، مشکوۃ)

ترجمہ: جب تم جنت کی کیاریوں کے پاس سے گزرو، تو چرلیا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ علم کی مجلسیں، یعنی علما کی صحبت۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد مقدس میں اہل علم اور علما کی صحبت اختیار کرنے

والوں کے لیے عظیم خوش خبری ہے کہ علم حاصل کرنا اور علم کی محفلوں میں بیٹھنا روزِ محشر جنت کے باغیچوں میں جانے کا سبب بنے گا، کیوں کہ علم کی محفل جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔ کشف الغمہ، صفحہ: 18 پر حضرت لقمان کا فرمان درج ہے جو انھوں نے اپنے بیٹے کو دیا تھا۔

یَابُنَیَّ عَلَیْکَ بِمُجَالِسَۃِ الْعُلَمَآءِ وَاسْمَعْ کَلَامَ الْحُکَمَآءِ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُحْیِی قَلْبَ الْمَیِّتِ بِنُوْرِ الْحِکْمَۃِ کَمَا یُحْیِی الْاَرْضَ الْمَیْتَۃَ بِوَابِلِ الْمَطَرِ۔ (کشف الغمہ، صفحہ: 18)

ترجمہ: اے میرے بیٹے! علما کی مجلس اختیار کرو اور حکما کا کلام سنو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نورِ علم سے مردہ دلوں کو زندہ فرماتا ہے، جیسا کہ مردہ زمین کو موسلا دھار بارش سے زندہ فرماتا ہے۔

قارئین گرامی! آج کا یہ دور ترقی کا دور ہے، سائنس کا دور ہے، ایجادات کا دور ہے، اور تجربہ جات کا دور ہے۔ ان میں سے ایک بڑا اور دیو پیکر عجوبہ یہ بھی ہے کہ اپنی تمام تر ترقی کے باوجود یہ دور حرص وہوس اور طمع ولالچ کا دور ہے۔ اس دور میں ہر شخص خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ کلی سے پھول بننے کو بے قرار ہے۔ اسے ہر دم غریب سے امیر بننے کا انتظار ہے۔ اس لگن میں، اس شوق میں اور اس جستجو میں ہم کچھ اس طرح سے محو ہیں کہ اپنے ہر احساس کو جلا چکے ہیں، ضمیر کی ہر آواز کو دبا چکے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے مذہب کو چھوڑ چکے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد ہمارے دلوں سے محو ہو چکی ہے اور ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ فلک بھی ہماری کم عقلی پر رو رہا ہے، کیوں کہ ہمارا دل مردہ ہو چکا ہے۔ ہمیں اس کو زندہ کرنا ہے، نسخۂ کیمیا سے اس کو حیات بخشنی ہے اور نسخۂ کیمیا ہمیں فقط اور فقط محافل علما سے حاصل ہوسکتا ہے، ان کی صحبت ہمیں نسخۂ کیمیا بخشے گی۔

عالم کی مجلس عابد کی مجلس سے افضل

مشکوۃ، صفحہ: 36 کی حدیث ملاحظہ ہو:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسَیْنِ فِیْ مَسْجِدِہٖ فَقَالَ: کِلَاھُمَا عَلٰی خَیْرٍ وَاَحَدُھُمَا اَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِہٖ اَمَّا ھٰؤُلَاءِ فَیَدْعُوْنَ اللّٰہَ وَیَرْغَبُوْنَ اِلَیْہِ فَاِنْ شَآءَ اَعْطَاھُمْ وَاِنْ شَآءَ مَنَعَھُمْ وَاَمَّا ھٰؤُلَاءِ فَیَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْہَ اَوِ الْعِلْمَ

وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ وَبُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِمْ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:36)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں دو مجلسوں کے پاس سے گزرے، فرمایا کہ دونوں خیر پر ہیں، لیکن ان میں سے ایک دوسرے پر افضل ہے۔ کیوں کہ یہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اگر وہ چاہے تو ان کو عطا فرمائے اور چاہے تو روک دے۔ رہے دوسرے تو یہ لوگ فقہ یا علم سیکھتے ہیں اور جاہل کو سکھاتے ہیں۔ چنانچہ یہ افضل ہیں اور میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، پھر آپ ان کے پاس بیٹھ گئے۔

مندرجہ بالا حدیث سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم بنا کر بھیجا گیا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کسی سے کچھ سیکھنا اور کسی کو سکھانا بہت احسن عمل ہے، کیوں کہ اس سے علم کی روشنی ایک سے دوسرے سینے تک منتقل ہوتی ہے، پھر آپ نے علما کی مجلس کو اختیار کیا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم بھی علما کی مجلس میں بیٹھ کر اپنے سینوں کو منور کر سکتے ہیں۔

درۃ الناصحین، صفحہ:36 پر "منہاج المتعلمین" کی ایک حکایت درج ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے دروازے کے قریب شیطان کو کھڑے دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابلیس! اس جگہ کیا کر رہا ہے؟ شیطان نے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ مسجد میں داخل ہو کر اس نمازی کی نماز خراب کر دوں لیکن مجھے اس خوابیدہ شخص کی طرف سے خدشہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تو نمازی سے کیوں نہیں ڈرتا، جب کہ وہ عبادت اور مناجات میں ہے اور اس خوابیدہ شخص سے کیوں ڈرتا ہے کہ یہ سویا ہوا ہے اور غفلت میں ہے۔ شیطان نے کہا کہ اس نمازی کی نماز خراب کرنا بڑا آسان ہے، کیوں کہ یہ جاہل ہے اور سونے والا عالم ہے، اگر میں نمازی کو بہکاؤں اور اس کی نماز فاسد کروں تو ڈرتا ہوں کہ کہیں عالم بے دار ہو کر اس کی اصلاح نہ کر دے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاہل کی عبادت سے عالم کی نیند بہتر ہے۔

مندرجہ بالا تحریر سے دو باتوں کی وضاحت ہوتی ہے:

1- علم سے بے بہرہ شخص رات بھر عبادت کرنے سے بھی عالم پر فضیلت حاصل نہیں کر سکتا۔

2- عالم شخص سے شیطان بھی ڈرتا ہے، خواہ عالم نیند ہی میں کیوں نہ ہو۔

صحبت عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے عالم کی مجلس اختیار کی گویا اس نے میری مجلس اختیار کی اور جو شخص عالم کے پاس بیٹھا گویا وہ میرے پاس بیٹھا۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:67 پر یہ حدیث مرقوم ہے: مَنْ جَالَسَ عَالِمًا فَكَاَنَّمَا جَالَسَنِيْ وَمَنْ جَالَسَنِيْ فِي الدُّنْيَا اَجْلَسَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِي الْجَنَّةِ۔

ترجمہ: جو کسی عالم کی مجلس میں بیٹھتا ہے گویا وہ میری مجلس میں بیٹھتا ہے اور جو میری مجلس میں دنیا میں بیٹھتا ہے اللہ قیامت کے دن اس کو جنت میں بٹھائے گا۔

مجلس علما کے فائدے

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:80-81 میں یہ درج ہے کہ فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص عالم کے پاس بیٹھے اور اس سے علم حاصل کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تب بھی اس کے لیے علم سات کرامتوں کا باعث ہے:

● طالب علم کی سی فضیلت پائے گا۔ ● جب تک وہ شخص عالم کے پاس بیٹھا رہے گا گناہوں اور خطاؤں سے محفوظ رہے گا۔ ● وہاں سے نکلے گا تو اس پر رحمت کا نزول ہوگا۔ ● جب تک عالم کے پاس بیٹھا رہے گا تب تک اس پر برابر رحمتوں کا نزول ہوتا رہے گا۔ ● جب تک وہ سنتا رہے گا اس کے نامۂ اعمال میں برابر نیکیاں لکھی جائیں گی۔ ● ملائکہ اس کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیں گے اور وہ ان میں مل جائے گا۔ ● اس پر اٹھنے والا قدم اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا، اس کے مراتب بلند ہو جائیں گے اور نیکیاں بڑھا دی جائیں گی۔

مزید تحریر ہے کہ ان فضائل کے علاوہ اللہ تعالیٰ 6 کرامتیں اور عطا فرماتا ہے:

● جتنی بار وہ عالم کی مجلس میں بیٹھے گا ہر بار اس کا ایک درجہ بلند کیا جائے گا اور اس پر رحمت کا نزول ہوگا۔ ● جتنے لوگ اس کی پیروی کریں گے ان سب کے برابر اس کو ثواب ملے گا اور ان

لوگوں میں سے کسی کا ثواب کم نہ ہوگا۔ ● جو شخص اس کی تابعداری سے بخشا جائے گا وہ اس کی شفاعت کرے گا۔ ● اہل فسق و فجور کی صحبت سے اس کا دل سرد ہو جائے گا۔ ● مومنین و صالحین کے طریقے میں داخل ہوگا۔ ● وہ شخص ارشاد الٰہی کے مصداق ہوگا کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ یعنی اللہ والے بنو، اس سے مراد علما و فقہا اور صلحا ہیں۔ یہ فضیلتیں اس شخص کے لیے ہیں جو عالموں کی محفل میں بیٹھ کر کچھ یاد نہ کرے اور جو شخص علما سے فیض اٹھائے اور ان کی تعلیمات محفوظ رکھے۔ اس کے لیے اس سے ہزار درجہ زیادہ فضیلت ہوگی۔

حکایت: صحیح مسلم اور دیگر صحاح میں صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ہے کہ آج سے کچھ زمانہ قبل ملک شام پر ایک بہت بڑا بادشاہ حاکم تھا۔ بادشاہ کی تمام تر سلطنت، تمام تر افعال و کردار اور حکومت کی ذمہ داری ایک جادوگر کے سر تھی۔ جو اس ملک میں اپنی جادوگری سمیت موجود تھا۔ جادوگر ہی اس سلطنت کا کرتا دھرتا تھا اور تمام سلطنت کا روح رواں تھا۔ اگر کوئی دشمن اس ملک پر چڑھائی کرتا تو جادوگر اپنے جادو کے کرشمے دکھاتا۔ محاذ جنگ کی نوبت نہ آنے دیتا، اپنے جادو کی بجلیاں گرا کر دشمن کو ہلاک کر دیتا اور دشمن فتح مندی کے خواب آنکھوں میں سجائے، دل میں ملک شام پر حکومت کرنے کی آرزو چھپائے ملک عدم کے سفر پر روانہ ہو جاتا اور اگر اندرون ملک کوئی شورش سر اٹھاتی اور کوئی شوریدہ سر بادشاہ سے تین پانچ کرنے کے لیے کمر بستہ ہوتا تو بادشاہ جادوگر کو حکم دیتا اور وہ اپنے جادو کے زور سے شورش کو دباتا اور شوریدہ سر کو بادشاہ کی اطاعت پر مجبور کرتا۔

گردش لیل و نہار نے جادوگر کو بوڑھا کر دیا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ اے بادشاہ معظم! میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں، ایسا لگتا ہے کہ میرا جام حیات چھلک جائے گا۔ سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہونے والا ہے۔ قبل اس کے کہ فرشتہ میرے لیے پیام اجل لائے میں اپنا جادو اور اپنا علم کسی اور کے سینے میں منتقل کرنا چاہتا ہوں تاکہ بعد از مرگ سلطنت کا کاروبار چل سکے۔ اس مقصد کے لیے مجھے اپنے غلامانِ پُراعتماد میں سے ایک ذہین لڑکا عطا کیجیے۔ بادشاہ نے حکم دے دیا کہ ذہین اور ہوشیار لڑکا جادوگر کے سپرد کر دیا جائے جو اس سے صبح و شام جادو سیکھا کرے۔ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور ایک لڑکا مقرر کر دیا گیا جو مقررہ اوقات میں

جادوگر کے پاس جاتا اور اس سے جادو کے اسرار و رموز سے آگاہی حاصل کرتا۔

گردش لیل و نہار کے ساتھ اس لڑکے کا یہ معمول جاری رہا لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ لڑکا جادو کا فن سیکھے، بلکہ قدرت تو اُسے کسی اور کام کے لیے منتخب کر چکی تھی اور اس کے ہاتھوں کسی کام کی تکمیل چاہتی تھی۔ ایک دن وہ لڑکا جادوگر کے پاس جا رہا تھا کہ راستے میں اس نے ایک جم غفیر دیکھا جو ایک گھر سے نکل رہا تھا۔ جذبۂ تجسس سے مجبور ہو کر اس لڑکے نے لوگوں سے صورت حال دریافت کی تو علم ہوا کہ یہ ایک بزرگ کا گھر ہے۔ ایک گوشہ نشین عالم کا گھر ہے جو لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف بلاتا ہے۔ سچی باتوں کا پرچار کرتا ہے اور عبادت الٰہی میں محو رہتا ہے۔ ان باتوں سے لڑکے کے دل میں شوق کی آگ بھڑکی کہ اس خدا رسیدہ شخص کی زیارت سے مشرف ہونا چاہیے، آتشِ شوق اسے اس گھر میں لے گئی۔ وہاں اس نے اس درویش کا کلام سماعت کیا۔ درویش کا کلام لڑکے کے دل میں اتر گیا۔ درویش کی باتوں میں ایسا سحر اور اثر تھا کہ جو جادوگر کی باتوں میں نہیں تھا۔ بزرگ کی باتوں میں جو سحر مخفی تھا اس نے لڑکے کو اپنے حلقۂ گرفت میں لے لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لڑکا جادوگر کے پاس جاتے ہوئے اس بزرگ کے گھر میں رک جاتا۔ حقیقت اور سچائی کی باتیں سنتے ہوئے اسے دیر ہو جاتی اور وہ دیر سے جادوگر کے پاس جاتا۔ گردش وقت کے ساتھ اس کا یہی معمول رہا۔ ایک روز جادوگر نے حکم نادر شاہی صادر کر دیا کہ اے لڑکے! تو دیر سے نہیں آیا کرے گا۔ لڑکے نے جواب دیا کہ جناب گھر میں دیر ہو جاتی ہے۔ گڑھا ہوا یہ فسانہ، یہ نقلی اور فرضی داستان، یہ قصۂ عجب اور یہ ناکام کہانی، یہ خود ساختہ داستان جادوگر کے دل کو نہ بھائی اور اس نے سب کچھ بادشاہ سے کہہ دیا۔ بادشاہ نے فرمان جاری کیا کہ لڑکے کو صبح سویرے روانہ کیا جائے۔ درباری حضرات نے عرض کیا کہ جہاں پناہ! یہاں سے تو لڑکا صبح سویرے روانہ ہوتا ہے، اگر اس کو دیر ہوتی ہے تو راہ میں، گھر میں نہیں۔ بادشاہ اور جادوگر یہ سن کر لڑکے پر خفا ہوئے اور تصور کیا، یہ گمان کیا اور اس خیال میں رہے کہ راہ میں لڑکا کھیل کود میں محو ہو جاتا ہے۔ انھوں نے حقیقت کی جستجو نہ کی۔ کرتے بھی کیسے کہ قدرت گردش لیل و نہار خلق کو کچھ اور ہی تماشا دکھلانا چاہ رہی تھی۔

ایک دن وہ لڑکا جادوگر کے گھر سے واپس آ رہا تھا کہ اس نے ایک ماجرا دیکھا کہ بہت سے

لوگ گلی کے ایک طرف کھڑے ہیں۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ گلی کے سرے پر ایک بہت بڑا سانپ کھڑا تھا جو لوگوں کو گزرنے نہیں دیتا تھا۔ لڑکے کے ذہن میں اچانک بجلی کوندی اس نے سوچا کہ آج امتحان کا وقت آگیا ہے۔ آزمائش کی گھڑی قریب ہے۔ کھرے اور کھوٹے کی پہچان کا لمحہ آگیا ہے کہ جادوگر کی صحبت اچھی ہے یا عالم کی۔ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور اللہ تعالیٰ سے گویا ہوا: اے مالک لولاک! اگر گوشہ نشین کے عقائد ونظریات، جادوگر کے افکار و مذہب سے بہتر ہیں تو اس سانپ کو ہلاک فرما، تا کہ تیری یہ بے بس مخلوق اس سے نجات حاصل کرے اور ان کے دل خوف سے آزاد ہوں۔ بعد ازاں اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا سنگِ راہ سانپ پردے مارا۔ پتھر سانپ کو لگا اور وہ عدم کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ لڑکے پر حقیقت کا اظہار ہو گیا کہ جادوگر سے عالم کے عقائد ونظریات بہتر اور اچھے ہیں۔ اس کو کھرے اور کھوٹے کا پتہ چل گیا، اس کی آزمائش درست نکلی، امتحان کا نتیجہ درست نکلا۔ ادھر لوگ سناٹے میں آگئے، انگشت بدنداں رہ گئے، پھر شور مچانے لگے کہ لڑکا جادو میں کمال حاصل کر گیا ہے۔ بات ہونٹوں سے نکلی اور کوٹھوں چڑھی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جادوگر اور بادشاہ کو بھی علم ہو گیا اور وہ خوشی سے سرشار ہو گئے۔ کیوں کہ ان کے خیال سے یہ جادو کا کمال تھا جو لڑکے نے دکھایا۔ بات گوشہ نشین عالم تک بھی پہنچی اس کا دل دھڑک اٹھا، وہ سمجھ گیا کہ لڑکا مقام ولایت کی جانب گامزن ہے اور اب اس پر مصائب کا پہاڑ آگرے گا۔ اس نے لڑکے کو تنہائی میں کہا کہ اب تو اللہ کے فضل سے بزرگ ہو گیا ہے۔ تیرے کام کی حد فقط میں جانتا ہوں۔ ہاں! یہ بات جان لے کہ اس راہ میں قدم قدم پر تجھے مصائب کا سامنا کرنا ہوگا۔ خبردار! مصائب میں گھبرایا نہیں کرتے اور ہاں! میرا نام ونشان کسی کو نہ بتانا۔ لڑکے نے عہد کیا، پیمان باندھا کہ اس کا بھرم نہیں توڑے گا۔ اس کا نام ونشان کسی کے علم میں نہ لائے گا۔ اس عالم کی صحبت نے یہ رنگین گل کھلایا کہ وہ لڑکا مقام ولایت حاصل کر گیا۔ ایسے مریض جن کے علاج سے حکما اور طبیب عاجز تھے۔ اس کے ہاتھوں شفا پانے لگے۔ اندھے اس سے بینائی حاصل کر کے دنیا کے خوش رنگ نظاروں کو دیکھنے لگے۔ کوڑھے شفایاب ہو کر احساس کمتری سے نجات حاصل کر گئے۔

خلق خدا، گردش لیل ونہار اور چشم فلک نے یہ تماشا دیکھا۔ لیکن یہ معمولی تماشہ تھا، کیوں کہ

ابھی ایک اور تماشا ہونا تھا جو کہ ابھی پردہ پوش تھا اور ایک روز وہ تماشا نقاب اتار کر عالم مخفیت سے عالم حقیقت میں آگیا۔ ہوا یوں کہ بادشاہ کا مصاحب چشم تماشا کی روشنیوں سے محروم ہو گیا۔ اس نے لڑکے کی تعریف سنی اور اس کا شہرہ سنا تو خیال کیا کہ مجھے بھی اس لڑکے کے پاس جانا چاہیے۔ شاید قسمت بدل جائے اور مجھے روشنیاں حاصل ہو جائیں۔ اس نے بہت سے تحائف لیے اور لڑکے کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض پیرا ہوا کہ میرے حال پر رحم فرماؤ۔ لڑکے نے اپنی زبانِ ترجمان کو یوں جنبش دی کہ اے شخص! میں کون اور کیا میری بساط کہ تجھے یا کسی اور کو شفایاب کروں شفا تو اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اگر تو اسلام لائے اور بت پرستی سے کنارہ کشی ہو کر بادشاہ کو اپنا پروردگار نہ مان، تو میں بارگاہِ الٰہی میں دعا کروں گا کہ وہ تجھے شفا سے ہمکنار کرے، تیری آنکھوں میں روشنیاں بھر دے۔ چنانچہ وہ اندھا اس لڑکے کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوا۔ لڑکے نے دعا کی۔ ہدف اجابت کا سینہ چاک ہوا۔ سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہوا اور اس اندھے کو روشنی مل گئی۔ اس کا دل خوشی سے معمور ہو گیا اور معمول کے مطابق بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اسے دیکھا تو ورطۂ حیرت میں غوطہ زن ہو گیا۔ تعجب کی بجلیاں اس کی نگاہ کو خیرہ کر گئیں۔ حیرانی اور تعجب سے معمور لہجے میں بولا۔ تجھے چشم تماشا کی روشنیاں کس طرح مل گئیں؟ جب کہ ملک کے تمام طبیب تیرے علاج سے قاصر اور لاچار تھے۔ پھر ایسی کون سی تدبیر ہے یا کون ہستی ہے جس نے تجھ کو چشم تماشا کی روشنیاں دے کر تجھے حیاتِ نو بخشی ہے؟ وہ مصاحب عرض پیرا ہوا کہ اے بادشاہ! یہ میرے پروردگار کی مہربانی ہے، میرے معبود کا کرم ہے کہ اس نے مجھے بغیر کسی حیل وحجت کے چشم تماشا کی روشنیاں بخشی ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا: کیا وہ پروردگار میرے علاوہ کوئی اور ہے۔ مصاحب نے جواب دیا کہ اے بادشاہ! ہاں! وہ پروردگار ایسا ہے کہ جو میرا پروردگار ہے اور تیرا بھی پروردگار ہے، بلکہ سارے جہان کا پروردگار ہے۔ بادشاہ یہ سن کر ساکت رہ گیا، پھر غضب ناک ہوا اور اس کے غضب کی بجلیاں تڑپ تڑپ کر مصاحب پر گرتی رہیں اور سوال کرتی رہیں کہ تجھے یہ عقیدہ کہاں سے ملا؟ مصاحب کا حوصلہ بادشاہ کے غضب کی بجلیاں جلا کر خاکستر کر گیا اور وہ بول پڑا کہ مجھے فلاں لڑکے نے یہ عقیدہ سکھایا ہے۔ بادشاہ نے فوری طور پر اس کی طلبی کا پروانہ

جاری کر دیا۔ لڑکا بادشاہ کے پاس گیا اور بولا: فرمائیے کیا حکم ہے؟ بادشاہ نے کہا: اے لڑکے! ہماری مہربانی کا نتیجہ ہے کہ ہم نے تجھے جادوگر کے پاس بھیجا اور وہاں سے تجھے جادو کا علم حاصل ہوا، جس کے باعث تجھے یہ مرتبہ اور مقام ملا کہ تو بیماروں کو شفا دیتا ہے اور مردوں کی مسیحائی کرتا ہے۔ ہماری مہربانیوں کا صلہ تو اس کفرانِ نعمت کی شکل میں دے رہا ہے کہ ایک ایسا شخص جو میرے ٹکڑوں پر پل کر بڑھا ہے، تو اُسے کسی اور پروردگار کا تابع کر رہا ہے۔ وہ لڑکا فصاحت آمیز زبان سے گویا ہوا: اے بادشاہ! مجھ میں اور تجھ میں اتنی طاقت اور بساط نہیں کہ کسی کو شفا دیں اور تیرا جادوگر بھی اس طاقت سے محروم ہے، بلکہ شفا تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے کہ جس کے ہاتھوں میں سب بیماریوں کی شفا ہے۔

بادشاہ نے فرمان جاری کیا کہ اس لڑکے کو مبتلائے عذاب کیا جائے، اس لیے کہ یہ لڑکا جادوگر سے بھاگ گیا تھا اور اب معلوم ہو رہا ہے کہ اس نے کسی اور سے یہ باطل عقیدہ حاصل کیا ہے۔ اس تماشائے عجب کی خبر جادوگر کو بھی ہوئی اور وہ افتاں وخیزاں بادشاہ کے روبرو حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: بادشاہ سلامت! کافی دنوں سے یہ لڑکا غیر حاضر رہتا ہے اور نہ معلوم کہاں جاتا ہے۔ درباریوں کو بھی خوشامد کا موقع ہاتھ آ گیا۔ وہ کہنے لگے: عالی جاہ! یہ لڑکا صبح گھر سے چلتا ہے مگر معلوم نہیں کہاں چلا جاتا ہے۔ بادشاہ نے لب نازنین کو جنبش دے کر کہا کہ اس پر تشدد کی انتہا کر دو، اور اس وقت تک زدوکوب کرو کہ یہ بتا دے کہ اس نے یہ عقیدہ کہاں سے حاصل کیا ہے۔ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور لڑکے پر تشدد شروع ہو گیا۔ لڑکے نے عالم گوشہ نشین سے وعدہ کیا تھا، پیمان باندھا تھا کہ اس کا نام ونشان نہیں بتائے گا، مگر بادشاہ کی جانب سے دیے گئے تشدد نے اس کے پائے ثبات میں لغزش ڈال دیا، پیمان ٹوٹنے لگا اور سارے وعدے وعید بادشاہ کے تشدد کے سیل بے پناہ میں بہہ نکلے۔ لڑکے کی قوت برداشت جواب دے گئی اور بے اختیار اس کی زبان سے اس عالم گوشہ نشین کا نام و پتہ نکل گیا۔

ہائے ہائے! پیمان ادھورے رہ گئے، وعدے وفا نہ ہو سکے اور وفا کا بھرم ٹوٹ گیا مگر ہر بات میں قدرت کی کوئی نہ کوئی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔

لڑکے کی زبان سے عالم کا نام و پتہ نکلا اور بادشاہ نے اس کی طلبی کا فرمان جاری کر دیا۔

فوری طور پر تعمیل ہو گئی۔ عالم کو بلایا گیا۔ وہ تماشا جس کا آغاز لڑکے کو جادوگر کے پاس بھیجنے سے ہوا تھا، اب انتہائی سنسنی خیز موڑ پر پہنچ گیا۔ بادشاہ نے عالم سے کہا: اپنے دین کو چھوڑ دے ورنہ تیرا جسم آرے سے لکڑی کی طرح چیر دیا جائے گا۔ عالم نے جواب دیا: جو بادشاہ کی مرضی ہو کرے، میں اپنے دین سے نہ پھروں گا۔ چنانچہ بادشاہ نے آرے سے چیرنے کا حکم دے دیا۔ عالم کے جسم کو آرا میں رکھ کے چیر دیا گیا اور اس کا جسم اللہ کی راہ میں قربان ہو گیا۔ دھرتی خونین رنگ میں رنگ گئی اور عالم نے اپنے خون سے داستان حق رقم کر دی۔ اپنی جان کے بدلے دین کا سودا کر لیا، دنیا کے بدلے آخرت کی کامیابیاں حاصل کر لیں۔ حیاتِ فنا کے بدلے حیاتِ دوام حاصل کر لی۔ اس کے بعد مصاحب سے کہا گیا کہ تو راہ حق سے باز آ جا، ورنہ تیرا حشر بھی اس عالم جیسا ہوگا۔ اس مصاحب نے بھی جان کے بدلے دین کا سودا کر لیا۔ اپنے خون سے داستانِ حق کا اگلا باب تحریر کیا۔ دنیا کے بدلے آخرت کی کامیابیاں حاصل کر لیں۔ حیاتِ فنا گنوا کے حیات دوام کا حصول کر لیا۔

بادشاہ نے اس سنسنی خیز باب کی کچھ سطور کو عالم اور مصاحب کے خون سے تحریر کیا مگر پھر بھی نہ سمجھ سکا کہ آخر وہ کون سی شئے ہے جس کے بدلے دونوں نے اپنی جان دے دی۔ نادان تھا، حقیقت نہ جان سکا اور تماشہ کو اگلے سنسنی خیز موڑ پر لے آیا۔ یوں کہ اس نے لڑکے سے کہا: اے لڑکے! تو نے دیکھا، اب تو عقل سے کام لے اور اپنے دین سے بیزار ہو جا، ورنہ تیرا حشر بھی ان سے مختلف نہ ہوگا۔ لڑکا لذتِ حق سے شناسا ہو چکا تھا، اس نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ اس لڑکے کو پہاڑ کی بلند چوٹی پر لے جاؤ اور اس سے کہو کہ دین تبدیل کر لے، اگر یہ تعمیل حکم کرے تو اُسے واپس لے آؤ اور مقرب بارگاہ بناؤ اور اگر انکار کرے تو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا دو، تا کہ اس کا وجود ریزہ ریزہ ہو کر فضاؤں میں بکھر جائے، اس کا نام و نشان مٹ جائے اور آئندہ نسلیں اس سے عبرت حاصل کریں۔ درباری لڑکے کو پہاڑ پر لے گئے، تو لڑکے کے ہونٹوں سے یہ الفاظ نکلے اور بارگاہ الٰہی کی جانب پرواز کر گئے۔

"یارب مجھے ان کے شر سے محفوظ فرما۔"

آن واحد میں ان الفاظ نے رحمت الٰہی پر دستک دی۔ رحمتِ حق کو جوش آیا اور وہ اپنے

پکارنے والے کی مدد کے لیے اس طرح آئی کہ اچانک پہاڑ میں زلزلہ آ گیا اور بادشاہ کے تمام درباری داخلِ نار ہو گئے، اور وہ لڑکا صحیح سلامت بادشاہ کے پاس پہنچ گیا۔ بادشاہ نے اس کو دیکھا تو سوال کیا کہ تیرے ساتھی کہاں ہیں؟ لڑکے نے جواب دیا: میں نے جس اللہ کی راہ میں قدم اٹھائے ہیں، اس اللہ نے مجھے ان سے محفوظ رکھا۔ بادشاہ تڑپ اٹھا کہ اس کی زبردست سبکی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے چند دوسرے آدمیوں سے کہا کہ اس لڑکے کو کشتی میں بٹھا کر لے جاؤ، اور اگر دین سے نہ پھرے تو دریا کی لہروں کے سپرد کر دو، تا کہ مچھلیاں اس کا گوشت کھا جائیں۔ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور لڑکے کو بٹھا کر وسطِ دریا میں لے جایا گیا۔ لڑکے نے پھر اپنے ہونٹوں کو وا کیا اور دل کی صدا بارگاہِ الٰہی میں نامہ بر کے طور پر روانہ کی، جس نے آنِ واحد میں ارض سے عرش کا فاصلہ طے کیا اور لڑکے کا پیغام ان الفاظ میں سنایا۔

''یا اللہ! مجھے ان کے شر سے محفوظ فرما۔''

ایک بار پھر سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہوا اور کشتی اُلٹ گئی، جس سے بادشاہ کے تمام درباری غرقِ آب ہو گئے مگر لڑکا محفوظ رہا اور بادشاہ کے پاس پہنچ گیا۔ بادشاہ حیران رہ گیا اور اُسے حیران ہونا ہی تھا، کیوں کہ یہ لڑکا تو اس کے لیے سوہانِ روح بن گیا تھا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ اب تم نے کیا کیا ہے؟ لڑکے نے سارا قصہ بلا کم و کاست بیان کر دیا۔ بادشاہ سنانے میں آ گیا کہ کیسا لڑکا ہے اور کیسا اس کا دین ہے کہ اس پر کوئی حربہ اثر ہی نہیں کرتا۔ لڑکا گویا ہوا: اے بادشاہ! اگر تو مجھے ہر صورت میں قتل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے مجھے ایک میلہ کرنا ہوگا۔ بادشاہ نے بے باکی سے پوچھا: میلہ کیا ہے؟ لڑکے نے کہا کہ اس شہر کے سارے لوگوں کو بیرونِ شہر ایک صحرا میں جمع ہونے کا حکم دے دیا جائے۔ بیچ صحرا میں مجھے ایک سولی پر چڑھایا جائے، پھر کمان میں ایک ناوک چڑھانا، پھر بسم اللہ رب الغلام پڑھ کر میرا نشانہ لینا اور کمان چھوڑ دینا۔ میرا جامِ حیات چھلک جائے گا۔ میری روح جسدِ خاکی سے ناطہ توڑ لے گی اور سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہو جائے گا، فرقتیں قربتوں میں بدل جائیں گی، تو خوش ہوگا کہ میرا قتل ہو جائے گا اور میں راضی ہوں گا کہ میری جان رب کے نام پر نکلے گی۔ بادشاہ نے سوچا کہ اب اس ناٹک کا ڈراپ سین ہو جانا چاہیے۔ اس نے اس میلے پر عمل

کیا۔ لوگ صحرا میں جمع ہو گئے۔ بیچ صحرا میں سولی پر لڑکے کو لٹکا دیا گیا اور پھر بادشاہ نے بسم اللہ رب الغلام پڑھ کر تیر چھوڑ دیا۔ وہ تیر غلام کی پیشانی پر لگا۔ غلام نے اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھا اور کہا بس میں اپنے مقصود کو پہنچ گیا، میری جان میرے رب کی راہ میں ذبح ہو رہی ہے۔

عشق بندگی کا انداز بڑا انوکھا تھا، جس نے ہر چشم تماشا کو جھنجھوڑ ڈالا اور لوگوں کے دلوں پر چھائی ہوئی دہشت کو دور کر ڈالا اور وہ بیک زبان گویا ہوئے:

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ۔ ہم اس غلام کے رب پر ایمان لائے۔

راہ عشق ہے وہ راہ یارو! — یاں سولی پہ جاں لٹائی جاتی ہے
عشق میں نہیں میں اور تو کا جھگڑا — عشق میں ہستی اپنی مٹائی جاتی ہے
عشق میں یارو! ہے کیف و سرور ایسا — بلا سے جائے، اگر جان جاتی ہے
عشق ہے یارو! وہ قبلہ کہ یاں — گر پکارو تو خود خدائی آتی ہے
خدائی تو کیا خود خدا مل جاتا ہے — عشق میں ایسی بھی اک فصل آتی ہے

بادشاہ کی سوچ کے مطابق تماشا ڈراپ سین نہ ہو سکا، بلکہ وہ ایک نیا موڑ اختیار کر گیا۔ دراصل لوگ حقیقت سے باخبر ہو گئے تھے کہ اس غلام کا رب صاحبِ قوت ہے اور بادشاہ کمزور بے بس ہستی ہے، چنانچہ لوگ بادشاہ کے خلاف ہو گئے۔

مصاحبین نے بادشاہ سے کہا کہ بادشاہ سلامت! وہی ہوا جس کا خدشہ تھا، وہی ہوا جو نہ ہونا چاہیے تھا، یعنی یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ غلام کا رب صاحبِ قوت ہے اور بادشاہ عاجز و کمزور ہے اور اس قدر بے بس ہے کہ ایک لڑکے کو اپنی ذہانت اور تدبیر سے قتل نہ کر سکا۔ اس صورت حال پر بادشاہ حواس باختہ ہو گیا اور غصے میں آرڈر دے دیا کہ سارے شہر کے کوچوں کے سروں پر خندق کھود کر ان میں آگ بھر دی جائے اور جو اپنے دین سے نہ پھرے، اس کو آگ میں ڈال دیا جائے۔ حکم کی تعمیل شروع ہو گئی۔ خندق ہر گلی اور کوچے میں تیار کر کے اس میں آگ روشن کر دی گئی اور عام منادی کرا دی گئی کہ جو اس لڑکے کے دین سے منحرف نہیں ہوگا اس کا وجود آگ میں بھون ڈالا جائے گا۔ اس تماشا کو دیکھنے کے لیے بادشاہ اور دیگر مصاحبین آ گئے اور کرسیاں بچھا کر خندقوں کے قریب بیٹھ گئے، کچھ دیر گزری کہ ایک ایسی عورت کو اسیر کر کے لایا

گیا جس کی گود میں ایک شیر خوار بچہ تھا۔ جب بادشاہ کے ملازمین اس عورت کو آگ میں ڈالنے لگے، تو عورت آگ سے ڈر گئی اس کے دل میں خوف پیدا ہوا کہ اس کا بچہ جل جائے گا، شعور و لاشعور نے اس کے قدموں کو پیچھے ہٹا دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ابھی اس عورت کو آگ میں نہ ڈالا جائے شاید یہ اس لڑکے کے دین سے پھر جائے۔ اتنے میں عورت کا شیر خوار بچہ بہ آواز بلند بولا: اے مادرِ مہربان! نہ ڈر، یہ ڈرنے کا مقام نہیں ہے، یہ راہ حق ہے، ہر خوف سے لاپرواہ ہو جا اور آنکھیں بند کر کے آگ میں کود جا۔ ان شاء اللہ آگ انداز گلستان پیدا کر دے گی۔ عورت کو اپنے شیر خوار بچے کی آواز سے بہت حوصلہ ہوا، اس نے ہر قسم کے خدشوں کو بالائے طاق رکھ کر آگ میں چھلانگ لگا دی۔

بادشاہ اور حواری یہ تماشا دیکھ رہے تھے مگر ان کو معلوم نہ تھا کہ اب ان کے ظلم و ستم کا تماشا ڈراپ سین کے قریب ہے۔ ان کے اس کھیل کا چراغ گل ہونے والا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی عورت کی حرمت پامال کی گئی، غیرت حق جوش میں آ گئی اور عورت کی حرمت پامال کرنے والوں کو عبرت ناک سزا دی گئی۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے عورت کو اس کا اصلی مقام دیا۔ اس لیے کسی مقام پر اس کی حرمت اور تقدس کی پامالی کو برداشت نہیں کیا گیا اور یہاں پر بھی ایسا ہی ہوا۔ بادشاہ اور اس کے حواری ظلم و ستم میں بہت بڑھ گئے، انھوں نے عالم کے خون سے دھرتی کو رنگین کیا، مصاحب کا خون کیا اور پھر معصوم اور بے گناہ لڑکے کا قتل کیا مگر غیرت حق خاموش رہ کر تماشائی بنی رہی کہ شاید بادشاہ سمجھ جائے مگر ایسا نہ ہوا۔ بادشاہ کا ظلم بڑھتا گیا اور پھر جب اس کے ظلم کا نشانہ ایک عورت بنی تو غیرت حق تماشائی نہ رہ سکی اس کو جوش آیا جوں ہی عورت نے آگ میں چھلانگ لگائی، آگ بھڑکی، اس کے شعلے اور چنگاریاں بلند ہو کر بادشاہ اور دیگر رعیانِ سلطنت کی جانب لپکیں اور کرسیوں پر ہی ان کو جلا کر خرمنِ خاک بنا دیا۔ جو شکار کرنے آئے تھے خود شکار ہو گئے۔ ابھی کچھ دیر قبل جو تماشا دیکھ رہے تھے اب وہ خود دوسروں کے لیے تماشائے عبرت بن گئے۔ ہر خندق پر یہی صورت حال پیدا ہوئی۔ جو اہل ایمان کو جلانے کے لیے آئے تھے، خود جل کر خاک ہو گئے اور جن اہل ایمان کو آگ میں ڈالا گیا تھا، رب کریم نے ان کو آگ کی گرمی سے بچا لیا اور ان کی روحوں کو قبض کر کے جنت الفردوس میں

پہنچا دیا۔

(تفسیر عزیزی، پارہ عم، صفحہ:123)

حضرات گرامی! قلب و جگر حدت ایمان سے آشنا ہوئے کہ نہیں، اگر ہوئے تو ٹھیک کہ آپ علما کی محافل میں شرکت کرتے ہیں، اگر نہیں ہوئے تو سمجھ لیں کہ آپ کا دل مردہ ہے اس کو زندہ کریں کہ اسی میں آپ کی کامیابیوں کا راز پنہاں ہے۔ دلوں کو زندہ کرنے کا ایک ہی نسخہ کیمیا علما کی مجلس میں جانا ہے۔

علمائے دین کی عزت و احترام اہل ایمان پر واجب

ایسے لوگ جن کے پاس دین کا علم ہوتا ہے، ہمارے لیے قابل صد احترام ہیں اس لیے کہ ان کی توقیر دین کی خاطر ہوتی ہے، ان کی عزت و تکریم دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی علمائے کرام کی عزت و توقیر کا حکم دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے: لَيْسَ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْ لَّمْ يُجِلَّ كَبِيْرَنَا وَيَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيَعْرِفْ لِعَالِمِنَا۔

ترجمہ: وہ میری امت میں سے نہیں ہے، جو بڑوں کی عزت نہ کرے اور چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالموں کی قدر نہ پہچانے۔ (زواجر، صفحہ:78)

علمائے دین کی بے عزتی دین کی بے عزتی

زواجر، صفحہ:78 پر مرقوم ہے:

ثَلٰثَةٌ لَا يَسْتَخِفُّ بِهِمْ اِلَّا مُنَافِقٌ ذُوالشَّيْبَةِ فِي الْاِسْلَامِ وَذُوالْعِلْمِ وَاِمَامٌ مُقْسِطٌ۔

تین اشخاص کی بے عزتی نہ کرے گا مگر منافق:

1۔ بوڑھا مسلمان۔ 2۔ عالم دین۔ 3۔ عادل بادشاہ۔

مندرجہ بالا حدیث مقدسہ سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ عالم دین کی بے عزتی کرنے والا منافق ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ ایک اہل ایمان کبھی اس کی جرأت نہیں کرے گا کہ عالم دین کی بے عزتی کرے، بلکہ مومن تو عالم کی خوبیوں کو اپنے سر پر رکھنا فخر خیال کرتا ہے۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:68 پر درج ہے: مَنْ قَبَّلَ رَاْسَ عَالِمٍ فَلَهٗ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ۔

ترجمہ: جس شخص نے کسی عالم کے سر پر بوسہ دیا تو اُسے ہر بال کے عوض ایک نیکی ملے گی۔

درۃ الناصحین، صفحہ: 39 پر مرقوم ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عنقریب ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ امت کے لوگ علما وفقہا سے بھاگیں گے۔ اللہ رب العزت ان کو تین بلاؤں میں مبتلا کرے گا: اول ان کے کام میں برکت نہ ہوگی۔ دوم ان پر ظالم بادشاہ مسلط کیا جائے گا اور سوم یہ کہ ایسے لوگ دنیا سے بے ایمان ہو جائیں گے۔

حکایت: غایۃ الاوطار، جلد اول، صفحہ: 15 پر ایک حکایت یوں مرقوم ہے:

ہارون رشید بادشاہ علم وادب کا شیدائی وولدادہ تھا۔ اس نے بیٹے کو اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجا اور عرض کیا کہ اس کو علم وادب سے روشناس کرائیں۔ آپ اس لڑکے کو علم وادب کا درس دینے لگے۔ ایک روز بادشاہ حضرت اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا۔ دیکھا کہ آپ وضو فرما رہے ہیں اور شہزادہ پانی ڈال رہا ہے۔ اس صورت حال پر بادشاہ بہت خفا ہوا اور آپ سے کہا میں نے شہزادہ کو آپ کے پاس بھیجا تھا کہ آپ کے یہاں علم وادب کی فراوانی ہے اور آپ شہزادے کو علم وادب سے بہت اچھی طرح روشناس کرائیں گے اور آپ نے فقط اس قدر علم و ادب سکھایا کہ لوٹے سے پانی ڈال کر وضو کروا رہے ہیں۔ تقاضائے علم وادب تو یہ تھا کہ شہزادہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالتا ہے اور دوسرے ہاتھ سے آپ کا پاؤں دھوتا۔

حکایت: نزہۃ المجالس، صفحہ: 68 پر ایک حکایت یوں درج ہے کہ حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مشہور صحابی تھے۔ ایک بار آپ سواری پر سوار ہو رہے تھے کہ وہاں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے۔ آپ نے جو دیکھا کہ زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوار ہو رہے ہیں تو آگے بڑھے اور سواری کی لگام تھام لی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہی حکم دیا ہے کہ اپنے علما کے ساتھ اس طرح سلوک کریں۔

یہ سنتے ہی حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور بوسہ دے کر فرمایا کہ ہم کو بھی ایسا ہی حکم دیا گیا ہے کہ اہل بیت کے ساتھ اس طرح سلوک کریں۔

صاحب علم بڑے مرتبے اور بلند درجہ کا حامل

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 80 پر مرقوم ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص سات دن تک علم کی باتیں نہ سنے۔ اللہ تعالیٰ اس کے 70 / برس کے اعمال حسنہ اکارت کر دیتا ہے۔ جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو سنا، حضرت عائشہ وحضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس روتے ہوئے تشریف لائے۔ انھوں نے کہا: اے علی! کیوں روتے ہو؟ فرمایا کہ میں جنگلوں میں رہنے والے ان لوگوں کی حالت پر روتا ہوں جو مدتوں علم کی باتیں نہیں سنتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھڑی ہوگئیں اور دو دو رکعت نماز نفل پڑھ کر یہ دعا مانگی: یا اللہ! عالموں کے رزق کو منتشر کر دے، تا کہ وہ لوگ شہروں اور قصبوں میں گھوم پھر کر ایسے خلق خدا کو جو راہ حق میں آنا چاہتی ہیں، علم وادب کی باتیں ان کے گوش گزار کریں تا کہ وہ قیامت کی سختیوں اور آفتوں سے نجات حاصل کر سکیں۔

صاحب علم بے پناہ فضیلت کا حامل

درۃ الناصحین، صفحہ: 35 پر یوں درج ہے کہ علم کے تین حروف ہیں:

● عین　● لام　● میم

بعض عارفوں کے نزدیک ''عین'' کا اشتقاق ''علیین'' سے ہے، ''لام'' کا ''لطف'' سے اور ''میم'' کا ''ملک'' سے ہے۔ عالم کو عین علیین میں لے جاتا ہے، لام اس کو لطیف کر دیتا ہے اور میم اس کو خلق پر مالک کر دیتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ شرافت علم پر اللہ کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہیں کہ اے میرے رب! مجھ کو علم میں زیادتی دے۔ یقیناً اللہ نے آپ کو جملہ کمالات سے نوازا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ علم سے زیادہ کسی شئے کے لیے زیادتی طلب نہ کریں۔

☆☆☆

تیرہواں وعظ

بے عمل واعظ کی برائی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔

(سورۂ بقرہ، آیت:44)

ترجمہ: کیا لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو، اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو، حالاں کہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا عقل نہیں رکھتے؟

حضرات گرامی! تحصیل علم کا اصل مقصد اور مطمح نظر کیا ہے؟ تو آیئے اس سلسلے میں ہم آپ کو بتا دیں کہ علم کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پہچاننا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان، آپ کے دین متین کی معرفت، احکام الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور کسی قسم کا بہانہ نہ کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول پر عمل کرنا ہے۔

واضح رہے کہ یہ اصول بڑا اہم اصول ہے اور تمام معاشرتی برائیوں کو ختم کرنے کا باعث ہے۔ امر بالمعروف کا مطلب دوسرے مسلمانوں کو اعمال حسنہ کی طرف بلانا ہے اور نہی عن المنکر سے مراد خود کو ایسے کاموں سے روکنا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ اگر مسلمانوں میں سے ہر ایک اس اصول پر عمل پیرا ہو جائے تو ان شاء اللہ ہمارا سارا معاشرہ برائیوں سے پاک ہو جائے گا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اصول اس لیے بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی فرد کسی کو اچھے اعمال کی طرف بلاتا ہے مگر خود ان اعمال کی جانب راغب نہیں ہوتا تو دوسرے شخص پر مطلق کوئی اثر نہ ہوگا۔ آج کے اس پرفتن دور میں ایسے واعظ موجود ہیں جو کہ امر بالمعروف تو کرتے ہیں مگر نہی عن المنکر پر عمل نہیں کرتے۔ ایسے بے عمل واعظ کا وعظ بے اثر ہوگا اور اس کی باتیں

لوگوں کے دل میں اترنے میں ناکام رہیں گی اور لوگ ان کی باتوں پر عمل نہیں کریں گے۔ اس طرح سینہ چاکان چمن سے سینہ چاکان چمن کا ملاپ نہیں ہوتا اور برائیاں جوں کی توں موجود رہیں گی۔ ایسے ہی بے عمل واعظین کے لیے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔

شان نزول: دنیا میں کئی مذاہب ہیں، مثلاً عیسائیت، یہودیت، کمیونزم اور اسلام۔ ان کے علاوہ بھی کئی ایک مذاہب ہیں مگر اس وقت ہمارا موضوع سخن یہودیت اور اسلام ہے۔ یہودیت مذہب حضرت داؤد علیہ السلام کا لایا ہوا ہے۔ اس مذہب کے علما سے ان کے رشتہ داروں نے جو مشرف با اسلام تھے دین اسلام کے بارے میں دریافت کیا کہ آیا یہ مذہب سچا ہے یا باطل تو انھوں نے جواب دیا کہ اپنے دین اسلام پر قائم رہو، کیوں کہ یہ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے اور برحق ہیں۔ اس طرح ان کا لایا ہوا دین بھی سچا اور برحق ہے۔ ان یہودی علما نے مسلمانوں کو تو دین پر قائم رہنے کی تلقین کی مگر خود دین اسلام قبول نہ کیا۔ اس وقت یہ آیت اتری:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔

قرآن مجید میں ایک جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے: لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ۔

ترجمہ: دوسروں کو وہ کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔

اس آیت مقدسہ میں ایسے علما اور واعظین کو خبردار کیا گیا ہے جو امر بالمعروف تو کرتے ہیں مگر نہی عن المنکر نہیں کرتے۔

حضرات گرامی! ہمارے اسکول کے زمانے میں طلبا کی ایک انجمن ہوتی تھی جس کا نام انجمن تعمیر اخلاق تھا۔ اس انجمن کے نگراں ہمارے ٹیچر محمد صابر صاحب ہوتے تھے۔ انجمن کے ہر اجلاس میں وہ ہمیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ نہی عن المنکر کے بغیر امر بالمعروف بیکار ہے۔ اس کے لیے وہ ہمیں ایک حکایت سنایا کرتے تھے، وہ حکایت یہ ہے:

ایک بزرگ صاحب کا بسیرا پہاڑ کی چوٹی پر تھا، وہ بزرگ لوگوں کو راہ حق کی طرف بلاتے

تھے اور اُن کا شہرہ دور دور تک تھا۔ ان کا شہرہ ایک مائی صاحبہ کی سماعت کو بھی گلزار بنا گیا۔ حسن اتفاق سے مائی صاحبہ کا ایک بچہ تھا جس کو گڑ کھانے کی عادت تھی جو کسی طرح بھی نہ چھوٹی تھی۔ مائی صاحبہ نے خیال کیا کہ اس بزرگ کے پاس چلنا چاہیے۔ شاید اُن کے کہنے سے بچہ گڑ کھانے کی عادت چھوڑ دے۔ مائی صاحبہ نے اس سوچ پر عمل کیا اور بچے کو لے کر بزرگ صاحب کے پاس پہنچی اور کہا کہ حضرت! میرا یہ بچہ گڑ کھاتا ہے۔ آپ اس کو فرمائیں کہ گڑ نہ کھایا کرے۔ بزرگ صاحب نے کچھ دیر سکوت فرمایا، پھر گویا ہوئے: مائی صاحبہ بہتر ہوگا کہ آپ کل تشریف لائیں۔ مائی صاحبہ واپس لوٹ آئیں اور دوسرے دن پھر بزرگ صاحب کے پاس پہنچی۔ بزرگ صاحب نے بچے کو اپنے پاس بلایا اور اُس سے کہا کہ گڑ کھانا اچھی بات نہیں ہے، اس لیے تم گڑ نہ کھایا کرو۔ بزرگ کے لہجے میں ایک سحر تھا جس سے بچہ مان گیا کہ میں گڑ نہیں کھاؤں گا۔ مائی صاحبہ گویا ہوئیں: میں تو سمجھی تھی کہ آپ کوئی لمبا چوڑا عمل کریں گے۔ اگر اتنی سی بات تھی تو کل ہی کہہ دیتے، تا کہ مجھ بوڑھی جان کو پہاڑ چڑھنے اور اترنے کی تکلیف نہ ہوتی۔ بزرگ صاحب نے فرمایا: مائی صاحبہ! معافی چاہتا ہوں کہ آپ کو تکلیف اٹھانی پڑی، مگر بات دراصل یہ ہے کہ کل میں اگر اس کو نصیحت کرتا تو اس پر کارگر نہ ہوتی، کیوں کہ کل میں نے خود گڑ کھا رکھا تھا۔ اس لیے آپ کو آج آنے کے لیے کہا: مائی صاحبہ واپس آ گئیں اور واقعی بچے نے گڑ کھانا چھوڑ دیا۔

اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر از حد لازمی ہے۔ کیوں کہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔

بے عمل واعظ کی وعید کے بارے میں چند احادیث ملاحظہ کریں۔ سب سے پہلے وہ حدیث ملاحظہ ہو جو تفسیر عزیزی، صفحہ:215 اور کشف الغمہ، صفحہ:16 پر مرقوم ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَرْتُ لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِیْ بِاَقْوَامٍ تُقْرَضُ شِفَاھُھُمْ بِمَقَارِیْضَ مِنْ نَارٍ قُلْتُ: مَنْ ھٰؤُلَاءِ یَا جِبْرَئِیْلُ. قَالَ: ھُمْ خُطَبَاءُ اُمَّتِکَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میں ایسی جماعت سے گزرا، جس کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ اے جبرئیل یہ کون ہیں؟ جبرئیل نے جواب دیا کہ یہ آپ کی اُمت کے وہ خطیب ہیں جو کہتے ہیں مگر کرتے نہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِیْ یُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَیْرَ وَیَنْسٰی نَفْسَہٗ کَمَثَلِ السِّرَاجِ یُضِیْءُ لِلنَّاسِ وَیُحْرِقُ نَفْسَہٗ۔ (تفسیر عزیزی، صفحہ:216)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی مثال جو لوگوں کو بھلائی سکھاتا ہے اور اپنے نفس کو بھلا دیتا ہے، اس چراغ کی طرح ہے جو لوگوں کو روشنی دیتا ہے اور خود کو جلا دیتا ہے۔

ریاض الصالحین، صفحہ:133 کی یہ حدیث ملاحظہ کریں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُؤْتٰی بِالرَّجُلِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَیُلْقٰی فِی النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُ بَطْنِہٖ فَیَدُوْرُ بِھَا کَمَا یَدُوْرُ الْحِمَارُ فِی الرَّحَالِ فَیَجْتَمِعُ اِلَیْہِ اَھْلُ النَّارِ فَیَقُوْلُوْنَ یَا فُلَانُ مَا لَکَ اَلَمْ تَکُنْ تَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ فَیَقُوْلُ بَلٰی کُنْتُ اٰمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا اٰتِیْہِ وَاَنْھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ وَاٰتِیْہِ۔ (متفق علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز ایک مرد کو لایا جائے گا تو اس کے پیٹ کی آنتیں نکل پڑیں گی، وہ ان آنتوں کے ارد گرد گھومے گا جیسے گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ اس کے پاس دوزخی جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ اے فلاں! تیرا کیا حال ہے؟ کیا تو ہم کو نیکی کا حکم نہیں کرتا تھا، کیا تو ہمیں بری باتوں سے نہیں روکتا تھا؟ وہ کہے گا کہ ہاں! میں نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نیکی نہیں کرتا تھا اور برائی سے روکتا تھا مگر خود برائی کرتا تھا۔

زواجر، ص:77 اور کشف الغمہ، ص:16 پر مرقوم ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَشَدُّ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عَالِمٌ لَمْ یَنْفَعْہُ عِلْمُہٗ۔ (طبرانی و بیہقی)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے سخت عذاب والوں سے اس عالم کو ہوگا جس کو اس کے علم نے نفع نہیں دیا، یعنی اس نے علم پر عمل نہ کیا۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُنَاسًا مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ یَنْطَلِقُوْنَ اِلٰی اُنَاسٍ مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَیَقُوْلُوْنَ بِمَا دَخَلْتُمُ النَّارَ فَوَاللّٰہِ مَا دَخَلْنَا الْجَنَّۃَ اِلَّا بِمَا تَعَلَّمْنَا مِنْکُمْ فَیَقُوْلُوْنَ اِنَّا نَقُوْلُ وَلَا نَفْعَلُ۔ (رواہ طبرانی)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت سے کچھ لوگ دوزخی لوگوں کی

ایک جماعت کی طرف جائیں گے اور کہیں گے کہ تم کس وجہ سے دوزخ میں داخل ہوئے؟ اللہ کی قسم! ہم جنت میں داخل نہیں ہوئے مگر اس شئے کی وجہ سے جو ہم نے تم سے سیکھی۔ یہ سن کر وہ کہیں گے کہ یہ اس کا بدلہ ہے کہ ہم عمل کے لیے کہتے تو تھے لیکن خود عمل نہیں کرتے تھے۔

مشکوٰۃ، باب العلم میں ایک حدیث یوں مرقوم ہے: عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَالِمٌ لَا يَنْتَفِعُ بِعِلْمِهٖ۔

ترجمہ: حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مقام ومرتبے کے اعتبار سے انتہائی برے لوگوں میں اللہ کے نزدیک روز قیامت وہ عالم ہوگا جس نے اپنے علم سے نفع حاصل نہ کیا۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 37 پر یہ حدیث مرقوم ہے: عَنِ الْاَحْوَصِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشَّرِّ فَقَالَ لَا تَسْئَلُوْنِيْ عَنِ الشَّرِّ وَاسْئَلُوْنِيْ عَنِ الْخَيْرِ يَقُوْلُهَا ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَاِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ۔

ترجمہ: حضرت احوص بن حکیم نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے برائی کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ سے شر کے بارے میں نہ پوچھو، بلکہ خیر کے بارے میں پوچھو۔ آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا، پھر فرمایا کہ خبردار! بدترین شرارت علما کی شرارت ہے اور بہترین اچھائی علما کی اچھائی ہے۔

حضرات گرامی! آج کے اس ایڈوانس اور فارورڈ دور میں اکثریت ان پڑھ اور جاہل لوگوں کی ہے اور خاص طور پر ہمارے ملک کا تو بہت برا حال ہے۔ اس کی آدھے سے زیادہ آبادی ان پڑھ اور جاہل ہے اور زیادہ تر لوگ علما کی پیروی کرتے ہیں اور علما کے تابع ہوتے ہیں، اگر عالم نیک ہوگا تو عوام پر اُس کا اثر اچھا پڑے گا اور اگر عالم بدعقیدہ یا جاہل ہوا تو اس کی دیکھا دیکھی عوام بھی بدعقیدہ ہو جائے گی۔

علمائے یہود اگرچہ تورات میں ماہر تھے مگر خود بے عمل تھے۔ چنانچہ قرآن کریم نے ان لوگوں کو گدھے کے برابر قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔
(سورۂ جمعہ، آیت: 5)

ترجمہ: ان لوگوں کی مثال جن کو تورات پر عمل کرنے کی تکلیف دی گئی، پھر اس کو انھوں نے نہ اٹھایا۔ (محض پڑھنے پر اکتفا کیا اور عمل نہ کیا) مثل گدھے کے ہیں جو کتابوں کا بوجھ اٹھاتا ہے۔

نزہۃ المجالس، جلد دوم، صفحہ: 78 پر یہ تحریر درج ہے، ملاحظہ ہو:

منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص علم حاصل کرے اور اس پر عمل نہ کرے وہ اس عورت کی طرح ہے جو مخفی طور پر زنا کا ارتکاب کرے اور پھر اس کا حمل ظاہر ہو گیا ہو، اور مخلوق میں ذلیل ورسوا ہوئی ہو، اسی طرح جس نے اپنے علم پر عمل نہ کیا، رب قہار اس کو روز محشر اہل حشر کے روبرو ظاہر فرما دے گا۔

عالم کا مسئلہ چھپانا گناہِ عظیم

آج کا یہ دور حرص وہوس کا دور ہے۔ ہر شخص حرص وہوس کی زنجیر میں سرتاپا جکڑا ہوا ہے۔ حرص وہوس کی آندھیاں کچھ اس شدت سے چل رہی ہیں کہ بڑے بڑوں کے قدم اکھڑتے جا رہے ہیں، اگر کوئی عالم حرص وہوس میں مبتلا ہو کر کسی شرعی مسئلے کی روپوشی کرے گا تو گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوگا اور وہ اس کا اہل نہیں رہے گا کہ امامت کے فرائض سرانجام دے سکے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ بھی اس پر لعنت بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ (سورۂ بقرہ، آیت: 159)

ترجمہ: جو لوگ چھپاتے ہیں اسے جو ہم نے اتاری ہیں بینات اور ہدایت بعد اس کے کہ ہم نے خوب بیان کر دیا ہے کتاب میں لوگوں کے واسطے، ان لوگوں پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔

حضرات! مندرجہ بالا آیت مقدسہ اگرچہ یہودی علما کے حق میں ہے لیکن عام ہے کہ جس نے مسئلہ چھپایا وہ لعنتی ہوگا، کیوں کہ مراد عموم الفاظ پر ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب پر۔ علاوہ ازیں قرآن مجید مسلمانوں کی کتاب ہے، اس لیے اس میں پہلی امتوں کا ذکر کر کے کہا گیا ہے کہ تم ایسا نہ کرنا، ورنہ تم بھی اسی سلوک کے قرار وار ٹھہرو گے۔

مسئلہ چھپانا دردناک عذاب کا موجب

جو عالم دنیا میں دین حق کا مسئلہ چھپائے گا روزِ محشر اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:174)

ترجمہ: جو لوگ چھپاتے ہیں اس شے کو جسے اللہ نے نازل فرمائی ہے کتاب سے اور خریدتے ہیں اس کے بدلے تھوڑی قیمت، وہ لوگ نہیں کھاتے اپنے پیٹوں میں مگر آگ، اور نہیں کلام کرے گا اللہ ان سے قیامت کے روز اور نہ ہی ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

مسئلہ چھپانے والے کے منھ میں آگ کا لگام ڈالا جائے گا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنَ النَّارِ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:34)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص سے علم کی بات پوچھی گئی ہو جس کو وہ جانتا ہے، پھر وہ چھپائے تو روز محشر اس کے منھ میں آگ کا لگام ڈالا جائے گا۔

بے علم کے لیے وعظ کہنا اور فتویٰ دینا وبال عظیم

بارہا عرض کیا جا چکا ہے کہ آج کا دور حرص و ہوس کا دور ہے۔ انسان نے ایکسٹرا انکم کے مختلف طریقے اپنائے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض لوگ علم کے بارے میں پوری تحصیل تو کرتے نہیں مگر صرف چند ایک کتب کو زیر نظر کرتے ہیں اور چند شاعروں کے پر جوش اشعار یاد کر لیتے ہیں اور ڈنکے کی چوٹ پر خود کو علما کے زمرے میں شمار کرتے ہیں اور پھر سادہ لوح اور جاہل لوگوں کو غلط سلط وعظ سنا کر جیب گرم کرتے ہیں۔ ان کے متعلق بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے:

وعظ میں کہتے ہیں جھوٹے سچ فسانے
سچ تو یہ ہے جیب گرم کرنے کا اک بہانہ

ایسے عالم کو اگر کسی جگہ شرعی مسئلے سے سامنا کرنا پڑے تو ذرا نہیں خوف کھاتے، بلکہ بے باکانہ انداز میں تک بازی کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ وہ فقط جیب ہی گرم نہیں کرتے، بلکہ اپنی عاقبت کو داغدار بھی کرتے ہیں، اور

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

والی مثال ہوتی ہے کہ خود بھی گناہگار ہوتے ہیں اور محفل کو بھی گناہگار کرتے ہیں، ایسے علما سے گزارش ہے کہ اللہ کے لیے پورا علم پڑھیں، تاکہ درست وعظ بیان کر کے تمہاری نجات کے سامان ہوں۔

بے علم اور خود ساختہ علما اور مفتیوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ وَمَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ بِأَمْرٍ يَعْلَمُ أَنَّ الرُّشْدَ فِي غَيْرِهِ فَقَدْ خَانَهُ۔ (مشکوٰۃ، کتاب العلم، صفحہ:35)

ترجمہ: جس شخص کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا ہو تو اس کا گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے فتویٰ دیا اور جس نے اپنے بھائی کو کسی بات کا مشورہ دیا یہ جانتے ہوئے کہ بھلائی اس کے غیر میں ہے تو واقعی اس نے خیانت کی۔

مشکوٰۃ، صفحہ:25 باب العلم میں مرقوم ہے: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن کریم میں اپنی رائے سے کچھ کہتا ہے کہ تو اُسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

حضرات گرامی! مندرجہ بالا دونوں احادیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہے کہ بے علم واعظ کا وعظ نہیں سننا چاہیے کہ وہ اپنا علم جتانے کے لیے غلط سلط بیان کرے گا اور قرآن کریم میں بھی اپنی رائے ٹھونستا رہے گا۔ اس طرح خواہ مخواہ جہنم کا ایندھن بنے گا اور اس کا وبال سب سامعین

پر ہوگا، اس لیے واعظ بے علم کا وعظ سننے سے گریز کرنا چاہیے۔

تفسیر عزیزی، صفحہ: 500 پر پہلے پارے کی تفسیر کے بارے میں ایک حکایت درج ذیل مفہوم کی درج ہے، ملاحظہ ہو:

حکایت: حضرت ابوجعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابیِ رسول تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار مسجد کوفہ میں ایک شخص لوگوں کے سامنے وعظ کر رہا تھا اور گناہوں سے ڈرا رہا تھا۔ اسی اثنا میں باب العلم حضرت علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ ایک واعظ ہے جو لوگوں کو گناہوں سے باز رہنے کی تلقین کر رہا ہے اور اُن کو خوفِ خدا سے آشنا کرا رہا ہے۔ حضرت علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ شخص شہرت کا خواہاں ہے۔ لوگوں کی نظروں میں نمایاں مقام حاصل کرنا چاہتا ہے۔ پھر آپ اس کے پاس گئے اور گویا ہوئے: کچھ ناسخ و منسوخ کے بارے میں بھی علم ہے۔ واعظ نے کہا کہ افسوس میں اس سے ناواقف ہوں۔ یہ سن کر امیر المومنین نے اس کو مسجد سے نکال دیا۔

ہائے ہائے! اس شخص نے روزی کمانے اور شہرت حاصل کرنے کا جو طریقہ اپنایا وہ ناکام ہوگیا۔ اللہ ایسے واعظین کو ہدایت بخشے۔ (آمین)

☆☆☆

چودہواں وعظ

اعجاز قرآن اور اس کی ربانی حفاظت

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ (سورہ: بقرہ، آیت: 23)

ترجمہ: اگر تمھیں کچھ شک ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا، تو اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

قرآن مجید کے پہلے پارے کی سورۂ بقرہ کی بیان کی گئی آیت مقدسہ سے درج ذیل دو باتوں کی وضاحت ہوتی ہے:

1. قرآن مجید تمام شکوک سے مبرا ہے۔
2. کوئی بڑے سے بڑا اس کی تمثیل پیش نہیں کرسکتا۔

حضرات گرامی! آج سے لاکھوں اور کروڑوں برس قبل خالق کائنات نے اس کائنات ارضی کی تخلیق فرمائی، اس کے جدِ امجد سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا، پھر اماں حوا کی صورت میں ان کا ساتھی بنایا۔ اماں حوا اور حضرت آدم علیہ السلام مدتوں وادیٔ جنت میں رہے، پھر کسی سبب سے ان کو جنت سے نکلنا پڑا۔ زمین پر وہ کسی طرح روتے گڑگڑاتے اور اللہ سے معافی طلب کرتے رہے۔ بہر کیف ان کو معافی ملی اور اماں حوا سے وصال ہوگیا اور دونوں زمین پر رہنے لگے، پھر ان کی اولاد میں اللہ نے برکت دی اور اللہ کی مخلوق بڑھی۔ جس میں طرح طرح کے گمراہ کن نظریات عالم وجود میں آئے۔ جن کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش انبیا اور رسول مبعوث فرمائے۔ جنھوں نے لوگوں کو راہ حق کی روشنیاں دکھلائیں، توحید کا پرچار کیا، لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اصول دیا، ظلمتوں

کی جگہ نور بھر دیا، مگر یہ لوگ ان کو جھٹلانے پر تلے رہے۔ اسی وجہ سے اللہ نے ان انبیائے کرام کو
معجزات سے نوازا، تا کہ لوگ ان کو جھٹلانے کی جسارت نہ کرسکیں، ان کے دعویٰ رسالت اور
نبوت کو کذب نہ جانیں، حیل وحجت کی گنجائش نہ رہے اور لوگ بلاتردد ان کا کلمہ پڑھیں۔
برسوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا، انبیائے کرام مبعوث کیے جاتے رہے، جو رشد و ہدایات کی شمعیں
فروزاں کرتے رہے۔ یہ شمعیں جلتی رہیں، بجھتی رہیں۔ آخر اللہ نے ایک دین، دین اسلام کی
کنگ سائز شمع کا انتخاب کرلیا جو قیامت تک فروزاں رہے گی۔ کفر و شرک کے اندھیاروں کو دور
کرتی رہے گی۔ یہ قندیل اور یہ شمع فروزاں کرنے والے ہمارے پیارے رسول حضرت محمد صلی
اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کی آمد پر رسالت و نبوت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کردیا گیا اور
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار معجزات عطا فرمائے، مگر ایک معجزہ ایسا عطا کیا گیا
جس کے لیے ابد تک حیات ہے۔ وہ معجزہ کبھی ختم نہیں ہوگا اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے
لیے زندہ معجزہ رہے گا، جس سے قیامت تک آنے والی نسلیں مستفید ہوتی رہیں گی۔ ایسا زندہ
معجزہ قرآن مجید ہے جو ہر قسم کی تمثیل سے ماورا ہے، جس کا لفظ لفظ اپنے اندر حکمت کے خزانے
لیے ہوئے ہے۔ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیائے فانی میں تشریف لائے۔ اس وقت
عرب قوم خطابت اور شاعری میں عروج اور ترقی کے تمام تر مقامات کو زیر کرچکی تھی اور اپنے
یہاں الفاظ کا ایک گراں مایہ خزانہ رکھتی تھی۔ اپنی شاعری، خطابت اور زبان کی فصاحت و بلاغت
پر عرب اس قدر نازاں تھے کہ گمان کرنے لگے تھے کہ دنیا کی کوئی قوم ان کے مقابل نہیں
آسکتی۔ اسی ناز و غرور کی بنا پر عرب اپنے علاوہ ہر کسی کو عجمی یعنی گونگا کہتے تھے۔ اسی زمانے میں
جب کہ عرب خطابت، شاعری اور فصاحت و بلاغت کے تمام تر مقامات عروج کو زیر پا کرچکے
تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے نظریہ توحید پیش کیا۔ اپنی رسالت کا اقرار
کرنے کو کہا اور فرمایا: قُوْلُوْا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، تم سب اللہ کے واحد ہونے پر گواہی دو۔

چوں کہ عرب سمجھتے تھے کہ ہم چنیں دیگر نیست۔ اس لیے اپنے گمان میں انھوں نے عقیدۂ
توحید کو ٹھکرا دیا اور آپ کی رسالت کا اقرار کرنے کے لیے راضی نہ ہوئے۔ انبیائے کرام کی
سابقہ روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صداقت کے ثبوت کے طور پر قرآن مجید

کا معجزہ دکھایا کہ یہ اللہ کا سچا کلام ہے جو اس نے مجھے عطا کیا ہے۔ یہ میرے دعوے کا ناقابل
تردید ثبوت ہے مگر قوم جاہل بھی تھی۔ اس لیے انھوں نے کہا: اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔
اور انھوں نے انکار کیا، قرآن مجید کو جھٹلایا، اس لیے کہ ان کو خود پر ناز تھا، غرور تھا اور
حضرات مشہور مثل ہے کہ "آت خدا داویر"
فخر و کبریائی اللہ ہی کو زیبا دیتے ہیں۔ انسان کی تخلیق تو مٹی سے کی گئی ہے، اس لیے اس کو
عاجزی و انکساری ہی زیبا ہے۔ اور اللہ ایسے لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو کبر و نخوت اور فخر و غرور کا
انداز اپناتے ہیں۔ اللہ کو عرب قوم کا غرورانہ انداز پسند نہ آیا، اس لیے اللہ نے عرب قوم کو چیلنج
کردیا اور فرمایا کہ اگر تم میرے قرآن کریم کی صداقت کے انکاری ہو:

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ۔

اے کافرو! اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو قرآن مجید کی مثل کوئی کلام پیش کرو۔

اور کافی عرصے تک عرب قوم کو قرآن کریم کی تمثیل کی مہلت دی مگر عرب کے فصحا قرآن
کریم کی مثل کلام نہ پیش کرسکے۔ تو اللہ واحد نے دس سورتوں کے برابر کلام پیش کرنے کا چیلنج دیا
اور فرمایا: اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ، قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ۔

یعنی اگر وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کو گھڑ لیا ہے تو آپ فرمادیں کہ
اس کی مثل دس سورتیں ہی بنا کر لاؤ اور جن کی طاقت رکھتے ہو اللہ کے سوا بلا لو، اگر تم سچے ہو۔ پھر
اگر وہ جواب نہ دیں تو یقین رکھو کہ یہ قرآن پاک اللہ کے علم سے نازل کیا گیا ہے۔

مگر قرآن تو کلام الٰہی ہے اور کوئی شخص اس قدر بساط نہیں رکھتا کہ وہ اللہ کی برابری کرسکے،
اس لیے فصحائے عرب باوجود فصاحت و بلاغت میں یکتا ہونے کے قرآن شریف کی دس سورتوں
کی تمثیل کیسے پیش کرسکتے تھے۔ پھر جب ان کی جانب سے کوئی آواز نہ اٹھی تو اللہ تعالیٰ نے پھر چیلنج
کیا: وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (سورۂ بقرہ، آیت: 34)

اگر تمھیں کچھ شک ہے کہ اس میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کیا تو اس جیسی

ایک سورت ہی لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتوں کو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔

قرآن پاک کے چوتھے پارے میں بھی یوں چیلنج کیا گیا ہے:

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ۔ یعنی کفار یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک خود گھڑ لیا ہے، آپ فرما دیں کہ اس کی مثل ایک چھوٹی سی سورت بنا کر پیش کر دو۔

کفار، قرآن کریم کی ایک چھوٹی سی سورت کی تمثیل نہ پیش کر سکے۔ ان کی شاعری دھری کی دھری رہ گئی، فصاحت و بلاغت دم توڑ گئی، ان کے خطیب مفلوج ہو گئے۔ ان کا غرور اپنی موت مر گیا۔ بد بخت تھے کہ قرآن کو جھٹلا بیٹھے، قرآن اللہ کا کلام ہے، جس کی تمثیل کوئی فرد پیش نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے: قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۔

ترجمہ: اے محبوب فرما دیں کہ اگر جن و انس اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن کریم کی مثل لائیں تو اس کی مثل نہ لا سکیں گے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں۔

اگر ان کے بس میں ہوتا، وہ طاقت رکھتے تو ان کا چیلنج قبول کر لیتے اور جھگڑا ختم کر دیتے، مگر آج سے لے کر 1400 سال قبل تک کی تاریخِ عالم اور تاریخ اسلام میں اس قسم کی کوئی روایت وارد نہیں ہوئی، جس سے پتہ چلتا ہو کہ مشرکین عرب کی جانب سے کسی کے دل میں یہ تخیل جاگزیں ہوا کہ قرآن مجید کا معارضہ کر لیا جائے۔ اگر کوئی بد بخت قسمت کا مارا ایک دو جملے بنا بھی بیٹھا، تو دوسروں نے تردید کر دی۔ جب مشرکین مکہ قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے میں ناکام رہے تو اپنی فطرت کے مطابق اوچھے ہتھکنڈے اپنانے لگے۔ اس طرح کہ وہ لوگ جو اسلام کی حقانیت پر ایمان لے آئے تھے اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے ان کو ستانے لگے، ان کو کانٹوں پر گھسیٹنے لگے اور ننگے بدن تپتی ریت پر لٹانے لگے۔ مگر ان کے دلوں میں نور اسلام کچھ اس طرح بیٹھ گیا تھا کہ مصائب کا انھوں نے صبر سے مقابلہ کیا، جب بھی کفار کو کوئی راہ نہ ملا تو وہ قرآن کو جادوگری، شعبدہ بازی اور افسانہ کہنے لگے، کھلونہ دے کر دل کو بہلانے لگے۔ جب اس طرح بھی دال نہ گلی تو شمشیر کے زور پر اسلام کو نیست و نابود کرنے چلے مگر اپنی اور اپنے عزیزوں کی جانیں گنوا بیٹھے۔ نادان تھے جو دوسروں کو مٹانے کے لیے آیا تھا وہ خود کس طرح

نہ سکتا تھا۔ اسلام کے متعلق ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
جتنا ہی دباؤ گے اتنا ہی یہ ابھرے گا

اور تاریخ شاہد ہے کہ کفار نے اسلام کو سرنگوں کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور جس قدر انھوں نے اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کی، اسلام کو اسی قدر فروغ حاصل ہوا، اور کفار سوائے ہاتھ ملنے کے کچھ نہ کر سکے اور جو کر سکے وہ یہ کہ خود حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ قرآن مجید کو اس دنیا میں آئے 1400 سال گزر چکے ہیں۔ اس وقت سے لے کر آج تک اسلام کے کروڑوں دشمن پیدا ہوئے اور آج بھی ہیں اور قرآن کریم کا دعویٰ بھی حرف بہ حرف وہی ہے اور قیامت تک رہے گا، مگر آج تک دھرتی نے کوئی مائی کا لال ایسا نہیں جنم دیا جو قرآن کریم کی مثل لا سکتا ہو اور قیامت تک قرآن اپنا دعویٰ برقرار رکھے گا اور دعویٰ کو کوئی جھٹلا نہ سکے گا۔

زمانہ جاہلیت میں سات شاعروں کو بڑا مقام اور مرتبہ حاصل تھا وہ اس قدر عظمت کے حامل تھے کہ ان کی تحریریں کعبۃ اللہ میں زریں حروف سے لٹکائی جاتی تھیں۔ ان سات شاعروں میں سے لبید بن ربیعہ شاعروں کا شاعر تھا اور اسے 'ملک الشعراء' کا لقب دیا گیا تھا۔ جب اس نے قرآن مجید کی چند آیات مقدسہ دیوار کعبہ پر مرقوم دیکھیں تو بے اختیار بولا کہ ناممکن ہے کہ یہ کلام کسی انسانی دماغ کی کاوش ہو۔ یہ کہا اور کلمہ پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔ بعد ازاں جب اسے قرآن مجید کی مٹھاس ملی تو وہ اپنی شاعری سے دست بردار ہو گیا اور پھر ایک شعر بھی نہ کہا اور اپنی ساری فصاحت و بلاغت کو قرآن مجید کے کلام پر قربان کر دیا۔

واقعی قرآن مجید کا کلام ایسا ہے کہ اس پر سارے جہان کی فصاحت و بلاغت قربان کی جا سکتی ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ سارے جہان کی فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ قرآن مجید ہے تو بالکل بے جا نہ ہو گا۔

قرآن مجید کے وجوہ اعجاز

علمائے دین نے قرآن مجید کے اعجاز کے متعلق بہت سے وجوہ بیان کی ہیں، ان میں سے چند یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

1- قرآن مجید کے الفاظ کی ترتیب بڑی حسین وجمیل ہے اور یہ صفت کسی دوسرے کلام میں نہیں ملتی۔

2- اس کا اسلوب بے مثال اور بے مثل ہے۔ کوئی کتاب اس کے برابر کسی بھی صفت میں نہیں ہوسکتی۔

3- قرآن مجید میں جس قدر معلومات اور خبریں ہیں وہ غیب کی ہیں اور اس میں جس قدر پیشین گوئیاں کی گئی ہیں وہ حرف بہ حرف درست ہیں۔

4- قرآن مجید کی تحریر زیادہ طویل تو نہیں ہے، مگر اس مختصر سی تحریر میں نہایت جامع انداز میں بیان کرنا عقل انسانی سے ماورا ہے۔

5- یہ اعجاز اور اعزاز بھی قرآن مجید کو حاصل ہے کہ اس کے الفاظ میں شہد سے زیادہ مٹھاس اور شیرینی ہے۔ جس کے سننے والوں کی طبیعت خواہ مخواہ اس کی طرف مائل ہوتی چلی جاتی ہے۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور بسا اوقات آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہوجاتی ہے۔ ہر جاہل وعالم لذت محسوس کرتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ اس کو سنتے رہیں۔

حضرات! یہ اعزازات اور اعجازات علمائے دین کے بیان کردہ ہیں، ان کے ہوتے ہوئے میری بساط نہیں کہ میں اپنی کیفیت بیان کروں، لیکن قلم بے قرار ہے کہ اس کیفیت کو صفحۂ قرطاس پر بکھیر کر اہل ذوق کے سامنے لاؤں تو جس وقت قرآن مجید تلاوت کرتا ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے میرا پورا جسم کیفیت فرحاں وشاداں میں اسیر ہوتا جارہا ہو۔ جیسے فلک اپنی جگہ سے سرک کر میری قدم بوسی کے لیے آرہا ہو، رقت کا ایک ایسا عالم طاری ہوتا ہے جو مجھے کیفیت ومرور کے البیلے جہاں میں لے جاتا ہے اور......اور......۔

حضرات گرامی! قلم میں یہ لڑکھڑاہٹ کیوں؟ یقیناً آپ سوچ رہے ہوں گے۔ تو حضرات! قلم میں یہ لڑکھڑاہٹ اس لیے ہے کہ میرا ذہن صحیح کیفیت کو محسوس نہیں کر رہا ہے جس وجہ سے اس میں لڑکھڑاہٹ آگئی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صحیح کیفیت بیان کرنا ناممکن ہے کم از کم میرے لیے۔

حضرات! قریش کی تمام تر تدابیر کے باوجود جب اسلام کا سورج اپنی شعاعوں سے اہل جہاں کو تابانیاں بخشتا رہا تو کفار نے اسلام کی نورانی شمع بجھانے کے لیے مسلمانوں پر مظالم کی

انتہا کر دی اور مسلمان کے بدترین دشمن ہوگئے اور ہمہ وقت اس کوشش میں رہنے لگے کہ مسلمانوں کا جینا حرام کیا جائے۔ ان حالات میں اللہ کی جانب سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ مسلمان حبشہ کو کوچ کرجائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی تعمیل کی اور ان کی اجازت سے صحابۂ کرام میں سے گیارہ مرد اور چار خواتین مدینہ کی جانب ہجرت کرگئیں۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

1- امیر المومنین حضرت عثمان غنی　2- حضرت زبیر

3- حضرت عبداللہ بن مسعود　4- حضرت عبدالرحمن بن عوف

5- حضرت ابوحذیفہ　6- حضرت مصعب بن عمیر

7- حضرت ابوسلمہ　8- حضرت عثمان بن مظعون

9- حضرت عامر بن ربیعہ　10- حضرت حاطب بن عمرو

11- حضرت سہیل بن بیضا رضی اللہ تعالیٰ عنہم

خواتین میں سے درج ذیل خواتین نے ہجرت کی:

1- حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جو بنت رسول تھیں اور حضرت عثمان کی اہلیہ تھیں۔

2- حضرت سہلہ بنت سہیل، جو ابوحذیفہ کی زوجیت میں تھیں۔

3- حضرت ام سلمہ، جو امیہ کی بیٹی تھیں اور عامر بن ربیعہ کی بیوی تھیں۔

گیارہ مردوں اور چند خواتین کی اس ہجرت کو تاریخ میں ہجرتِ اولیٰ سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ گیارہ مرد اور خواتین نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب میں بحری سفر کے ذریعے حبشہ پہنچے۔ ان کے بعد ہجرت کا اعزاز جس صحابی کو حاصل ہوا، وہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ان کے بعد رفتہ رفتہ ایک دو کی صورت میں مسلمان روانہ ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ بچوں اور خواتین کے علاوہ مردوں کی تعداد 82 رہوگئی۔

مسلمانوں کی یہ ہجرت مخفی نہ رہ سکی اور قریش بھی اس سے باعلم ہوگئے۔ انھوں نے سوچا کہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی چوں کہ عیسائی ہے اور عیسائی بھی مسلمانوں کے خلاف ہیں، اس لیے وہاں کے بادشاہ کو تحفے تحائف سے اپنے ساتھ ملا کر مسلمانوں کو وہاں سے نکلوا دیا جائے۔ اس غرض

سے انھوں نے ایک وفد بہت سے تحفے تحائف دے کر نجاشی کے پاس بھیجا۔ وہ لوگ بادشاہ کے دربار میں گئے اور بادشاہ سے یوں گویا ہوئے: اے بادشاہ! ہمارے ملک میں ایک جادوگر شخص نبوت کا دعویدار بن بیٹھا ہے اور سادہ لوح لوگوں کو ان کی نادانی سے فائدہ اٹھا کر اپنے ساتھ ملالیا ہے۔ اب اس کی ایک جماعت آپ کے ملک میں گھس آئی ہے، اس کا مطمحِ نظر ہمارے ملک میں دنگا فساد کرنا ہے اور آپ کی رعایا میں بغاوت کا بیج بونا ہے۔ ہم آپ کو اپنی قوم کی جانب سے اس اطلاع کے ساتھ یہ گزارش کرنے آئے ہیں کہ آپ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کردیں، کیوں کہ وہ آپ کے بھی اور ہمارے بھی مجرم ہیں۔

نجاشی بڑا اصول پرست اور شریف النفس بادشاہ تھا، اس نے فوری طور پر مسلمانوں کو ان کے حوالے نہ کیا، بلکہ مسلمانوں سے گفتگو کرنے کے لیے ان کے پاس ایک نامہ بر بھیج دیا۔ مسلمانوں کی جانب سے حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمائندہ بن کر آئے۔ بادشاہ نے کہا کہ مجھے کچھ اپنے بارے میں بتلاؤ۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے یوں گویا ہوئے: اے بادشاہ! ہم کافر تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے، جھوٹ بولتے تھے، چوری کرتے تھے، جوا کھیلتے تھے، زنا کرتے تھے، اپنے بچوں کو قتل کرتے تھے اور آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے، پھر اللہ نے ہم پر کرم کیا اور ہم میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جس نے ہمیں بتایا کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ بتوں کی پوجا کرنا گناہ عظیم ہے، اور بت نہ کسی کو فائدہ دے سکتے ہیں نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اے بادشاہ! اس نے ہمیں بتایا ہے کہ جھوٹ بولنا، چوری کرنا، زنا کرنا، جوا کھیلنا اور شراب نوشی کرنا اور اپنے بچوں کو قتل کرنا سب گناہ کبیرہ ہیں، ان سے بچو۔ اے بادشاہ! ہمیں ان باتوں میں سچائی کی خوشبو محسوس ہوئی اور ہم نے اس کے حکم پر لبیک کہا اور حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے، پھر قریش نے ہمیں ستایا تو ہم تیرے دربار میں پناہ لینے آگئے، پھر بادشاہ نے کہا کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ ماجدہ کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں اور حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اللہ تعالیٰ کی بندی ہیں، کنواری ہیں اور پاک ہیں۔ یہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا: خدا کی قسم!

تمہارے رسول نے اس کے برابر بھی عیسیٰ علیہ السلام کے کلام میں اضافہ نہیں کیا ہے، یعنی دونوں کے کلام ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔ اس صورت حال سے وفد قریش کے ارمانوں پر اوس پڑگئی اور ان کے رنگ اڑ گئے کہ ناکام جانا ہوگا، پھر نجاشی نے کلام پاک سننے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ مریم کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔

اس وقت دربار نجاشی میں نصرانی عالم اور درویش بھی حاضر تھے۔ انھوں نے جو کلام پاک سنا، ایک تو قرآن پاک کے مٹھاس سے بھرپور الفاظ اور طرفہ تماشہ یہ کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوز سے پڑھا، ان دونوں سے ایک عجیب سماں بندھ گیا اور نصرانی عالم اور درویش بے اختیار رونے لگے۔ اس صورت حال نے مسلمانوں کی سلامتی کی راہیں اور ہموار کردیں۔ نجاشی نے کہا: اے مسلمانو! تم جب تک چاہو یہاں رہو، تمھیں میری سلطنت اور قلمرو میں کوئی خدشہ اور خطرہ نہیں، اور مشرکین مکہ سے گویا ہوا: جاؤ تم لوگ دربار سے چلے جاؤ، ہم مسلمانوں کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔ مشرکین مکہ ناکام واپس لوٹ آئے اور اہل اسلام نجاشی کے پاس بڑے آرام سے رہنے لگے۔ پھر فضل الٰہی شامل حال ہوا، سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہوا اور نجاشی اسلام سے مشرف ہوکر حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا۔

اس واقعے کے بارے میں قرآن مجید میں یہ آیت نازل کی گئی:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۔ (سورۂ مائدہ)

ترجمہ: جب سنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف نازل ہوا تو ان کی آنکھیں دیکھو کہ آنسوؤں سے ابل رہی ہیں کہ وہ حق کو پہچان گئے۔ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہمیں حق کے گواہوں میں لکھ لو۔

قرآن مجید ایک ایسا کلام ہے جس کو سن کر قلب و جگر اور روح تک پر ایک نشہ چھا جاتا ہے۔ اس کو سن کر غیر مسلم بھی رونے لگے اور جھوم اٹھے تو مومن تو پھر مومن ہیں۔ وہ قرآن پاک سن کر بے خود ہوجاتے ہیں۔ 23 ویں پارے کی سورۂ زمر میں ارشاد ہوتا ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ

رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۔ (سورہ: زمر، آیت: 23)

ترجمہ: اللہ نے نازل کی سب سے اچھی کتاب کہ اول سے آخر تک ایک ہی ہے دوہرے بیان والی۔ اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں یادالٰہی کی طرف رغبت میں، یہ اللہ کی ہدایت ہے راہ دکھائے اسے جسے اللہ چاہے اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔

حضرات گرامی! مندرجہ بالا ارشاد باری تعالیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید سن کر اور پڑھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انسان تو صاحب شعور ہوتا ہے اس کی کیفیت ہونی ہی چاہیے، مگر قرآن کریم کو سن کر تو پتھروں کا کلیجہ بھی پانی ہو جاتا ہے۔ 28ویں پارہ میں ارشاد ہوتا ہے: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ (سورۂ حشر)

ترجمہ: اگر ہم یہ قرآن پاک کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو ضرور اسے دیکھتے جھکا ہوا پاش پاش ہوتا خوف الٰہی سے اور یہ مثالیں لوگوں کے لیے ہم بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سوچیں۔

قرآن پاک کے لیے الٰہی ذمہ داری

اس کائنات میں قرآن مجید کے علاوہ دیگر کتب آسمانی، مثلاً توارات، زبور اور انجیل وغیرہ بھی موجود ہیں، اور ان کتابوں کی طرح ان کے ماننے والے ان کی تعلیمات پر عمل کرنے والے بھی موجود ہیں۔ مگر کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ کتابیں بالکل وہی ہیں، ان میں الفاظ کی تعیناتی اور ترتیب وہی ہے جو کہ فلک سے نازل ہوئی تھی۔ اس لیے کہ یہ کتب نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہو کر ان تک پہنچی ہیں۔ علاوہ ازیں ان کتابوں کے عالم اپنی مرضی سے الفاظ کا ہیر پھیر کر لیتے تھے، اس لیے وثوق سے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ان کتب کی ترتیب و ترکیب وہی ہے جو وقت نزول تھی۔

یہ اعجاز و اعزاز قرآن مجید کو حاصل ہے کہ اس کا ایک ایک حرف، ایک ایک لفظ، ایک ایک کلمہ اور اس کی ایک ایک زیر و زبر اور پیش اسی آب و تاب سے آج بھی ویسے ہی دنیا کے افق پر

چمک رہی ہے جس طرح کہ جبرئیل کی وساطت سے اللہ کریم کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر نازل ہوا تھا۔ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں اس کے الفاظ اور زیر و زبر پیش کی ترتیب اور ترکیب وہی ہے جو نزول کے وقت تھی۔ اس میں ذرہ برابر بھی سہو اور فرق نہیں ہے اور ان شاء اللہ قرآن مجید روز قیامت تک اسی طرح محفوظ و مامون رہے گا، کیوں کہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے۔

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِيْنَ وَشَمْسُنَا اَبَدًا عَلَى الْاُفُقِ الْعُلٰى لَا تَغْرُبُ۔

اس دنیا میں کئی اہل کمال گزرے ہیں جنھوں نے اپنے کمال سے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اپنے خورشید کمال سے ایک عرصے تک دنیا والوں کو تابانیاں بخشی، مگر ان کا خورشید کمال زیادہ عرصے تک فروزاں نہ رہ سکا اور بالآخر افق پر روپوش ہو گیا۔ مگر ہمارا خورشید، ہمارا آفتاب وہ آفتاب ہے جو بلندیٔ اوج پر ہے، جس کے لیے کبھی غروب نہیں اور اس کی چمک وہ چمک ہے کہ جو ہمیشہ تاباں و درخشندہ رہے گی۔ اس میں کبھی کمی نہ ہوگی اور یہ ہمیشہ اہل دنیا کو اپنی تابانیوں سے نوازتا رہے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی تابانیوں کی روانی کا ذمہ اللہ نے لیا ہے، جب کہ دیگر کتابوں کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا۔ یہی وجہ تھی کہ دوسری کتب میں رد و بدل کر لیے مگر ہمارے قرآن میں کسی کو آج تک رد و بدل کرنے کی جسارت نہیں ہوئی۔ قرآن مجید کے چودھویں پارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (پارہ: 14)

ترجمہ: بے شک ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

مقام غور ہے کہ جس کی حفاظت مالک لولاک فرماتا ہے کیا ممکن ہے کہ اس کی نظروں میں دھول جھونک کر اس میں تبدیلی کر لی جائے۔

ایک جگہ اور ارشاد ہے: وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ۔

ترجمہ: قرآن مجید عظیم کتاب ہے جھوٹ اس میں نہ آگے سے آ سکتا ہے نہ پیچھے سے۔

☆☆☆

پندرھواں وعظ

قرآن پاک کس نے بھیجا، کون لایا؟

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔

حضرات گرامی! معلومات اور علم کا ایک بڑا ماخذ کتاب ہے، کتاب انسان کی بہترین رفیق ہے۔ دنیا میں بکھرے ہوئے ہزار ہا مسائل سے پردہ اٹھاتی ہے۔ انسان کو مسائل دنیا سے روشناش کرانے کے لیے اور انسان کا شعور بیدار کرنے کے لیے لاکھوں انسانوں نے لاکھوں کتابوں کی تصنیف کی، مگر ستم کی بات یہ ہے کہ کوئی کتاب اس خصوصیت کی حامل نہیں جس کے نفس تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ کتاب کس کی تصنیف ہے اور کس کے لیے تصنیف کی گئی ہے، اور نہ ہی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب کے مسودے کو کون کتابی شکل دینے کا ذمہ دار بنا؟ ان سب باتوں کی وضاحت کے لیے کتاب کے باہر کتاب کی اصل تحریر کے علاوہ ایک صفحہ پر ساری تحریر کو لکھ کر چسپاں کیا جاتا ہے، تب کہیں جا کر یہ راز کھلتا ہے، اس حقیقت اور علم سے پردہ اٹھتا ہے کہ کتاب کس کی تصنیف ہے، کس کے لیے تصنیف کی گئی ہے اور اس کو کون لایا ہے۔ یہ کس زبان میں ہے، اصل کتاب ہے یا اس کا ترجمہ ہے۔ کتابوں کے لاکھوں ستاروں میں قرآن مجید ایک سورج کی طرح ہے۔ اس کو یہ اعزاز حاصل ہے، اس میں کتاب کے تعلق سے جملہ معلومات بہم پہنچانے کے لیے اس کے باہر اصل تحریر کے علاوہ کوئی صفحہ نہیں ہے، بلکہ تحریر ہی سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا خالق کون ہے۔ یہ کس کے لیے تخلیق کی گئی ہے اور اس کو کون لایا ہے۔ ان باتوں کی وضاحت کے لیے قرآن مجید کے 19 ویں پارے میں مرقوم ہے:

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۔ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۔ (سورۂ شعراء، آیت: 192 تا 195)

ترجمہ: یہ قرآن رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے، روح الامین لے کر اترے تمہارے دل

پر کہ تم ڈر سناؤ روشن عربی زبان میں۔

اس آیت مقدسہ سے تین باتوں کی وضاحت ہوتی ہے:

1- قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے۔

2- اس تخلیق کو روح الامین لے کر اترے۔

3- یہ اصل کتاب ہے اور عربی زبان میں ہے۔

اس کا ایک مقصد لوگوں کو خوف الٰہی سے ڈرانا ہے، مسلمانوں کو بشارت دینا اور ایمان والوں کے لیے ثابت قدمی پر کاربند رہنے کی تلقین کرنا ہے۔ چنانچہ چودھویں پارے کی سورہ نحل میں یوں ارشاد ہوتا ہے: قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۔ (سورۂ نحل، آیت: 102)

ترجمہ: آپ فرما دیں کہ اسے پاکیزہ روح نے اتارا تمہارے رب کی طرف سے ٹھیک ٹھیک، تاکہ اس سے ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کو ہدایت و بشارت دے۔

قرآن کا منزول کون؟

ان باتوں کی وضاحت ہو چکی ہے کہ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور اس کو جبرئیل امین لائے ہیں اور اس کی زبان عربی ہے اور ایمان والوں کو ثابت قدمی اور بشارت کے لیے نازل کیا گیا ہے، جو آج بھی حرف بہ حرف باقی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو عربی زبان میں جبرئیل امین کے ذریعے کس ہستی پر نازل کیا ہے؟ اس کی وضاحت قرآن مجید کے چھبیسویں پارے میں اس طرح فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۔ (سورۂ محمد، آیت: 2)

ترجمہ: جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور اس پر ایمان لائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اور وہی ان کے رب کے پاس حق ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی برائیوں کا کفارہ بنا دیا اور ان کی حالتیں سنوار دیں۔

ان سب باتوں کی وضاحت ہو گئی کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، جبرئیل امین

لے کر آئے ہیں، اس کی زبان عربی ہے اور یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی زبان کے بارے میں چوبیسویں پارے میں بھی یوں ارشاد ہوتا ہے:

كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔

یعنی ایسی کتاب جس کی آیتیں مفصل بیان کی گئیں عربی قرآن میں عقل والوں کے لیے۔

ماخذ قرآن

اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عربی زبان میں قرآن کریم نازل کیا۔ اب سوال یہ کہ اس کا مسودہ کہاں ہے؟ اس تعلق سے قرآن مجید کے سورۂ زخرف میں ارشاد ہے: وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔ (سورۂ زخرف، آیت:4)

ترجمہ: وہ اصل کتاب (لوح محفوظ) میں ہمارے پاس ضرور بلندی وحکمت والا ہے۔

تاریخ نزول قرآن

ہر کتاب میں کتاب کے بارے میں جملہ معلومات کے لیے جو صفحہ لگایا جاتا ہے اسی میں کتاب کی تصنیف اور اشاعت کی تاریخ درج ہوتی ہے، مگر یہاں پر بھی قرآن کریم فضیلت کا حامل ہے کہ اپنی تاریخ نزول اور مہینہ خود بتاتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔ یعنی رمضان میں قرآن نازل کیا گیا۔

قرآن مجید کے دوسرے پارے کی اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن شریف اسلامی مہینہ رمضان میں نازل کیا گیا جو اسلامی سال کا نواں مہینہ ہے۔

اب یہ بات رہ گئی ہے کہ اس کی خاص تاریخ کیا ہے تو اس کے بارے میں بھی ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ یعنی ہم نے قرآن لیلۃ القدر میں نازل کیا۔

اور علمائے کرام زیادہ تر اس بات پر متفق ہیں کہ لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں تاریخ کو ہوتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن شریف رمضان کی ستائیسویں کو نازل کیا گیا۔ پھر آیت آیت اور سورہ کی شکل میں حسب ضرورت وقتاً فوقتاً نازل ہوتا رہا اور یوں تئیس برس میں مکمل ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے قرآن سکھایا

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی مکتب میں تعلیم حاصل کرنے نہیں گئے تھے، اور نہ ہی کسی عالم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔ مگر اس کے باوجود آپ زبردست عالم تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے علم عطا کیا گیا تھا اور علم قرآن بھی اللہ کی جانب سے آپ کو ملا تھا۔ قرآن مجید کے ستائیسویں پارے میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ (سورہ رحمٰن) یعنی رحمٰن نے اپنے حبیب کو قرآن سکھایا۔

حضور نے صحابہ کو قرآن سکھایا

جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سکھایا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت اور صحابہ کو قرآن سکھایا۔ جس کی شہادت قرآن مجید کے دوسرے پارے میں یوں ارشاد ہوتا ہے: كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ (سورۂ بقرہ)

ترجمہ: جس طرح ہم نے بھیجا رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا۔

اسمائے مبارکہ قرآن مجید

حضرات گرامی! اب آپ کی خدمت گرامی میں قرآن مجید کے چند اسم مبارک پیش کیے جاتے ہیں۔ قرآن مجید کا پہلا نام فرقان ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ۔

یعنی برکت والی ذات نے فرقان کو اپنے خاص بندے پر نازل فرمایا۔

دوسرا نام قرآن ہے، ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ۔ یقیناً یہ قرآن پختہ راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔

تیسرا نام تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ۔

یعنی یہ تذکرہ (نصیحت) ہے پرہیز گاروں کے لیے۔

چوتھا نام ذکر الٰہی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی نصیحت کرو، کیوں کہ ذکری (نصیحت) ایمان والوں کو نفع بخشتی ہے۔

پانچواں نام ذکر ہے، جس کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَإِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ۔ بے شک یہ ذکر ہے آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے۔

چھٹا نام تنزیل ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

یعنی بے شک یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔

ساتویں نمبر پر جو مبارک نام آتا ہے وہ احسن الحدیث ہے، قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيْثِ۔ اللہ نے سب سے اچھی بات کا نزول کیا۔

آٹھواں نام موعظت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی۔

نویں نمبر کا نام حکم ہے، ارشاد ربی ہے: وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا۔

یعنی اس طرح ہم نے نازل کیا حکم عربی میں۔

دسواں نام حکمت ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ۔

قرآن مجید کے یہ مختلف نام ہیں، ذیل میں چند اور نام دیے جارہے ہیں، حبل اللہ بھی قرآن کا نام ہے، ارشاد ہوتا ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔

روح بھی قرآن مجید کا نام ہے، جس طرح روح اپنے اجسام کی حیات کا ضامن ہوتی ہے اسی طرح قرآن حیات ارواح کا باعث ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ أَمْرِنَا۔

یعنی اسی طرح ہم نے وحی کی آپ کی طرف روح کی اپنے امر سے۔

ایک نام قصص الحق (حق کے قصے) ہے، ارشاد ہے: إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ۔

یعنی یہ قرآن سچائی کا قصہ ہے، کیوں کہ یہ باطل سے مبرّا اور پاک ہے۔

بیان و بنیان: ارشاد ربانی ہے: هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَتِبْيَانٌ لِّكُلِّ شَيْءٍ۔

ترجمہ: یہ قرآن لوگوں کے لیے بیان ہے اور ہر شئے کا واضح بیان ہے۔

قول فیصل: یہ بھی اسم قرآن ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ۔

یعنی قرآن قول فیصلہ کرنے والا ہے۔

برہان: (دلیل) یہ بھی اسم قرآن ہے: قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔

واقعی تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے دلیل آگئی۔

نور: قرآن سراپا نور ہے، ارشاد ہوتا ہے: وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ أُنْزِلَ مَعَهٗ۔

یعنی اس نور کی تابع داری کرو جو آپ کے ہمراہ نازل کیا گیا۔

حق: قرآن مجید کا اسم مبارک ہے، اللہ تعالیٰ اس طرح ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ۔

یعنی اے لوگو! بے شک تمہارے پاس رب کی طرف سے حق آیا ہے۔

قرآن مجید میں سچائی کی باتیں ہیں، کیوں کہ دین اسلام کی بنیاد ہی سچائی پر ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اسم مبارک قرآن کے ہیں جن کو از روئے طوالت وعظ اور قلت وقت کے یہاں پر لکھنے سے گریز کیا جارہا ہے۔

قرآن کی پاکیزگی

پاکیزگی ایمان کا نصف ہے۔ دنیا کی تمام کتابیں (آسمانی کتابوں کے علاوہ) یہ دعویٰ کرنے سے قاصر ہیں کہ ان کے مطالعے کے لیے پاک ہونا لازمی ہے، مگر قرآن مجید اس بات کا دعویدار ہے کہ میں پاکیزہ ہوں اور مجھے کوئی پلید چھونے کی جسارت نہ کرے۔ 27ویں پارے میں ارشاد ہوتا ہے: لَا يَمَسُّهٗٓ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ اس کو نہ چھوئیں مگر پاکیزہ لوگ۔

حکایت: اوائل اسلام میں اسلام کے شدید ترین دشمنوں میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی سب سے نمایاں اور سرفہرست ہے، بلکہ صاحب اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے۔ ان کی بہادری سارے عرب میں مشہور تھی۔ ایک دن انھوں

نے ہاتھ میں برہنہ شمشیر پکڑی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل پڑے، تا کہ ان کو ہمکنار موت کر کے اسلام کے فتنے کو ختم کر دیں۔ لیکن قدرت تو حضرت عمر کے ہاتھوں اسلام کی آبیاری چاہتی تھی، اور ان کو اسلام کا ہیرو بنانا چاہتی تھی، اس لیے راستے میں چلے جا رہے تھے کہ ایک شناسا سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے پوچھا: اے عمر! کہاں کے ارادے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: آج شمع اسلام گل کرنے جا رہا ہوں، آج خورشید اسلام کو اپنی تیغ سے خاک و خون میں ملانے جا رہا ہوں، اور آج محمد عربی کے پیکر کو خرمن خاک کا ایک جزو بنانے جا رہا ہوں۔

یہ کلام پر بلاغت سن کر وہ شناسا مسکرائے اور بولے: اے عمر! شمع اسلام کو پھر گل کرنا، پہلے اپنے گھر کی خبر لو کہ وہاں شمع اسلام روشن ہو چکی ہے، خورشید اسلام کو اپنی تلوار سے خاک و خون میں پھر ملانا، پہلے اپنے گھر کی خبر لو کہ وہاں اس خورشید کی ضیا پہنچ چکی ہے۔ یہ خورشید وہاں بھی طلوع ہو چکا ہے، محمد عربی کے پیکر کو خرمن خاک جزو بنانا، پہلے اپنے گھر کی خبر لو کہ وہ محمد عربی کا گرویدہ ہو چکا ہے، یعنی تمہارے بہنوئی اور بہن اسلام لا چکے ہیں۔ یہ اطلاع دے کر وہ شناسا تو ہوا کے جھونکے کی طرح نظروں سے کتراس کر گئے۔ مگر اس اطلاع نے، اس خبر نے، حضرت عمر کے پیکر کو برق تپاں بنا دیا، قلب و جگر پر آرے چلنے لگے، لمحہ لمحہ سر سے لے کر پاؤں تک قیامت بپنے لگی، وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس طرح بھی سینہ چاکان چمن سے سینہ چاکان چمن کا ملاپ ہو سکتا ہے، وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ان کی بہن اور بہنوئی اسلام قبول کر لیں گے۔ اس خبر نے جذبات میں آگ لگا دی، ایک ہلچل مچا دی۔ ایک جھٹکے سے مڑے اور اپنی بہن کے گھر کا رخ کر لیا۔ رنگ رنگ میں بجلیاں لیے، قہر و غضب کا سراپا بنے، آندھی و طوفان کی شکل بہن کے گھر جا پہنچے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے خاوند حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب و جگر کو سورۂ طٰہٰ کی نورانی شعاعوں سے منور کر رہے تھے اور سونے کو کندن بنا رہے تھے کہ دروازے پر حضرت عمر چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح پھنکارتے دکھائی دیے۔ حضرت خباب نے ان کو اس حالت میں دیکھا تو فوراً مکان کے ایک گوشے میں چھپ گئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سورۂ طٰہٰ کی جلد کو چھپا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر داخل ہوئے اور غصے

سے بہن سے پوچھا کہ تم کیا پڑھ رہی تھی اور کیا محمد عربی کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی ہو؟ غصہ بڑھا تو بہنوئی کو مارنے پیٹنے لگے۔ قریب تھا کہ وہ جاں بحق ہو جاتے، بہن نے مداخلت کی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لپٹ گئیں۔ اس کشاکش میں آپ مجروح بھی ہو گئیں اور آخر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے: اے عمر! تم خواہ کچھ کرو، ہم اسلام سے نہیں ہٹیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہنوئی کو مارتے مارتے رک گئے اور شعلہ بار نگاہوں سے بہن کو گھورا، مگر بہن کے چہرے پر تو اسلام کے نور کا عکس قلب و جگر سے ہو کے پڑ رہا تھا جس سے نگاہیں خیرہ ہوئیں اور قلب و جگر بھی نرم پڑ گئے۔ قلب و جگر نرم پڑ گئے تو جذبات میں بچی ہوئی ہلچل ختم ہو گئی، دل پر آرے چلنے بند ہو گئے، قیامت سرد پڑ گئی، بدن ڈھیلا پڑ گیا اور بولے: اچھا! ذرا مجھے بھی تو دکھاؤ کہ تم کیا پڑھ رہیں تھیں؟ جواب ملا یہ کتاب سراپا پاکیزگی ہے۔ اس کو چھونے سے پہلے طہارت کرنا لازمی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غسل کیا اور مطالعۂ کتاب میں محو ہو گئے۔ ایک ایک لفظ پڑھتے اور فرماتے بڑی پر وقار کتاب ہے، بڑی عجیب کتاب ہے۔ کتاب کا پڑھنا تھا کہ ایک بار پھر ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ روح بے قرار ہو گئی اور اس کتاب کے لانے والے کے دیدار کے لیے سراپا مشتاق ہو گئے۔ سارے جاہلانہ خیالات بدل گئے اور وہیں سے سیدھے حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پہنچے۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ تبلیغ دے رہے تھے۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ آنے دو۔ آنے والے کو روکا نہیں کرتے۔ حضرت عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ آپ نے پوچھا: اے عمر! کیسے آنا ہوا؟ بولے اسلام قبول کرنے آیا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے آپ کو کلمہ پڑھایا اور حلقہ بگوش اسلام کر لیا۔

جس وقت حضرت عمر نے کلمہ پڑھا، صحابہ کرام کے جوش و خروش کا عالم یہ تھا کہ سب نے اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ مکہ کی ساری وادی گونج اٹھی۔ جب شہر میں یہ خبر پھیلی کہ حضرت عمر نے اسلام قبول کیا ہے تو مشرکین بولے کہ آج اسلام نے ہم سے بدلہ لے لیا ہے۔

حضرات گرامی! یہ واقعہ تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کا، جس کے بیان

کرنے کا مقصود یہ تھا کہ جوں ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کو چھوا اور پڑھا سارے جاہلانہ خیالات بدل گئے اور قلب وجگر اسلام کی روشنی سے منور ہو گئے۔ یہ اعزاز قرآن ہے کہ اس کے چھونے سے دل پاک ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید رہنمائے عالم

دنیا میں کوئی شخص شیکسپیئر کو اپنا رہنما خیال کرتا ہے اور کوئی ہٹلر کی جانشینی کا دم بھرتا ہے، مگر یہ شخص فانی تھے فنا ہو گئے، کیوں کہ یہ تو پھر فانی انسان تھے ان کو فنا ہونا ہی تھا لیکن آسمان سے آئی ہوئی کتابیں بھی ایک قوم یا ایک طبقے کی رہنمائی کے لیے آئیں اور پھر منسوخ ہو گئیں۔ ان کا ناسخ قرآن مجید تھا کہ جس کو سارے عالم کی قیامت تک رہنمائی کرنا ہے۔ انسان تو انسان جن و پری بھی اس سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اس لیے بجا طور پر ہم اس کو رہنمائے عالم کہہ سکتے ہیں۔

قرآن میں دوسرے پارے کی سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ۔

یعنی ماہ رمضان میں قرآن نازل ہوا جو تمام لوگوں کے لیے رہنما ہے۔

قرآن مجید کے حفظ ہونے کا معجزہ

آسمان سے قرآن مجید کے علاوہ چند اور کتب اور صحیفے نازل ہوئے تھے، مگر وہ کسی کو بھی زبانی یاد نہیں تھیں۔ اگر کسی کو پڑھنا مقصود ہوتا تو کتاب کا سامنے ہونا ضروری تھا۔ ہاں! چند اشخاص ایسے تھے جن کو فقط تورات حفظ تھی، وہ اشخاص درج ذیل ہیں:

حضرت موسیٰ، ہارون اور یوشع بن نون اور حضرت عزیر علیہم السلام۔ ان کے علاوہ کسی کو کوئی کتاب یاد نہ تھی، لیکن اس کے برعکس ملاحظہ کریں کہ قرآن حکیم امت محمدیہ کے بعض بچوں کو بھی حفظ ہے۔ اولیائے کرام چھوٹی عمر میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے حفظ قرآن امت محمدیہ کے لیے آسان بنا دیا ہے۔ ستائیسویں پارے میں ہے:

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ۔ ہم نے قرآن کو یاد کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ استاذ العلماء مولانا حکیم محمد نعیم الدین مرادآبادی اور ایک آریہ کے مابین مناظرہ ہوا، آریہ صاحب علم و فضل تھا۔ اس نے مولانا پر اپنی لیاقت اور ذہانت کا رعب جھاڑنے کے لیے کہا کہ مولانا! مجھے تمہارے قرآن کے پندرہ پارے حفظ ہیں، کیا تم کو ہمارے ویدوں سے کچھ یاد ہے۔ مولانا نے فرمایا اور خوب فرمایا کہ میاں! یہ وید اس اعزاز و کمال سے محروم ہیں کہ خود تم کو ہی یاد نہ ہو سکیں۔ اغیار کو یاد ہوں یہ تو دور کی بات ہے۔

☆☆☆

سولہواں وعظ

قرآن مجید جامع علوم اور کامل شفا ہے

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔
مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ ۔
(سورۂ یوسف، آیت:111)

یہ کوئی بناوٹی بات نہیں لیکن اپنے سے اگلے کلاموں کی تصدیق ہے اور ہر شئے کا مفصل بیان۔

حضرت عمر کے ایمان لانے کا واقعہ

حضرت گرامی اوعظ کے شروع میں بیان کی گئی آیت مقدسہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوئی اور بناوٹ سے ماورا یہ بات ہے کہ قرآن میں دنیا کے ہر پیش آنے والے مسئلے کا حل اور مکمل وضاحت موجود ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو اس میں محفوظ نہیں۔ قرآن مجید اپنے جامع علوم ہونے کا دعویدار ہے اور اس دعوے کو متعدد بار قرآن میں دہرایا گیا ہے۔

چودھویں پارے کی سورہ نحل میں یوں ارشاد ہوتا ہے:

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۔

یعنی ہم نے تم پر قرآن نازل کیا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

تفسیر حسینی میں اس آیت کی تفسیر یوں کی گئی ہے:

فرستادیم برتو قرآن روشن برائے ہمہ چیز از امور دین و دنیا تفصیلاً او اجمالاً۔

یعنی ہم نے آپ کی طرف قرآن کریم بھیجا ہے جو تمام دینی اور دنیاوی امور کا تفصیلی، اجمالی اور روشن بیان ہے۔

ایک اور مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ۔

یعنی ہم نے کتاب میں سب کچھ بیان کر دیا، یہاں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

علاوہ ازیں ہمارے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ائمہ کرام اور صحابہ کرام کے نزدیک تو قرآن جامع علوم ہے، جو لوگ اس کو جامع علوم نہیں سمجھتے وہ عقل کے اندھے ہیں، نادان ہیں اور نادان لوگ ہمیشہ خسارے میں رہا کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَكُوْنُ فِتَنٌ قِيْلَ وَمَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا، قَالَ: كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ ۔

(ترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:186، اتقان علامہ سیوطی)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب بہت فتنے برپا ہوں گے۔ عرض کیا گیا کہ ان سے خلاصی کی کیا صورت ہے؟ فرمایا کہ کتاب اللہ ہے۔ اس میں تمہارے اگلوں اور پچھلوں کی خبریں ہیں اور جو تمہارے مابین ہے اس کا حکم ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَعَلَيْهِ بِالْقُرْاٰنِ فَاِنَّ فِيْهِ خَبَرَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۔ (الاتقان، صفحہ 12:6)

یعنی جو شخص علم سیکھنے کا ارادہ کرے، وہ قرآن پاک ضرور پڑھے، کیوں کہ اس میں اولین و آخرین سب کی خبریں ہیں۔

اسی طرح حضرت علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول الیواقیت والجواہر، جلد اول، صفحہ: 17 پر یوں درج ہے: لَوْ تَكَلَّمْتُ لَكُمْ فِيْ تَفْسِيْرِ الْفَاتِحَةِ لَحَمَلْتُ لَكُمْ سَبْعِيْنَ بَعِيْرًا ۔

یعنی اگر تمہارے لیے فاتحہ کی تفسیر بیان کروں تو 70 / اونٹ لاد دوں۔

اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر اس قدر طویل ہے کہ اس سے مرقوم ہونے والی کتابیں 70 / اونٹوں پر آئیں گی۔

سیدنا عبداللہ ابن عباس کا ایک قول الاتقان، صفحہ:12 پر یوں مرقوم ہے:

وَلَوْ ضَاعَ لِيْ عِقَالُ بَعِيْرٍ لَوَجَدْتُهٗ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ ۔

یعنی اگر اونٹ کی رسی گم ہو جائے تو میں اس کو بھی کتاب اللہ میں پالوں گا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ دوران قیام آپ نے فرمایا کہ مجھ سے جو چاہو، پوچھو میں اس کی خبر قرآن مجید سے دوں گا۔ کسی نے سوال کیا کہ کیا محرم

زنبور کو مار سکتا ہے یا نہیں؟ جواب میں امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ ارشاد باری ہے:

مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تمھیں دیں اسے پکڑ لو اور جس سے روک دیں، رک جاؤ۔

مزید رسول پاک کا ارشاد ہے کہ میرے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی پیروی کرنا اور فاروق اعظم نے حکم دیا ہے کہ محرم زنبور کو قتل کر سکتا ہے۔ (اتقان، صفحہ:136)

اس سے دو باتوں کی وضاحت ہوتی ہے:

1- یہ کہ قرآن مجید میں ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔

2- دوسرے نمبر پر یہ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عقل وفراست کی دلیل ہے۔

اسی طرح اتقان، صفحہ:126 پر یہ تحریر درج ہے کہ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز فرمایا کہ جہاں میں کوئی شے ایسی نہیں جس کا ذکر قرآن میں نہ آیا ہو۔ کسی نے ان سے کہا کہ سراؤں کا ذکر کہاں ہے۔ فرمایا اللہ کا ارشاد ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ۔ یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو، جہاں کوئی نہ رہتا ہو اور تمہارا وہاں سامان ہو۔

حضرات گرامی! مندرجہ بالا تحاریر سے یہ بات خورشید پر نور کی طرح واضح ہے کہ قرآن مجید میں ہر شے کا بیان ہے۔ مگر ان سے پورے طور پر وہی آشنا ہو سکتا ہے جس کو اللہ نے بصیرت سے نوازا ہو، ورنہ نہیں۔ دراصل سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ یوں ہی تو نہیں ہو جاتا، اس کے لیے جوہر قابل کی ضرورت ہے۔ طبقات الکبریٰ، جلد اول، صفحہ:149 پر حضرت ابراہیم رسولی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد منقول ہے: لَوْ فَتَحَ اللّٰهُ عَنْ قُلُوْبِكُمْ اَقْفَالَ السُّدَدِ لَاَطَّلَعْتُمْ عَلٰى مَا فِي الْقُرْاٰنِ مِنَ الْعُلُوْمِ وَاسْتَغْنَيْتُمْ عَنِ النَّظَرِ فِيْ سِوَاهُ فَاِنَّ فِيْهِ جَمِيْعَ مَا رُقِمَ فِيْ صَفَحَاتِ الْوُجُوْدِ قَالَ تَعَالٰى مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ۔

یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے بند قفل کھول دے تو تم ان علوم پر مطلع ہو جاؤ جو قرآن مجید میں ہیں اور تم قرآن کے سوا دوسری شے سے بے پرواہ ہو جاؤ گے، کیوں کہ قرآن میں وہ تمام چیزیں ہیں جو کہ وجود کے صفحات میں رقم ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس کتاب میں سب

کچھ بیان کر رکھا ہے۔

حضرات گرامی! یہ بڑے پتے کی بات ہے کہ قرآن مجید اگلے پچھلے تمام اوامر کے بارے میں علم رکھتا ہے، اور ادھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے: اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔

یعنی اللہ نے اپنے حبیب کو قرآن سکھایا۔

اب جب کہ قرآن جامع علوم ہے اور اسی قرآن کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی جامع علوم ہوئے اور ان کا علم ہر شے پر محیط ہے۔ جو انکار کرے گا وہ نادان ہے اور نادان لوگ خسارے میں رہا کرتے ہیں۔ زمانہ ان کی بات تسلیم نہیں کرتا، اس لیے نادانوں سے عرض ہے کہ وہ نادانی نہ کریں۔

قرآن پاک سراپا شفا

قرآن مجید جس طرح جامع علوم ہے اسی طرح ایک ماہر طبیب اور ڈاکٹر بھی ہے۔ اس میں جسمانی اور روحانی ہر بیماری کا مکمل علاج ہے اور ہر مرض سے شفا کے لیے نسخۂ کیمیا موجود ہے کہ جس سے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہوتا ہے اور بیماریوں کو شفائے عاملہ عاجلہ نصیب فرماتا ہے اور انسان کو خوشیوں سے ہمکنار کرتا ہے۔

قرآن مجید کے پندرھویں پارے کی سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا۔

یعنی ہم اتارتے ہیں قرآن سے وہ جو شفا اور رحمت ہیں مومنوں کے لیے اور ظالموں کو نہیں زیادہ کرتا ہے مگر نقصان۔

مندرجہ بالا آیت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قرآن حکیم شفائے کامل اور مطلق ہے، یعنی ہر روحانی وجسمانی بیماری کا علاج ہے۔ روحانی امراض، کفر، حسد، نفاق، کینہ اور بغض وعداوت کے لیے تو قرآن سراپا شفا ہے مگر امراض جسمانی بھی اس سے دور ہو جاتے ہیں۔ یہ بات میرے اپنے ذہن کی پیداوار نہیں، کسی ایرے غیرے کے ذہن کی بھی پیداوار نہیں، بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس بات کی تبلیغ کرتے ہیں۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 391 کی حدیث ملاحظہ ہو:

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ الدَّوَاءِ الْقُرْاٰنُ۔

یعنی حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین دوا قرآن حکیم ہے۔

حضرات گرامی! بیہقی نے شعب الایمان میں واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے آکر یوں عرض کیا: یارسول اللہ! میرے حلق میں درد ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لب اقدس کھلے، فضاؤں میں آبشاروں کا ترنم ابھرا، لقمہ سروری سے زمین وآسمان جھومے اور یوں ارشاد ہوا:

عَلَیْكَ بِقِرَاءَۃِ الْقُرْاٰنِ۔ قرآن کی تلاوت خود پر لازم کرلو۔

اتقان، جلد دوم، صفحہ: ۸۰/ پر ایک اور تحریر یوں مرقوم ہے کہ ابن مردویہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک بار ایک شخص بارگاہ نبویہ میں حاضر ہوا اور یوں گویا ہوا: یا حبیب اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا سینہ درد کرتا ہے۔ گل قدس کی پیاری پیاری پتیوں جیسے ہونٹ وا ہوئے اور یہ حکم سنا کر علاج تجویز فرمایا:

اِقْرَءِ الْقُرْاٰنَ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَشِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ۔

یعنی قرآن مجید تلاوت کرو، اللہ فرماتا ہے کہ قرآن سینوں کی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔

اتقان، صفحہ: 163 پر یوں مرقوم ہے کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار ہم محو سفر تھے، سر راہ راستے کی ایک منزل پر ہمیں قیام کرنا پڑا، وہاں ہمارے پاس ایک لونڈی آئی اور کہنے لگی کہ ہمارے قبیلہ کا ایک سردار ہے جس پر فلاں بیماری کا حملہ ہے، اگر تم میں سے کوئی دم جانتا ہے تو براہ کرم میرے ساتھ آئے۔ اس صورت حال پر ایک شخص ہم میں سے اس لونڈی کی معیت میں سردار کو دم کرنے چلا گیا۔ سردار کے پاس پہنچ کر اس نے سورۃ الحمد شریف کی تلاوت کا دم کیا۔ قدرت الٰہی سے بیمار کو صحت نصیب ہوگئی اور اُسے بیماری سے نجات مل گئی۔ سفر کا مقصد پورا ہونے پر جب ہم واپس آئے تو سارا قصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گویا ہوئے کہ تجھے کس طرح علم ہوا کہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کرتے ہیں، یعنی اس کو حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر تصدیق سے نوازا اور اس کی تردید نہ فرمائی۔

اتقان، جلد دوم، صفحہ: 163 پر ہی ایک اور تحریر درج ہے کہ حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ پر بیماری نے حملہ کیا، آقائے رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری مزاج پرسی کو تشریف لائے اور الحمد شریف پڑھ کر دم کیا۔

حضرات گرامی! مندرجہ بالا سطور میں آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چند قولی وفعلی احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔ اب صحابہ کرام اور بزرگان دین کا اس بارے میں فیصلہ ملاحظہ کریں۔ سب سے پہلے حضرت ابوعبیدہ کا قول ملاحظہ کریں جو اتقان، جلد دوم، صفحہ: 163 پر مرقوم ہے:

قَالَ اَبُوْعُبَیْدَۃَ بْنِ طَلْحَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ عِنْدَ الْمَرِیْضِ وَجَدَ لِذٰلِكَ خِفَّۃً۔ یعنی حضرت ابوعبیدہ بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب مریض کے پاس قرآن پڑھا جائے تو اس سے وہ راحت پاتا ہے۔

تفسیر عزیزی، جلد اول، صفحہ: 165 پر مرقوم ہے کہ امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ، امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص امام شعبی کے پاس حاضر ہوا، اور عرض پیرا ہوا کہ میرے گردے میں درد ہے۔ آپ نے اس سے کہا کہ اساس القرآن پڑھ کر دم کیا کر، وہ شخص اساس القرآن کا مطلب نہ سمجھا اور بولا کہ اساس القرآن کیا ہے؟ جواب ملا، سورۃ فاتحہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کو "اساس القرآن" کہتے ہیں۔

قرآن حاجت روا ہے

اتقان، جلد دوم، صفحہ: 165 پر درج ہے کہ اگر کسی شخص کو حاجت آپڑے اور وہ حاجت روائی کا خواہش مند ہو تو اس کو چاہیے کہ الحمد شریف پڑھے اور اللہ سے مانگے تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور سورۃ فاتحہ کی برکت سے اس کی حاجت روائی فرمائے گا۔

اتقان، جلد دوم، صفحہ: 165 پر یہ بھی تحریر درج ہے کہ حضرت یحییٰ بن کثیر فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح کو سورہ یٰسین کی تلاوت کرے گا، شام تک خوشی اس کی قدم بوسی کرے گی۔ جو شام کو اس کی تلاوت کرے گا تو صبح تک خوشی میں رہے گا۔ مزید ارشاد فرمایا کہ یہ بات ان سے ہمارے علم میں آئی ہے

جنھوں نے اس بات کا عملی طور پر تجربہ اور مشاہدہ (Experiment and observation) کیا ہے۔

قرآن جاں کنی میں آسانی پیدا کرتا ہے

اتقان، جلد دوم، صفحہ: 165 پر ہی دیلمی حضرت ابوذر غفاری سے روایت کرتے ہیں کہ بوقت مرگ عالم نزع میں اگر سورۂ یٰسٓ کی تلاوت کی جائے تو روح آسانی سے جسد خاکی سے نکل جاتی ہے۔ اگر روح آسانی سے نکل جائے تو تکلیف کا احساس باقی نہیں رہتا اور یہ بھی انسان کی تمنا ہے۔ اسی لیے جب کوئی جاں کنی کے عالم میں ہو تو سورۂ یٰسٓ پڑھتے ہیں۔

وقت شب آیت الکرسی کا پڑھنا چوروں سے بچاتا ہے

یہ حدیث اتقان، صفحہ: 164 پر مرقوم ہے اور اس کو عبداللہ بن مسعود نے اس طرح روایت کیا ہے کہ ایک شخص دربار رسالت میں آکر یوں عرض پیرا ہوا: عَلِّمْنِیْ شَیْئًا یَنْفَعُنِیَ اللّٰہُ بِہٖ قَالَ اِقْرَاْ اٰیَةَ الْکُرْسِیِّ فَاِنَّہٗ یَحْفَظُكَ وَذُرِّیَّتَكَ وَدَارَكَ حَتّٰی الدُّوَیْرَاتِ حَوْلَ دَارِكَ۔

یعنی مجھے ایسی شے سکھائیں جس سے نفع حاصل کروں۔ فرمایا کہ آیت الکرسی پڑھا کرو، کیوں کہ وہ تیری اولاد اور تیرے گھر کی حفاظت کرے گی، یہاں تک کہ تیرے گھر کے اردگرد کی بھی حفاظت کرے گی۔

آیت الکرسی شیطان سے بچاتی ہے

حضرات! آپ کے سامنے اب پیش کی جانے والی تحریر مشکوٰۃ، صفحہ: 815 پر مرقوم ہے اور اس کو بخاری نے بھی روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جلیل القدر صحابی رسول تھے، آپ نے اکثر احادیث مبارکہ روایت کی ہیں۔ ایک مرتبہ ماہ رمضان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صدقۂ فطر کا نگراں بنا دیا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری آپ پر ڈال دی۔ حکم کی تعمیل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدقۂ فطر کی حفاظت پر معمور ہو گئے۔ کچھ شب گزاری کہ ایک شخص آیا اور اس نے کھانے کے ڈھیر سے مٹھی بھرنا چاہی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوکس تھے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

جانب سے حفاظت پر مامور تھے، اس لیے غفلت برتنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جونہی آنے والا شخص طعام چرانے کا خواہاں ہوا، آپ نے اس کو پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ میں تجھے ضرور خدمت نبوی میں لے جاؤں گا۔ آنے والے چور نے جواب دیا: یا صحابی رسول! اِنِّیْ مُحْتَاجٌ۔ میں محتاج ہوں وَعَلَیَّ عِیَالٌ اور عیال دار ہوں۔ وَلِیْ حَاجَةٌ۔ اور سخت حاجت مند ہوں۔

یہ سن کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں رحم آیا اور آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ رات گزاری، افق مشرق کے پردۂ سیمیں پر خورشید نے اپنا چہرہ نکالا، رات کا اندھیرا صبح کی روشنی میں ڈھل گیا، حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا: یَا اَبَا ھُرَیْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِیْرُكَ الْبَارِحَةَ۔ اے ابو ہریرہ! گزشتہ رات تیرے چور نے کیا کیا؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض پیرا ہوئے کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے اپنے عیالدار ہونے اور حاجت مند ہونے کی بابت کہا تو مجھے اس پر رحم آگیا اور میں نے اسے آزادی دے دی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَمَا اِنَّہٗ قَدْ کَذَبَكَ وَسَیَعُوْدُ۔

خبردار! اس نے جھوٹ کہا اور وہ پھر لوٹے گا۔

گویا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امر سے باخبر ہو گئے کہ گزشتہ رات کا چور، پھر آئے گا، کیوں کہ ان کو اس امر کی شہادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ دوسری شب چور آیا اور جیسے ہی اس نے طعام چرانے کی کوشش کی آپ نے اسے پکڑ لیا اور بولے کہ آج میں ضرور تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا۔ وہ شخص جو کہ چور تھا، گویا ہوا کہ مجھے چھوڑ دو، میں عیال دار اور حاجت مند ہوں۔ آپ کے دل میں پھر سے رحم پیدا ہو گیا اور آپ نے اس کو اس وعدہ پر چھوڑ دیا کہ وہ آئندہ نہیں لوٹے گا۔ رات گزری صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یَا اَبَا ھُرَیْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِیْرُكَ۔ تیرے چور نے کیا کیا؟

آپ عرض پیرا ہوئے کہ یا رسول اللہ! اس نے کہا کہ میں عیال دار ہوں اور حاجت مند ہوں۔ پھر مجھے ترس آگیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا، اس وعدہ پر کہ وہ دوبارہ نہیں لوٹے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَمَا اِنَّہٗ قَدْ کَذَبَكَ وَسَیَعُوْدُ۔

خبردار! اس نے جھوٹ کہا ہے اور وہ پھر لوٹے گا۔

اس مرتبہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آگاہ کر دیا گیا کہ چور دوبارہ آئے گا۔ دن گزرا اور رات کے سائے پھیلے، دنیا محو آرام ہو گئی۔ لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیدار تھے اور چوکس تھے اور آنے والے چور کے منتظر تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مطابق آنے والا تھا۔ آپ منتظر رہے اور بالآخر آنے والا لمحہ آنے والے چور کو ساتھ لیے آپہنچا۔ یوں ہی چور نے طعام چرانا چاہا کہ آپ نے اسے پکڑ لیا اور فرمایا کہ آج میں ضرور تجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں لے جاؤں گا۔ کیوں کہ تو وعدہ کرتا ہے کہ نہیں لوٹے گا، مگر پھر چوری کرنے آجاتا ہے۔ چور بولا کہ اب کی بار کرم کرو اور مجھے چھوڑ دو۔ میں تمھیں چند کلمات بتاتا ہوں جن کا ورد تیرے لیے سود مند ہوگا۔ جب تو اپنے بیڈ پر بغرض آرام لیٹے تو مکمل آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو، اللہ تعالیٰ تجھ پر ایک فرشتہ مقرر کردے گا جو تیری حفاظت کرے گا اور صبح تک شیطان کو تیرے پاس نہ آنے دے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سودا منظور کر لیا اور اس کی رہائی کے بدلے آیۃ الکرسی کا وظیفہ لے لیا۔ شب اپنا رخت سفر باندھ کر رخصت ہوئی اور دن کے اجالے اہل عالم کے لیے آشکارا ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا أَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ۔ تیرے چور نے کیا کیا؟

آپ عرض پیرا ہوئے کہ یا رسول اللہ! اس نے چند کلمات کے بدلے رہائی طلب کی، میں نے اس کو منظور کر لیا۔ اس نے کہا کہ یہ کلمات تجھ کو نفع دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک وہ جھوٹا ہے مگر اس نے سچ کہا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تجھے علم ہے کہ تین راتیں تیرے ساتھ جس نے گفتگو کی ہے وہ کون ہے؟ آپ عرض پیرا ہوئے کہ نہیں، یا رسول اللہ!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ ابلیس شیطان تھا۔

حضرات گرامی! اس حدیث سے واضح ہے کہ اللہ کے بندے اتنی طاقت کے حامل ہوتے ہیں کہ وہ سرکش جنات پر تسلط جما لیتے ہیں اور اُن کو شیطان پر بھی تصرف حاصل ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ حضور کے عالم غیب ہونے کے بارے میں پتہ چلا کہ آپ کس طرح تیرگیٔ شب میں رونما ہونے والے واقعے سے آشنا ہوتے ہیں، علم رکھتے ہیں کہ چور کون ہے اور اس بات کے متعلق اطلاع دے رہے ہیں کہ چور واپس آئے گا۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم

غیب ہے۔ کئی بار یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم حاصل ہے۔ مگر بعض نادان لوگ انکاری ہیں، ان ہی کے لیے ہر بار یہ بات ثابت کی جاتی ہے، اس امید پر کہ

شاید کہ ترے دل میں اتر جائے میری بات

شاید کہ اس طرح ان کی نجات کے سامان ہو جائیں۔ شاید اس طرح سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہو جائے۔

حضرات گرامی! میرے والد گرامی ایک عابد انسان ہیں، انھوں نے ایک بار مجھے فرمایا کہ بیٹے! ابھی تمہارے بدن کے کسی حصے میں درد ہو تو تم آیت الکرسی پڑھ کر ہاتھوں پر پھونک لو اور ہاتھوں کو سارے بدن پر پھیر لو، ان شاء اللہ درد جاتا رہے گا۔ ان کی یہ بات بعد آزمائش درست ثابت ہوئی۔

☆☆☆

سترہواں وعظ

فضائل قرآن اور آداب تلاوت

حضرات گرامی! اس کائنات فانی میں، اس عالم آب وگل میں ہر شخص ترقی اور عزت کا خواہاں ہے، ہر شخص معاشرے میں پروقار مقام حاصل کرنے کا آرزو مند ہے اور اپنا یہ گوہر مراد حاصل کرنے کے لیے انسان ہزار جتن کرتا ہے۔ سب سے پہلے تو دولت کے حصول کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے نزدیک دولت والا شخص سوسائٹی میں آنریبل و معزز تصور کیا جاتا ہے۔ گویا دولت کو معیار عزت سمجھتا ہے لیکن نادان ہیں واللہ! وہ لوگ جو دولت کو معیار سمجھتے ہیں، اس لیے کہ دولت ڈھلتی چھاؤں، چلتی اڑتی اور پھرتی گڑیا و چڑیا ہے۔ آج اگر میرے پاس ہے تو کل کسی اور کے پاس ہے، یوں ہی کل کسی اور کے پاس ہوگی۔ اس لیے دولت کو عزت کا معیار سمجھنا سراسر نادانی ہے۔ اس لیے بھی کہ جب انسان کے پاس دولت ہو تو عام مشاہدے کے مطابق وہ تعیش پرست بن جاتا ہے، اللہ کو بھول جاتا ہے۔ کسی نے جو یہ کہا ہے کہ اللہ کا نام غریب لوگوں کے دم سے زندہ ہے، اسلام غریب لوگوں کے دل میں جاگزیں ہے، تو واللہ! اس نے بالکل سچ کہا۔ واقعی غریب اللہ کے نام لیوا ہیں، ان ہی کے سینے نور اسلام سے معمور ہوتے ہیں۔ امرا کو تو اپنی دولت گننے، سنبھال کر رکھنے اور خرچ کرنے اور اس میں اضافہ کرنے کے طریقوں پر عمل کرنے کے سوا کوئی کام ہی نہیں ہوتا ہے۔ دولت کی زیادتی کا نقصان باب الزکاۃ میں ثعلبہ بن طالب کے واقعے میں تفصیل سے صفحۂ قرطاس پر بکھیرا جا چکا ہے۔ بہر کیف! یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ دولت کو عزت کا معیار سمجھنے والے حضرات غلطی پر ہیں۔

دوسرے نمبر پر انسان کسی بلند عہدے کا خواہاں اور آرزو مند ہے اور کبھی کبھی چپکے چپکے چھپ چھپ کر بادشاہ بننے کے رنگین خوابوں سے شبستان خیال کو آراستہ کرتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے نزدیک بادشاہ کی بڑی عزت ہوتی ہے، ملک کے سارے لوگ اس کی عزت کرتے ہیں،

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ ازل سے لے کر آج تک جس قدر بادشاہ گزرے ہیں، ان میں بہت کم بادشاہ (جو کہ اللہ پر ایمان لائے ہوئے تھے) عزت سے ہمکنار ہوئے اور اکثریت کا انجام ذلت و رسوائی پر ہوا۔ عزت ان بادشاہوں کو ملی جو عقیدۂ توحید پر تھے، اللہ کے احکام کی پیروی کرتے تھے۔ آج میرے خیال میں بہت کم لوگ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پیروی کرتے ہوں گے۔ ایسی صورت میں اگر انسان ہفت اقلیم کا بادشاہ بھی کیوں نہ بن جائے، پھر بھی اسے عزت نصیب نہ ہوگی۔

حضرات گرامی! یہ تو دنیاوی اعتبار سے چند دلائل تھے جن پر لوگ اعتراض کر سکتے ہیں جن کے منفی پہلوؤں کو اجاگر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ معیار عزت قرآن ہے۔ یہ فضیلت قرآن کو حاصل ہے کہ اس کے پڑھنے اور پڑھانے والے صاحب عزت ہوتے ہیں۔ اس قول کی تصدیق کے لیے مشکوۃ، صفحہ: 183 کی یہ حدیث ملاحظہ کریں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن خود سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ سے قرآن کی فضیلت واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لیے عزت ہے۔ قرآن مجید کے فضائل تو بے شمار ہیں مگر یہاں پر چند احادیث مبارکہ کی روشنی میں بیان کیے جاتے ہیں، ملاحظہ کریں۔ مشکوۃ، صفحہ: 83 کی اس حدیث کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے: عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي الصُّفَّةِ فَقَالَ اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنْ يَّغْدُوَ كُلَّ يَوْمٍ اِلٰى بُطْحَانَ اَوِ الْعَقِيْقِ فَيَاْتِيَ بِنَاقَتَيْنِ كَوْمَاوَيْنِ فِيْ غَيْرِ اِثْمٍ وَّلَا قَطِيْعَةِ رَحِمٍ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُلُّنَا نُحِبُّ ذٰلِكَ قَالَ اَفَلَا يَغْدُوْ اَحَدُكُمْ اِلَى الْمَسَاجِدِ فَيُعَلِّمُ اَوْ يَقْرَاُ اٰيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ نَاقَتَيْنِ وَثَلٰثٌ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ ثَلٰثٍ وَّاَرْبَعٌ مِنْ اَرْبَعٍ وَّمِنْ اَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْاِبِلِ۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم صفہ میں بیٹھے تھے۔ ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کون شخص اس کو دوست رکھتا

ہے جو علی الصباح بازار بطحان وعقیق (مدینہ کے قریب دو شہر ہیں یہاں اونٹوں کی منڈی لگا کرتی تھی) میں جائے اور عمدہ اونٹنیاں لے آئے بغیر کسی گناہ اور قطع رحم کے، ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں سے ہر ایک اس کو دوست رکھتا ہے۔ فرمایا کہ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم میں سے کوئی علی الصباح مسجدوں کی طرف جائے اور تعلیم دے یا پڑھے کتاب اللہ کی دو آیتیں تو دو اونٹنیوں سے بہتر ہیں اس کے لیے اور تین آیتیں تین اونٹنیوں سے اور چار آیتیں چار سے بہتر ہیں اس کے لیے اور ان کے برابر اونٹوں سے بہتر ہیں۔

مشکوۃ، صفحہ: 184 پر درج ذیل حدیث درج ہے: عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ اِلَّا عَلٰى اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ يَقُوْمُ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسد (رشک) دو اشخاص کے سوا کسی پر جائز نہیں۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن پاک عطا فرمایا ہو، اور وہ اسے دن اور رات کی گھڑیوں میں پڑھتا رہتا ہو۔ دوسرے وہ شخص جس کو اللہ نے مال عطا فرمایا ہو، اور وہ اسے رات و دن کی گھڑیوں میں خرچ کرتا رہتا ہو۔

مندرجہ بالا حدیث کے مطابق حسد یعنی رشک جائز ہے مگر دو اشخاص پر۔ مشائخ عظام نے اس کے دو معانی و مطالب بیان کیے ہیں:

1 حسد مجازاً غبط کے معانی میں ہے، واضح ہو کہ غبط رشک کا دوسرا نام ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس بات کی تمنا کرنا کہ جو اللہ نے نعمت کسی کو دی ہے، مجھے بھی ملے قطع نظر اس بات کے دوسرے سے زائل ہو، یعنی دوسرے کے پاس بھی رہے اور اللہ مجھے بھی اپنے خزانے سے دے۔

2- دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر بفرض محال حسد جائز ہوتا تو ان ہی دو افراد پر جائز ہوتا۔

حضرات گرامی! اسی وجہ سے دانش مند لوگ رشک کیا کرتے ہیں کہ رشک کی آگ میں جل کر انسان کندن بنتا ہے اور حسد کی آگ انسان کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔

مشکوۃ، صفحہ: 186 پر ترمذی سے روایت شدہ ایک حدیث یوں مرقوم ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَاَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللهِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ

وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ الٓمّٓ حَرْفٌ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھے گا اس کو اس کے عوض ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہو گی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔

مشکوۃ میں اسی صفحہ پر ترمذی ہی سے روایت شدہ ایک اور حدیث یوں درج ہے:

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَوْ جُعِلَ الْقُرْاٰنُ فِيْ اِهَابٍ لَمَّا اُلْقِيَ فِي النَّارِ مَا احْتَرَقَ۔

یعنی حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور پرنور کو فرماتے سنا کہ اگر قرآن کسی چمڑے میں ڈال دیا جائے تو وہ نہ جلے گا۔

یہ حدیث مبارکہ خوش خبری ہے ان لوگوں کے لیے جو حافظ قرآن ہیں۔ اس طرح کہ انسان کے بدن پر چمڑی ہے اور اگر اس چمڑی کے اندر سینے میں قرآن مجید آجائے تو دوزخ کی آگ بھی کچھ نہیں کرے گی۔

مشکوۃ میں اسی صفحہ پر ایک اور حدیث مرقوم ہے جس کو احمد اور ابوداؤد معاذ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: عَنْ مُعَاذِنِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ضَوْءُهٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا۔

ترجمہ: حضرت معاذ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن پاک پڑھا اور اس پر عمل کرے گا تو روز محشر اس کے والدین کو تاج پہنایا جائے گا، جس کی روشنی نور خورشید سے بھی زیادہ ہوگی دنیا کے گھروں میں۔ تمہارا کیا گمان ہے اس شخص کے بارے میں جو خود اس پر عمل کرے۔

ایک اور حدیث ملاحظہ کریں: عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اِقْرَاْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَاِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَؤُهَا۔ (مشکوۃ، صفحہ: 186، ترمذی، ابوداؤد و نسائی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روز محشر صاحب قرآن یعنی حافظ قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھنا شروع کردے اور (جنت کے درجوں پر) چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں پڑھتا تھا۔ تیرا درجہ منزل وہی ہوگا جہاں تو آخری آیت پڑھے گا۔

مشکوٰۃ صفحہ 187 کی یہ حدیث ملاحظہ کریں: عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَظْهَرَهٗ فَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِيْ عَشَرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ۔ (ترمذی، دارمی)

ترجمہ: حضرت مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن پاک پڑھے اور اس کو یاد رکھے، اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھے، اُسے اللہ جنت میں داخل فرمائے گا، اور اس کے گھر والوں سے ایسے دس آدمیوں کے تعلق سے اس کی شفاعت قبول کرے گا جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہو۔

حضرات گرامی! ابھی آپ نے فضائلِ قرآن کے بارے میں کی گئی تحریر کا مطالعہ فرمایا۔ اب ذرا آدابِ تلاوت کے عنوان کو زیب نظر بنائے کہ خالق حقیقی کا تلاوتِ قرآن مجید اور فرقانِ حمید کے بارے میں کیا ارشاد ہے: وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلًا۔ یعنی قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

خالق حقیقی نے اس مختصر سے کلام میں آدابِ تلاوت کے بارے میں پوری پوری وضاحت فرمادی ہے کہ قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر رموز واوقاف کا خیال رکھتے ہوئے پڑھنا چاہیے نہ کہ فل اسپیڈ پر گاڑی چلا دینا چاہیے۔ اس سے یہ ہوگا کہ قرآن کی تلاوت کے رموز واوقاف کا خیال نہ رکھا جائے تو کبھی کبھی انسان کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے، اس لیے ہر قاریٔ قرآن کے لیے لازم ہے کہ تلاوتِ قرآن مجید کے وقت درج ذیل آداب کا لحاظ رکھے، کیوں کہ بغیر آدابِ تلاوت قرآن مجید بجائے فائدے کے نقصان دے گی، جس سے نہ صرف دنیا بلکہ آخرت بھی متاثر ہوگی۔

آدابِ تلاوتِ قرآن ملاحظہ ہوں

1- ادب کے قرینوں میں سب سے پہلا قرینہ وضو ہے کہ جو انسان کو غلاظتِ حکمیہ سے

پاک کر دیتا ہے۔ واضح رہے کہ غلاظت حکمیہ ایسی غلاظت ہوتی ہے جس کا وجود دیکھنے میں نہ آئے مگر وہ شریعت کے حکم سے ثابت ہو۔ وضو کے تعلق سے قرآن مجید فرماتا ہے: لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ یعنی اسے مت چھوئیں مگر پاک لوگ۔
گویا بغیر وضو قرآن کریم کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔

2- دوسرا قرینۂ ادب مسواک کرنا اور خوشبو لگانا ہے۔ حضرت یزید بن ابی مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اِنَّ اَفْوَاهَكُمْ مِنْ طُرُقِ الْقُرْآنِ وَطَهِّرُوْهَا وَنَظِّفُوْهَا۔
ترجمہ: تمہارے منھ قرآن پاک کے واسطے ہیں، لہٰذا ان کو صاف اور ستھرا رکھو۔
جس طرح ظاہری طور پر پاک ہونا لازمی ہے، بعینہ باطنی طور پر بھی پاک ہونا لازمی ہے۔

3- تیسرا درجۂ ادب اندازِ بیٹھک ہے۔ تکیہ لگا کر قرآن نہیں پڑھنا چاہیے، البتہ کرسی اور ٹیبل پر بیٹھ کر قرآن کریم پڑھا جا سکتا ہے۔

4- قرینۂ ادب یہ ہے کہ قبلہ رو ہو کر بیٹھنا چاہیے، جو سب مجلسوں سے عمدہ مجلس ہے۔

5- قرینۂ ادب ہمیں یہ بتاتا ہے کہ جماہی ایک شیطانی عمل ہے، اس لیے اگر دوران تلاوت جماہی آجائے تو رک جانا چاہیے تاکہ شیطانی اثرات زائل ہو جائیں۔

6- چھٹا قرینۂ ادب تلاوتِ کلام کا آغاز تعوذ اور تسمیہ کرنا چاہیے، مگر جب سورۂ برأت آئے تو تسمیہ سے آغاز نہ کیا جائے۔

7- ساتواں قرینۂ ادب یہ ہے کہ دوران تلاوت کسی بھی فرد سے بلاضرورت گفتگو جاری نہ کی جائے۔

8- آٹھویں قرینۂ ادب یہ ہے کہ ترتیل کا لحاظ کرنا چاہیے۔ قرآن کے کلمات میں تدبر کرنا چاہیے۔ جہاں پر کوئی خوش خبری اور انعام کی بات ہو تو وہاں رغبت کرنا چاہیے اور اگر عذاب کی وعید دی گئی ہو تو ایسی آیات پر خوف پکڑنا چاہیے۔

ذیل میں قرآن کریم کے چند اور تلاوت کے قرینۂ آداب دیے جا رہے ہیں:

9- جب تلاوت ختم کرلی جائے تو یہ پڑھنا چاہیے:
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَبَلَّغَ رَسُوْلُهُ الْكَرِيْمُ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ۔

10- قرآن مجید سورۂ فاتحہ سے آغاز کرنا چاہیے نہ کہ آخری پارے سے۔

11- تلاوت کے وقت قرآن کسی بلند جگہ پر رکھنا چاہیے اور جگہ کا پاک ہونا بھی لازمی ہے۔

12- کائنات میں ہر شئے پرانی ہو جاتی ہے، اس لیے جب قرآن کریم پرانا ہو جائے تو اس کی تدفین کر دی جائے۔ تدفین کے لیے ایسا مقام یا مکان انتخاب کیا جائے جہاں کسی کے پاؤں نہ پڑیں۔

13- قرآن کریم کا مطالعہ، اور قرآن کریم کی تلاوت قرآن دیکھ کر کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: أُعْطُوا أَعْيُنَكُمْ حَظَّهَا مِنَ الْعِبَادَةِ. قَالُوا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا حَظُّهَا مِنَ الْعِبَادَةِ؟ قَالَ: اَلنَّظَرُ فِي الْمُصْحَفِ وَالتَّفَكُّرُ فِيْهِ وَالْاِعْتِبَارُ عِنْدَ عَجَائِبِهٖ۔

ترجمہ: اپنی آنکھوں کو عبادت سے ان کا حصہ دو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! عبادت سے ان کا کیا حصہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قرآن پاک میں نظر کرنا اور اس میں غور و فکر کرنا اور اس کے عجائبات کے وقت عبرت حاصل کرنا ہے۔

مزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَفْضَلُ عِبَادَةِ أُمَّتِي قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ نَظْرًا۔ یعنی میری امت کی افضل عبادت دیکھ کر قرآن کریم پڑھنا ہے۔

14- ایک مرتبہ صاحب لولاک سرکار مدینہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش آوازی سے تلاوتِ قرآن مجید فرما رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شکر ہے اللہ کا کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگوں کی تخلیق کی۔

کیمیائے سعادت، صفحہ: 148 کی اس تحریر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید خوش الحانی سے تلاوت کرنا چاہیے، مگر واضح رہے کہ خوش الحانی میں راگ نہ شامل ہونے پائے اور اس امر کا بھی لحاظ ہونا چاہیے کہ بے ہودہ مقامات اور بازاروں میں قرآن کی تلاوت نہیں کی جائے۔

15- جب قرآن مجید ختم کر لیا جائے تو پھر نئے سرے سے آغاز کر دینا چاہیے اور کم از کم پانچ آیتیں تلاوت کرنا چاہئیں، کیوں کہ جس وقت ہمارے آقائے نامدار احمد مصطفیٰ محمد مجتبیٰ شب اسرا کے دولہا صلی اللہ علیہ وسلم ختم قرآن فرماتے تو نئے سرے کے ساتھ پانچ آیات تلاوت

فرماتے، اس لیے ہمیں بھی کم از کم پانچ آیات تلاوت کرنا چاہئیں اور ختم قرآن کے وقت اپنے اہل کے جھرمٹ میں دعا کرنا چاہیے، کیوں کہ ختم قرآن کی وہ باسعادت گھڑی ہوتی ہے جس میں دعا ہدفِ اجابت کا سینہ چاک کرتی ہے اور سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہوتا ہے۔
(تفسیر صافی، اخیر جلد، صفحہ: 225)

16- دورانِ تلاوتِ قرآن مجید اشک سوئی کرنا چاہیے، اگر اشک سوئی نہ ہو سکے تو کم از کم اس صورت پر ایسے تاثرات ہونا چاہیے جس سے یہ گمان گزرے کہ اشک سوئی کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب کوئی شخص تلاوت قرآن کرے تو اشک بہائے، اگر ایسا نہ ہو سکے تو تکلف کے ذریعے اشک سوئی کی کوشش کرے۔
(کیمیائے سعادت، صفحہ: 199)

حکایت: ایک زمانے میں ایک بزرگ ہوا کرتے تھے، وہ جب بھی تلاوتِ قرآن فرماتے تو تم ظریفی ملاحظہ ہو کہ ان کو لطف نہ آتا، رقت طاری نہ ہوتی، کیف و سرور کے ہلارے نہ آتے، قلب و روح پر سوز و گداز طاری نہ ہوتا۔ وہ بڑے حیران تھے کہ یہ ماجرا کیا ہے، رقت طاری کیوں نہیں ہوتی، روح میں سوز و گداز کیوں طاری نہیں ہوتا، کیف سرور کے ہلارے کیوں نہیں آتے، لطف محسوس نہیں ہوتا کیوں؟ آخر انھوں نے یہ تصور کر لیا کہ وہ خود قرآن تلاوت نہیں کرتے بلکہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مترنم آواز میں قرآن سنا رہے ہیں۔ اس تصور نے ان کو لذت بخشی، کیف و سرور کے ہلارے دیے اور قلب و روح پر سوز و گداز طاری کیا۔ بعد ازاں انھوں نے تصور کیا کہ وہ جبرئیل امین سے قرآن سنتے ہیں۔ اس تصور نے ان کے کیف و سرور میں اضافہ کیا، لذت سوا کی، پھر انھوں نے یہ تصور کیا کہ وہ براہ راست اللہ سے سن رہے ہیں۔ اس تصور نے ان کو کیف و سرور کے ایسے جہانوں کی سیر کرائی جن کی سیر انھوں نے کبھی تمنا نہ کی تھی۔
(کیمیائے سعادت، صفحہ: 151)

اس حکایت کے بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جب ہم تلاوت قرآن کریں تو اس بزرگ کی طرح تصور قائم کریں تو ان شاء اللہ ہمیں بھی کیف و لذت کے البیلے جہان ملیں گے۔

☆☆☆

اٹھارھواں وعظ

اسلام ایک کامل اور عالمگیر مذہب

برادران اسلام! اسلام کے لغوی معانی سر تسلیم خم کرنا، سلامتی چاہنا اور اطاعت کرنے کا ہیں۔ اس دین کو خاتم النبیین رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے۔ اس دین میں ایسا ضابطۂ حیات ہے جو نوع انسانی کی ہدایت اور رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے لسانی بتوں کو پاش پاش کیا، علاقائی اور نسلی تفاخری کے امتیازات مٹائے، بہتان رنگ و خون کو توڑ کر عرب کے سب بدوؤں کو ایک ملت میں ضم کر دیا، افضلیت کا معیار تقویٰ پر رکھا۔ کل تک جو اسلام کے دشمن تھے آج خود اسلام کی زنجیروں میں اسیر ہو کر خوش ہیں۔ اسلام کا حسن کمال ہے کہ ہر احساس پر برتری ختم کر کے مساوات انسانی کا درس دیا۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے رہزنوں کو رہبری کے اصول سکھائے، عصمت کے لٹیروں کو عصمت کا پاسبان بنایا، غلاموں کو سلطانی بخشی اور فرش کی پستیوں میں گرے ہوؤں کو ہمدوش ثریا کیا اور خود آگہی کا درس دیا۔ بلال حبشی، صہیب رومی، ابوذر غفاری، ابوسفیان اموی کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اور ایک ہی آواز سے ہم آہنگ کر دیا۔ صدیق و فاروق اور عثمان و علی جیسی ہستیاں اپنے دامن میں سمیٹیں۔ جنھوں نے آگے چل کر اسلام کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔

اسلام بلا امتیاز نسل و مذہب، رنگ و خون یکساں طور پر سب خلق خدا کی بہتری کا درس دیتا ہے۔ آدمی کو آدمیت اور انسانیت کا درس دیتا ہے۔ واضح رہے کہ آدمیت یہ ہے کہ اگر کوئی جا رہا ہے تو راستے میں اس کو اگر کوئی شخص زخمی حالت میں ملے تو وہ اس کو لے کر اسپتال جائے، وہاں اس کو اپنا خون دے تو سارا عمل آدمیت میں شمار ہوگا۔ مگر انسانیت یہ ہے کہ آپ جا رہے ہیں اور راستے میں آپ کو ایک کتا زخمی حالت میں ملتا ہے، آپ اسے اٹھاتے ہیں، اس کی مرہم پٹی کرتے ہیں اور تندرست ہونے تک اس کی حفاظت کرتے ہیں تو ہمدردی کا یہ سارا عمل انسانیت

کہلائے گا۔ بہر حال! اسلام نے تمام خلق خدا کو انسانیت کا درس دیا ہے۔ اسلام سارے عالم کو صلح و آشتی کا پیغام دیتا ہے۔ یہ پیغام آخری پیغام ہے۔ اسلام ہی انسانیت کے لیے آخری ضابطۂ حیات ہے۔ اس ضابطۂ حیات کے بعد اب فلک سے اور کسی ضابطۂ حیات کا نزول نہیں ہوگا، اس لیے کہ اسلام آخری مذہب اور اس میں انسانیت کے لیے آخری ضابطہ نازل کر دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے خاتم ہیں۔ اس لیے ان کے بعد کوئی اور شخص مقام نبوت پر فائز نہیں ہو سکتا، اسی لیے اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ چوں کہ اسلام عالمگیر مذہب ہے اور یہ ساری انسانیت کی رہنمائی کرتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پسند فرما لیا۔ سورہ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

یعنی آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔

شان نزول: ذوالحجہ کتاب حیات میں سے اپنے نویں باب میں داخل ہو چکا تھا۔ فلک کی چشم تماشا کے ساتھ ساتھ ذوالحجہ نے بھی ایک لاکھ عظیم الشان مقدس ترین لوگوں کا ہجوم دیکھا جو کسی نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ چشم فلک اس تماشا سے اب تک محروم رہی تھی۔ اس مقدس ترین مجمع کے جھرمٹ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میدان عرفات کی گود میں مراسم حج کی تکمیل میں محو تھے کہ جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر حاضر ہوئے اور آپ کو یہ پرنور بشارت دی کہ آج اللہ تعالیٰ کی جانب سے دین اسلام اپنے تمام تر ضابطوں کے ہمراہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام کر دیا گیا ہے اور ہدایت و سعادت کے حقائق اور اسرار و رموز کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نقاب کشائی کر دی گئی ہے۔ جسے ایک لاکھ سے زائد پیغمبران خدا تھوڑا تھوڑا کر کے اقساط کی صورت میں خلق خدا تک پہنچاتے رہے تھے۔ آج اس پیغام کی ساری اقساط قلم و اختتام کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی ہیں۔ آج نبوت و رسالت کے تمام تر تقاضے کی تکمیل ہو چکی ہے اور معرفت الٰہی اور علم حق و رشد و ہدایت کی تمام تر کڑیوں کو آپس میں ملا کر ایک زنجیر کے قالب میں ڈھال دیا گیا۔ جس کو تھام کر نجات کے سارے سامان کیے جا سکتے ہیں اور سینہ چاکان چمن سے سینہ چاکان چمن کا

ملاپ ہو سکتا ہے اور اس سلسلے میں کوئی شئے اور کوئی جزو ایسا باقی نہیں رہا جس کی تعلیم عام کرنے کے لیے کسی نئے ازم کی ضرورت پڑے یا کسی نئے رہبر کی ضرورت محسوس ہو۔

دین کی کاملیت کا یہ اعلانِ الٰہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کی بلند ترین چوٹی پر کھڑے ہو کر مجمع عام کو سنایا اور ایک لاکھ کے مجمع کو تکمیلِ دین کا شاہد بنالیا اور زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ دین اسلام انسان کی تمام تر فرجتوں کا ضامن ہے اس لیے کسی اور دین کی قطعاً حاجت نہیں۔

نادان ہیں وہ لوگ، کم عقل ہیں وہ افراد، بدبخت ہیں وہ قومیں جو اسلام کے ہوتے ہوئے بھی کسی ازم کو اپناتے ہیں اور کبھی کسی ازم کے دروازے پر دستک دیتے ہیں اور کبھی کسی اور ازم کے سامنے دست تمنا دراز کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسلام کی موجودگی میں کوئی دوسرا مذہب قابل قبول نہیں ہوگا، اس لیے کہ اسلام اپنے سے قبل کے تمام مذاہب پر خط تنسیخ پھیر چکا ہے۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ

یعنی جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں زیاں کاروں میں سے ہوگا۔

یہ اس لیے ہے کہ دیگر تمام مذاہب غیر معتبر ہیں۔ کسی میں نسلی تفاخر کا جھگڑا ہے تو کسی میں ذاتی امتیاز کا، جب کہ یہ بات اسلام میں شامل نہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ، بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔

دین اکمل اسلام ہے

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اپنے سے قبل کے تمام انبیا علیہم السلام کے محاسن اپنے اندر رکھتی ہے اور تمام نبیوں کے معجزات اور کمالات سے مزین ہے، مثلاً آپ حضرت عیسیٰ کی طرح نرم خو تھے، حضرت موسیٰ کی طرح پرجوش تھے، حضرت ایوب کا سا صبر رکھتے تھے، حضرت ابراہیم کی طرح راہِ الٰہی میں ہجرت کی، دشمنی اور عداوت کی آگ میں ڈالے گئے مگر پھر بھی دنیا کو ٹھنڈک اور سلامتی کا پیغام دیتے رہے۔ حضرت یونس کی طرح تین دن تک غار ثور میں

رہے اور حضرت سلیمان کی طرح حکومت کی بنیاد ڈالی۔

گویا آپ تمام نبیوں سے افضل واعلیٰ ہیں اور اس طرح آپ کی ہر ادا اور ہر عمل دوسرے نبیوں سے افضل واعلیٰ ہے اور اس طرح آپ کا لایا ہوا دین بھی تمام سابقہ ادیان سے افضل واعلیٰ ہے اور سابقہ ادیان کی تمام تر مکمل تعلیمات اس میں موجود ہیں۔ سابقہ ادیان کے تمام ضابطے اس میں ضم ہیں۔ انجیل یوحنا میں رقم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنا ہیں مگر ابھی تم ان باتوں کو سمجھ نہ پاؤ گے، ابھی تم ان باتوں کو برداشت نہ کر سکو گے۔ جب وہ روح حق تشریف لائے گا، حرا سے اتر کر سوئے قوم آئے گا، اپنے ساتھ نسخہ کیمیا لائے گا اور تم کو سچائی کا پورا پورا راستہ بتائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہوا، نورِ حق، حق کی تصویر لیے تشریف لائے، کاشفِ اسرار ورموز لیے حق تعالیٰ کی کتاب کشائی فرمائی اور وہ اصول اور وہ نکتے صاف صاف کھول کر بیان فرمائے جو آج تک کسی رسول نے نہیں بیان کیے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرماتا ہے:

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔

یعنی تمھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور تمھیں وہ علم عطا فرمایا ہے جس کا تمھیں علم نہ تھا۔

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ایک لاکھ چوبیس ہزار سے ایک کم پیغمبر اس دنیا کی فلاح و بہبود کے لیے آسمان سے مبعوث فرمائے گئے مگر کسی نبی اور رسول نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ سارے عالم کے لیے رسول اور نبی ہے، اس لیے کہ ان کے پاس عالمگیر ضابطۂ حیات کی ایک شق بھی موجود نہ تھی، جب کہ عالمگیر ضابطۂ حیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے۔ آپ کا لایا ہوا ضابطہ سارے عالم کے لیے ہے۔ آپ کا لایا ہوا ضابطہ انس ہی کے لیے نہیں، جنوں کے لیے بھی ہے، جاہل کے لیے بھی ہے، مومن کے لیے بھی ہے اور کافر کے لیے بھی ہے۔ آپ کسی ایک علاقے، ایک قوم یا ایک ملک کے لیے نبی اور رسول بنا کر مبعوث نہیں فرمائے گئے، بلکہ آپ مکمل

ارض وفلک کے لیے رسول بنا کر مبعوث فرمائے گئے۔ قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسول اور نبی ہیں اور وہ سب لوگ آپ کی امت ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ امت دعوت سے تعلق رکھتے ہوں یا امت اجابت کے فرد ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔ (پارہ:12، رکوع:9)

یعنی اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ویسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے، خوش خبری سناتا اور ڈر سناتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

اس طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔

ترجمہ: آپ فرمادیں کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمان اور زمین کی بادشاہی اس کو ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی جلائے اور مارے، تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے اُمّی نبی پر کہ اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ۔

سورۂ نسا میں ارشاد ہوتا ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ وَإِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا۔

یعنی اے لوگو! تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے تشریف لائے ہیں، ان پر ایمان لاؤ اپنے بھلے کے لیے اور اگر تم کفر کرتے ہو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اللہ علم وحکمت والا ہے۔

اس حقیقت کا اظہار سورۂ فرقان میں اللہ تعالیٰ نے یوں کیا ہے:

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا۔

یعنی بڑی حکمت والا ہے وہ جس نے قرآن نازل کیا ہے اپنے بندے پر جو سارے جہاں کو ڈر سنانے والا ہے۔

اسی طرح سورۂ انبیا میں ارشاد ہے: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔

یعنی ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت بنا کر سارے جہان کے لیے۔

حضرات گرامی! اسلام ایک مکمل اور کامل ضابطۂ حیات کا حامل مذہب ہے۔ اس میں انسانی زندگی کے تمام تر پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور ہر پرابلم (مذہبی یا سیاسی، عملی یا معاشرتی یا جس شعبے سے بھی اس کا تعلق ہو) اس کا حل اس میں موجود ہے۔ دین اسلام اس لحاظ سے بھی عالمگیر مذہب ہے کہ اس میں سب کے لیے یکساں درسِ حکمت وعمل موجود ہے۔ اس میں نہ غریب وامیر کا فرق روا رکھا جاتا ہے اور نہ شاہ وگدا کا، اور نہ ادنیٰ واعلیٰ کی تمیز کی جاتی ہے، بلکہ یہ بلا امتیاز ہر قسم کے انسانوں کی یکساں طور پر رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام اس لحاظ سے بھی عالمگیر مذہب ہے کہ یہ انسانی حقوق اور انسانیت کے متعلق تمام ترقیوں کا ضامن ہے۔ دنیا کا کوئی قانون دین اسلام کے مقابل نہیں کیا جاسکتا، وہ قانون خواہ روس کا ہو، امریکہ کا ہو یا پھر ان سے بھی بڑے سپر پاور کا ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے لوگ نادان ہیں، بدبختی ان کے گلے کا ہار ہے، اپنے پاؤں پر وہ خود کلہاڑی مارتے ہیں جو لوگ دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین کے پیچھے بھاگتے ہیں، ان قوموں کا سفینہ ضرور غرق آب ہوگا جو کیمونزم اور دیگر باطلانہ مذاہب کی پیروکار ہیں۔

دین اسلام کے عالمگیر مذہب اور دنیا کے تمام مذاہب سے بہتر مذہب ہونے کے بارے میں سب سے بڑا ثبوت اور سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ مذہب اللہ کا تخلیق کردہ ہے اور اس کو پسند ہے۔ اللہ جو سارے جہانوں کی پرورش کا ذمہ دار ہے، جس کی ربوبیت کسی خاص علاقے یا قوم یا افراد کے لیے مختص نہیں، بلکہ اس کا کرم گلوں پر ہی نہیں کانٹوں پر بھی ہوتا ہے۔ اس کی نظر عنایت نیکوکاروں پر ہی نہیں پڑتی بلکہ گناہ گاروں کو بھی اپنے جلوے دکھاتی ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ اپنی مخلوقیت کے لیے اللہ تعالیٰ کا ممنون اور احسان مند ہے۔ ہمارا رب سارے جہان کا رب ہے اور اس کی ربوبیت بھی عالمگیر ہے اور اسلام اللہ کا تخلیق کردہ اور پسندیدہ مذہب ہے، اس لیے یہ کس طرح عالمگیر مذہب نہ ہوگا۔

اسلام کے عالمگیر مذہب ہونے اور سب مذاہب سے بہترین ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ مذہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گئے ہیں، آپ کی رحمت اللہ کی ربوبیت کی طرح عام ہے اور کائنات کے ہر

ذرے پر اللہ کے کرم کی طرح عام ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ، ہم نے آپ کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ کائنات میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں، اس لیے یہ کیوں کر ممکن ہے کہ آپ کا لایا ہوا دین اسلام سب ادیان سے افضل اور عالمگیر نہ ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ عالم کے لیے رحمت ہیں اور واضح رہے کہ رحمت عالم اس ذات گرامی کو کہتے ہیں جو فرشیوں کو عرشیدگی بخش دے۔ جو حسن الوہیت کے تمام تر جلووں سے انسانوں کو روشناس کرا دے اور پاکیزگی کا نمونہ بنا دے، ان دلوں کو جو کبھی گندگی اور ناپاکی کا مسکن تھے۔ جو دماغ کی ان سوچوں کو بدل دے جن کا بگاڑ سے گہرا تعلق ہوتا ہے، جس کی تعلیم میں ایسی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے اور ایسی عمدگی موجود ہوتی ہے، جو انسان کے لیے قدم قدم پر امن و جنگ کی صورت میں، شاہی و گدائی کے عالم میں، جوانی کے جوش میں، بڑھاپے کے ضعف میں، ضابطۂ حیات ترتیب دیتی ہے اور امن عام کو مضبوط بنیادوں پر استحکام بخشتی ہے اور یہ تمام خوبیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں موجود تھیں۔

اسلام کے عالمگیر مذہب ہونے کے بارے میں تیسری بڑی دلیل یہ ہے کہ عظیم رب نے اپنے عظیم المرتبت پیغمبر کے عظیم دین کو قرآن مجید جیسی انمول اور نادر الوجود کتاب عطا فرمائی جو سب جہان کی کتابوں سے بزرگ و برتر ہے اور جو سارے عالم کی ہدایت کے واسطے ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

یعنی قرآن پاک سب جہانوں کے لیے نصیحت نامہ ہے۔

چوتھی بڑی دلیل یہ ہے کہ اسلام کے پیروکاروں کا مرکز قبلہ وہ ہے جو کہ سارے عالم کے مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (سورۂ آل عمران، آیت:96)

یعنی سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے عبادت کا (مقام) مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے بزرگ والا اور سارے جہان کا رہنما۔

مندرجہ بالا چاروں دلائل کی روشنی میں ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ جب اسلام کو تخلیق کرنے

والے کی ربوبیت عالمگیر ہے، اس کو لانے والے کی عظمت اور رحمت عالمگیر ہے، اس کو عالمگیر کتاب دی گئی اور عالمگیر مرکز دیا گیا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہ عالمگیر مذہب نہ ہو؟ جب اس کے متعلقہ جملہ ہستیاں عالمگیر ہیں تو پھر بالیقین یہ بھی عالمگیر ہے اور جب یہ مذہب عالمگیر ہے تو پھر کہا جا سکتا ہے کہ جو عالمگیر مذہب کو چھوڑ کر دیگر ازم کو اپنا رہبر و مرشد تسلیم کرتے ہیں، کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟

اللہ جل علیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ وہ ہمیں نعمت اسلام سے روشناس کرائے اور ہمارے دلوں میں ہمیشہ اس کی محبت اتنی شدید رکھے، خواہ ہم پر غم و ستم کے اسکائی لیب ہی کیوں نہ گریں، ہمارے پائے استقامت میں لغزش نہ آ سکے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

انیسواں وعظ

اسلام اور اشتراکیت

قرآن مجید کے دوسرے پارے میں ارشاد ہوتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ (سورۂ بقرہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور خطوطِ شیطانی کی پیروی نہ کرو، کیوں کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

برادران اسلام! آج کا یہ دور انسانی ترقی کے عروج کا دور ہے، یہ دور سائنس کا دور ہے مگر اس کے باوجود یہ دور حرص و ہوس کا دور ہے اور افراط و تفریط کا دور ہے۔ کائناتِ آب و گل اپنے معاشی اور اقتصادی ڈھانچے میں سخت رسہ کشی اور گومگو کی کیفیت کا شکار ہے۔ اس دنیائے رنگ و بو میں دو ازم اپنی تمام تر نحوستوں سمیت ساری دنیا پر چھا جانے کے خواہاں ہیں۔ گویا عالمگیر ہونے کے خواب دیکھ رہے ہیں، ایسا خواب جس کی تعبیر کبھی عالم وجود و ظہور میں نہ آئے گی۔ منحوس زدہ نظام دو ہیں جن کا تذکرہ ذیل میں باری باری سے کیا جا رہا ہے:

سرمایہ دارانہ نظام

سرمایہ دارانہ نظام کو ہم خونخوار پسو سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ معاشرے کے غریب، نادار اور محنت پیشہ افراد کا خون اس کے منہ لگ چکا ہے۔ یہ نظام یورپین ممالک کا رہنما ہے۔ یورپین ممالک اس کی پیروی کرتے ہیں مگر اس کی بنیاد میں، اس کے قوانین و اصول میں بے شمار اور انگنت مفاسد پنہاں ہیں۔ آیئے ذرا ہم ان نہاں مفاسد کی نقاب کشائی کی رسم انجام دیں:

لیجیے مکھڑے سے اک ذرا سا نقاب سرکایا ہے تو مکھڑے کی کیفیت سامنے آگئی ہے کہ اس

پر ایسے تاثرات کا بسیرا ہے۔ جن سے خود غرضی اور خود نمائی کے جذبات کی تشہیر ہوتی ہے، اور جو ظاہر کرتے ہیں کہ صاحب صورت جذبۂ ایثار کے زبردست فقدان میں اسیر ہے اور جذبۂ ایثار کا فقدان بڑی بڑی سورما قوموں کو مستقبل کے پر خطر اندھیاروں میں دھکیل دیتا ہے۔ جب کہ جذبۂ ایثار کی فراوانی قوموں کی ترقی کی ضامن اور قوموں کے مستقبل کی روشن دلیل ہے۔ مگر چہرہ چیخ چیخ کر اپنا حال اپنی زبانی سنا رہا ہے کہ مجھ سے دور رہو، کیوں کہ میرا مالک خود غرض ہے، ظالم ہے، عیش پرست ہے اور غایت درجے کا بے مروت ہے۔ چہرے کے اس حصے سے صاف پتہ چل رہا ہے کہ اس چہرے کا مالک کسی شخص کے لیے فائدہ مند ثابت نہ ہو سکے گا، جب کہ یہ اعزاز اسلام کو حاصل ہے کہ وہ ساری نوع انسانی کی بھلائی کا خواہاں ہے۔

لیجیے نقاب ڈھیرے سے اور سرکا دی ہے اور اب چہرے پر دوسری کیفیت کا اظہار ہو رہا ہے۔ ایسے تاثرات بکھیرے ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب چہرہ راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرنے کی سعادت سے محروم ہے، بلکہ وہ بخل جیسے قبیح وصف کا حامل ہے۔ واضح رہے کہ بخل دیمک کی طرح ہے جو انسانی عزت اور وقار کی لکڑی کو منٹوں میں کھا جاتا ہے، جب کہ سخاوت ایک ایسا محمودانہ عمل ہے جس کو بنیاد بنا کر معاشرے کی تعمیر کی گئی ہے۔ جس شخص میں اس محمودانہ وصف کی کمی ہوگی تو وہ دولت کو ایک جگہ مقید کرنے کا باعث بنے گا۔ جس سے یہ ہوگا کہ ایسے لوگ ظالم وقت کی چکی میں پس جائیں گے۔ جن کو معاشرے اور قوم میں غربا ہونے کا آبرومندانہ اعزاز حاصل ہوتا ہے۔ جن کی پیشانی پر غربت و افلاس کا لیبل لگا ہوتا ہے۔ جن کو سرمایہ دار اپنی پیشانی پر رسوائی کا داغ تصور کرتے ہیں اور جو سوسائٹی کے لیے کلنک کا ٹیکہ ہونا گمان کیے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلسَّخِيُّ قَرِيْبٌ مِّنَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِيْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِيْدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِيْلُ بَعِيْدٌ مِّنَ اللّٰهِ بَعِيْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِيْدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِيْبٌ مِّنَ النَّارِ وَجَاهِلٌ سَخِيٌّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيْلٍ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:164)

یعنی سخی اللہ کے قریب، جنت سے قریب، لوگوں سے قریب اور دوزخ سے دور ہوتا ہے، لیکن بخیل اللہ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور دوزخ سے قریب ہوتا ہے، نیز سخی جاہل، بخیل عابد سے زیادہ اللہ کو محبوب ہوتا ہے۔

لیجیے نقاب مکھڑے سے اور سرکادی ہے۔ اب چہرے پر ایک اور کیفیت موجزن ہے جو بتا رہی ہے کہ اس چہرے کے مالک کے اندر شجاعت اور بہادری کا جذبہ نا پید ہے، اس کی جگہ کم ہمتی اور بزدلی نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں، اور واضح ہو کہ جذبۂ شجاعت وہ جذبہ ہے جس کے بل بوتے پر قومیں اپنی بقا کو برقرار رکھتی ہیں اور جب کسی قوم میں بزدلی پیدا ہو جائے تو شکست اس قوم کا مقدر بن جاتی ہے، دشمن اسے آسانی سے زیر کر سکتا ہے۔ کیوں کہ جس قوم کے افراد مال کی قربانی کے جذبے سے محروم ہوں، وہ مال سے پیاری جان کی قربانی کس طرح دے سکیں گے، واضح رہے کہ اپنی آزادی برقرار رکھنے کے لیے خون اور جان کا نذرانہ دینا ہی پڑتا ہے لیکن دولت انسان کے دل میں بزدلی ابھارتی ہے اور اسی بزدلی کا نتیجہ ہے کہ انسان موت سے خوف زدہ رہتا ہے، حالاں کہ وہ ایک اٹل حقیقت ہے۔

اور ذرا سا نقاب سرکا دینے سے چہرہ واضح ہو گیا ہے، مگر پورا نہیں، ابھی کچھ زیر نقاب ہے جو آئندہ قسط میں اٹھایا جائے گا۔ ان اقساط میں نقاب اس لیے اٹھایا جا رہا ہے کہ ہر کیفیت الگ الگ اچھی طرح ملاحظہ ہو سکے۔ بہر کیف! اس مرتبہ یہ کیفیت ظاہر کرتی ہے کہ صاحب چہرہ کے قلب و جگر انسانی ہمدردی سے نا آشنا ہیں، ظلم و ستم اس کا وطیرہ ہے اور اسے انتظار رہتا ہے اس وقت کا جب کہ وہ غربا کا خون چوس سکے۔

حضرات گرامی! سرمایہ دارانہ نظام غربا کے خون سے پل بڑھ کر جوان ہوا، مگر پھر بھی غریبوں کا شکر گزار نہیں، اسے ممنون و احسان مند ہونا چاہیے غریب لوگوں کا کہ ان کے دم سے اس کو پھلنے کا موقع ملا، مگر الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے، یہ پھر بھی غریبوں کا خون چوستا رہتا ہے اور قطعاً لحاظ نہیں کرتا، اگر یہ لحاظ نہیں کرتا تو ہم کیوں لحاظ کریں۔ آیئے ہم اس کے مکھڑے کو نقاب سے یکسر بے نیاز کرتے ہیں، تا کہ سابقہ کیفیات کے علاوہ ذرا اب کیفیات کا نچوڑ دیکھ لیا جائے اور اس کے تمام تر جلووں سے روح و جگر کا شناسا کیا جائے۔

لیجیے چہرہ نقاب سے بے نیاز ہے اور ساری کیفیت یوں بے نقاب ہے کہ صاحب چہرہ دولت کے بل بوتے پر ایک دو نہیں ہزاروں برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے اور دولت، فضول اور لغو کاموں میں خرچ کر کے معاشرے کو تباہی و بربادی سے ہمکنار کرتا ہے۔ بہت سی بری اور ممنوعہ

عادات، مثلاً زنا کاری، شراب خوری اور سگریٹ نوشی کے علاوہ جوا کھیلنا وغیرہ کا عادی ہو چکا ہے اور اس پر فخر محسوس کرتا ہے اور یہ سب مہربانیاں دولت کی ہیں، چوں کہ اس کے پاس دولت ہے، اس لیے اس کو خرچ کرتا ہے، خواہ کوئی مقصد ہو یا نہ ہو۔

اُف اللہ! کس قدر خامیاں ہیں صاحب چہرہ، یعنی سرمایہ دارانہ نظام میں۔

حضرات گرامی! آپ نے سرمایہ دارانہ نظام کے بارے میں کی گئی قلم زنی ملاحظہ فرمائی، اب اشتراکی نظام کے بارے میں عرض کیا جاتا ہے:

نظامِ اشتراکیت

سرمایہ دارانہ نظام کو اگر "خون چوس پشو" کہا جا سکتا ہے تو اشتراکی نظام اس سے بھی زیادہ خطرناک اور خوفناک ہے۔ اس کو ہم خونخوار بھیڑیے کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔ یہ مذہب بھی فاسد مادوں پر تعمیر ہے، یہ مذہب روس اور چین کے عوام پر مسلط ہے اور اس مذہب نے دنیا بھر میں بد امنی کا پرچار کیا ہے، جس سے نہ مذہب محفوظ رہا ہے اور نہ مذہب کے پیروکاروں کی عصمت کا دامن داغدار ہونے سے محفوظ رہ سکا۔ ہمارا پیارا ملک جس کو لاکھوں افراد نے اپنے خون کی قربانی دے کر حاصل کیا تھا، افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ یہاں بھی نظام اشتراکیت کی منہ زور لہریں ہر شئے کو اپنے حلقۂ بہاؤ میں لیے جا رہے ہیں۔ افسوس کہ ہم نے لاکھوں افراد کی قربانی کو نظر انداز کر دیا! ہمیں آواز دے رہی ہیں ارواحِ شہیدانِ وطن، ہمیں پکار رہے ہیں قائدین کہ مسلمانو! کیا اسی مقصد کے لیے ہم نے آزاد ملک حاصل کیا تھا کہ اس میں تم اغیار وں کے نقش قدم پر چلو۔ نہیں ہم نے ملک اس لیے بنایا تھا کہ یہاں مذہبی آزادی کے ساتھ اللہ کے احکام کی پیروی کی جائے مگر کیا تم نے ہمارے مقاصد کی تدفین کر دی اور ہمیں بھلا کر اشتراکیت میں بہہ رہے ہو۔ اللہ کے لیے سنبھلو اور باز آجاؤ، ورنہ تم ایسے مٹو گے کہ تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔

شہیدان وطن کی یہ پکار، قائدین کی یہ آواز ہم سب سن رہے ہیں۔ کبھی اخبارات کے ذریعے اور ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے لیکن سلام ہماری بے حسی کو کہ اس کے باوجود ہم آنکھیں بند کر کے

دہریت یعنی اشتراکیت کے نظام پر چل رہے ہیں۔ ہوس زر نے ہماری ادراک ضبط کر دی ہے اور ہم ہوس زر میں ایسے مبتلا ہوئے ہیں کہ اپنا مذہب تک بھی بیچ ڈالا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے افراد کو معاف نہیں کرے گا جو دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اپناتے ہیں۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق اس لیے کیا کہ اس کی اطاعت کی جائے، اس کے احکام کی پیروی کی جائے اور ہر شئے کا مالک و خالق اسی کو تصور کیا جائے اور خیال کیا جائے کہ اللہ ہی سب کا روزی رساں اور حاجت روا ہے، مگر اشتراکی نظام کا سیاہ کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اس تصور کو مٹا ڈالا ہے۔ ہر شئے کا مالک و خالق اللہ ہے، اس عقیدے کو بھی باطل کر دیا ہے۔ اس طرح کہ روٹی، کپڑا اور مکان حکومت دیتی ہے۔ گویا انسان کا اللہ سے معبودیت کا رشتہ قطع کر کے حکومت سے محکومیت کا رشتہ جوڑا جاتا ہے اور بندے کا اللہ سے یقین اٹھ جاتا ہے۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ اشتراکی نظام کے پیروکاروں کے دو خدا ہوتے ہیں۔ ایک وہ خدا جو سب کا خدا ہے، اس کو برائے نام تسلیم کیا جاتا ہے، اور اصل خدا اپنے لیڈر کو تصور کیا جاتا ہے اور اس کی خدائی مانی جاتی ہے۔

اگر ہم غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اشتراکیت میں شرک موجود ہے۔ شرک جو سب گناہوں سے عظیم گناہ ہے اور اس کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، اسی لیے اللہ نے روزی کے بارے میں فرمایا کہ روزی دینے کا ذمہ دار میں ہوں:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ. مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ. إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ.

یعنی میں نے جن و انسان کی تخلیق کی تا کہ وہ میری عبادت کریں میں ان سے کچھ رزق نہیں مانگتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھانا دیں، بے شک اللہ ہی بڑا رزق دینے والا ہے، قوت والا اور قدرت والا ہے۔

اس آیت میں صاف ظاہر ہے کہ روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اشتراکیت فرماتی ہے کہ نہیں! تمہارا روزی رساں اللہ نہیں ہے بلکہ حکومت ہے۔ اشتراکیت انسان کو خالق مطلق کی محکومی سے نکال کر حکومت کی محکومی میں دے دیتی ہے، اور کہتی ہے کہ اللہ تمہارا خالق حقیقی کیسے ہو سکتا ہے جب کہ روزی حکومت دیتی ہے؟ گویا اشتراکیت اسلام کی نفی کرتی ہے اور جو اسلام کی نفی

کرے وہ کبھی بنی نوع انسان کی فلاح کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ جب انسان حکومت کی محکومی کی زنجیروں میں جکڑ جاتا ہے تو لازمی ہے کہ وہ اپنی خودمختاری، یعنی حق خودداریت سے محروم ہو جاتا ہے اور واضح رہے کہ جس کی خودمختاری جام فنا نوش کر جائے اس کی اخلاقی حالت اور شعور پست ہو جاتے ہیں، کیوں کہ شعور اور اخلاق کا خودمختاری سے گہرا بلکہ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جہاں خودمختاری ہو، وہاں شعور پیدا ہوتا ہے اور جہاں شعور پیدا ہو وہاں اخلاق ہوتا ہے۔ لیکن جہاں خودمختاری نہ ہو وہاں شعور فنا ہو جاتا ہے اور جہاں شعور فنا ہو جائے وہاں اخلاق مٹ جاتا ہے، اور جب انسان میں اخلاق نہ رہے تو اس کی حیثیت شطرنج کے مہرے کی طرح ہوتی ہے جس کو بادشاہ جس طرف چاہتا ہے گھما دیتا ہے۔ اس کی حیثیت مشین کے ایک پرزے کی سی ہوتی ہے جو حکومت کے ہاتھوں محو گردش رہتا ہے۔ گویا اشتراک انسان کو اللہ سے منحرف کرنے کے بعد اس سے اس کا اخلاق بھی چھین لیتی ہے، اور جس قوم میں اخلاق نہ رہے اس کے پاس کچھ بھی نہیں رہتا، اگر کسی انسان کی صحت لٹ جائے تو کچھ فکر کی بات ہے لیکن جس فرد کا اخلاق لٹ جائے تو بڑی فکر کی بات ہے۔ کیوں کہ جس کا اخلاق لٹ جائے اس کے پاس کچھ نہیں رہتا۔

حضرات گرامی! اگر ہم ذرا سا دماغ پر زور دینے کی زحمت گوارا کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس قول میں سرمایہ دارانہ نظام کی نفی کی گئی ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو کوئی بات نہیں اور اشتراکیت کے بارے میں تو یہ کہا گیا ہے کہ یہ نہ ہو تو اچھا ہے، کیوں کہ یہ انسان کا اخلاق چھین لیتی ہے اور اخلاق سے محروم قومیں تباہ ہو جایا کرتی ہیں۔ گویا اشتراک ہر لحاظ سے ہمارے لیے دردسر ہے۔

نظام اشتراکیت معاشی نظام میں بھی تباہی کا ذمہ دار ہے۔ معاشی نظام محنت سے سنورتا ہے اور محنت کا محرک جذبہ حصول دولت ہوتا ہے یعنی لوگ محنت کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ محنت کے عوض حاصل ہونے والا روپیہ ان کا اپنا ہوگا۔ وہ اس کو اپنی مرضی سے جہاں چاہیں خرچ کر سکتے ہیں اور یہ جذبہ ہر شخص میں ہوتا ہے کہ وہ محنت کرے، روپیہ کمائے اور دوسروں سے آگے نکل جائے۔ جب ملک کے تمام افراد کی سوچ اسی ڈگر پر رواں ہوگی تو لازمی امر ہے کہ ہر شخص محنت کرے گا، روپیہ کمائے گا جو آخر ملک میں ہی رہے گا، اس طرح ملک خوشحالی کی راہ پر گامزن ہوگا اور معاشی ترقی کی راہیں استوار ہوں گی۔ لیکن اشتراکیت جذبہ محنت میں فقدان

پیدا کرتا ہے، لوگ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ محنت ہم کریں، کمائیں ہم اور روپیہ لے جائے کوئی اور، اس لیے وہ محنت کرنے سے گریز کرتے ہیں اور ملک معاشی تعطل کا شکار ہو جاتا ہے۔

اس نظام کا موجد یقینی طور پر پاگل تھا، اس کے دماغ کے سب اسکریو ڈھیلے تھے، تبھی تو اس نے اس نظام میں ایسے لوگوں کو ایسے لوگوں کے برابر لانے کی شق رکھی جس کو قدرت صلاحیتوں کی بنا پر الگ الگ رکھتی ہے۔ انسان کمائی ہاتھوں سے نہیں کرتا بلکہ وہ صلاحیت ہوتی ہے جو اس کی فطرت میں ہوتی ہے۔ اسی صلاحیت کو انسان ہاتھوں میں منتقل کرتا ہے اور اس سے روپیہ کماتا ہے۔ ہر انسان میں فطری صلاحیت الگ الگ رنگ میں موجود ہوتی ہے، اس لیے جب الگ الگ رنگ کی صلاحیت کا استعمال کیا جاتا ہے تو کمائی بھی الگ الگ طریق کی ہوتی ہے، مگر اشتراکیت کا کمال ملاحظہ ہو کہ یہ صلاحیت میں تفاوت کو کوئی اہمیت نہیں دیتی، بلکہ کہتی ہے کہ سب انسانوں کو ایک ہی راستے کا راہی ہونا چاہیے اور مساوات قائم ہونا چاہیے۔ کس قدر پاگل تھا وہ شخص جس نے اس نظام کی ایجاد کی تھی، بھلا ایسے کیسے ممکن ہے؟ اس کی مثال تو یوں ہے کہ ایک شخص نے پچاس برس تک سخت محنت اور جدوجہد کی، دنیا کے تجربات سیکھے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ملک کا صدر بنا، اس کے برخلاف کیا ایسے شخص کو صدر بننے کا حق حاصل ہے کہ جس نے اپنی زندگی کے پچاس سال محض دو وقت کی روٹی کھانے میں صرف کر دیے اور وہ تعلیم سے نا آشنا ہو، اُسے دین و دنیا کا کوئی علم ہی نہ ہو، اگر بفرض محال مساوات کا بھرم رکھنے کے لیے اس کو بھی صدر بنا دیا جائے تو کیا وہ امور سلطنت انجام دے سکے گا یا نہیں۔ امور سلطنت اس کی سمجھ میں اس طرح نہیں آئیں گے جس طرح ایک کم سن بچے کی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔ انسانی فطرت جب جدا جدا ہے، صلاحیت کے رنگ الگ الگ ہیں تو پھر درجات میں مساوات کس طرح پیدا کی جا سکتی ہے، بالکل ایسی بات ہے جیسے سورج مشرق سے نکل آئے یا جیسے دریا الٹا رواں ہو جائے، جیسے فلک زمین بن جائے اور زمین فلک بن جائے۔ دراصل سینہ چاکان چمن کا چاکانِ چمن سے ملاپ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب جوہر قابل موجود ہو۔

اشتراکی نظام میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس میں انسانی ضرورت کی ہر شے تمام انسانوں کے لیے مشترک ہے اس لیے اشتراکی حضرات دنیا کی تمام عورتوں کو دنیا کے تمام مردوں کے لیے

مشترک قرار دیتے ہیں اور تمام مردوں کو تمام عورتوں کے لیے مشترک فرمادیا ہے، کیوں کہ اس فلسفے سے عورتوں کی نسوانیت مجروح ہوتی ہے تو مردوں کی مردانگی پر حرف آتا ہے اور غیرت کا جنازہ تو سرعام نکل ہی جاتا ہے۔

دراصل یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ یہ مذہب بھی دیگر مذاہب کی طرح اسلام کا سخت دشمن ہے، کیوں کہ جب ایک مسلمان کی بہن، بیٹی، ماں کسی دوسرے کی آغوش میں ہوگی تو کیا ان سے غیرت موت کا تقاضا نہیں کرے گی؟ ضرور کرے گی، کیوں کہ محبت کی طرح غیرت بھی اندھی ہوتی ہے اور بہری بھی، یہ کوئی جواز نہیں سنتی۔ بس تقاضا کرتی ہے اور تکمیل کی خواہاں ہوتی ہیں۔ جب مسلمان تقاضا کی تکمیل میں موت کو گلے سے لگائیں گے تو کیا اشتراکی حضرات مسلمان عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ اس طرح تو ان کے دلوں کی خواہش پوری ہوگی، وہ خواہش کہ جس کو ان کے آباواجداد اپنے سینوں میں لیے دفن ہو گئے، وہ خواہش یہ ہے کہ اسلام کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ اشتراکی نظام اسلام کے لیے ایک بہت بڑی سازش ہے، لیکن ان کا یہ منصوبہ کبھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکے گا۔ ان کا یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا، کیوں کہ جس کا اسلام ہے وہ اس تماشا کو دیکھ رہا ہے، اور بقول شاعر:

انساں، خدا بننے کی کوشش میں ہے مصروف
لیکن یہ تماشا، خدا دیکھ رہا ہے

غرض یہ کہ اشتراکی نظام فقط روٹی کا پرچار کرتا ہے، خواہ اس کے لیے بے غیرت اور بے حیا ہی کیوں نہ بننا پڑے۔

اسلام کا اقتصادی نظام

اسلام نسلِ انسان کو مساوات کا درس دیتا ہے۔ یوں تو دیگر مذاہب بھی مساوات کا پرچار کرتے ہیں اور اس کے بارے میں ایک شور و غوغا مچا رہے ہیں، لیکن اسلام کا درس مساوات رنگ و نسل، مذہب و قوم اور لسانی و علاقائی امتیازات سے ماورا ہے۔ اسلام سب کے لیے یکساں طور پر مہربان ہے۔ مساوات کی تین قسمیں ہیں:

1- حقوق مساوات

2- قانونی مساوات

3- اقتصادی مساوات

موخر الذکر مساوات فطرت کے خلاف ہے، فطرت کے تقاضوں کی نفی کرتی ہے، اس لیے اسلام نے اس کو مسترد کر دیا۔ البتہ! پچھلی دونوں مساوات چوں کہ فطرت کے تقاضوں کی تکمیل کرتی ہیں، اس لیے اسلام نے ان پر سختی سے کاربند رہنے کی تلقین فرمائی۔ آیئے ذرا ان کا ذرا سی دیر کے لیے جائزہ لیں:

حقوق مساوات

ہر انسان پر کچھ نہ کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں اور یہ کہ ہر انسان کے کچھ نہ کچھ حقوق بھی ہوتے ہیں۔ فرائض مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کے مختلف ہوتے ہیں، مثلاً ایک سی ایس پی پر عائد شدہ فرائض ایک معمولی کلرک انجام نہیں دے سکتا، لیکن جو حقوق سی ایس پی کو حاصل ہیں وہ کلرک کو بھی حاصل ہیں۔ اگر سی ایس پی خود پر ظلم کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کر سکتا ہے تو کلرک بھی اس قانونی چارہ جوئی کا مجاز ہے، اگر ایک شخص اونچے خاندان کا نیویارک میں زمین خرید سکتا ہے تو غریب شخص پر کوئی پابندی نہیں کہ وہ ایسا نہ کرے، اگر کوئی امیر شخص بہترین لباس زیب تن کر سکتا ہے تو غریب کو بھی پورا پورا حق حاصل ہے کہ وہ چاہے تو ایسا کرے، اگر کالے رنگ کے انسان کو صلاحیت کے باوجود کسی جگہ ملازمت نہیں تو گورے رنگ کے شخص کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ محض اپنے گورے رنگ کی بدولت بغیر صلاحیت کے ملازمت کا حصول کرے، اگر گورے کو یہ حق مل سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ کالے کو اس حق سے محروم کیا جائے، اگر ایک بادشاہ شاہی مسجد میں نماز ادا کر سکتا ہے تو ایک گدا بھی اس مسجد میں نماز ادا کر سکتا ہے۔ اسلام کے اسی طرز مساوات پر اقبال نے کہا تھا:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

قانونی مساوات

اسلامی قوانین بھی رنگ و نسل، مذہب و ملت اور لسانی و علاقائی امتیاز سے برتر و اعلیٰ ہے۔ اس میں کسی کا لحاظ نہیں کیا جاتا، صرف جرم کی نوعیت دیکھی جاتی ہے، مثلاً اگر زنا کا ارتکاب غیر شادی شدہ فقیر کرتا ہے تو اس کو 100 درّے لگائے جائیں گے اور اگر یہی جرم غیر شادی شدہ بادشاہ کرتا ہے تو وہ بھی 100 درّوں کا مستحق قرار پائے گا۔

عہد رسالت کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ بنوسعد کی ایک عورت نے چوری کرلی، بنوسعد کا قبیلہ معزز تصور کیا جاتا تھا اور وہ عورت بھی مالدار تھی، لوگ یہ چاہتے تھے کہ چوں کہ وہ معزز ہے، اس لیے اس کی سزا میں تخفیف ہونا چاہیے، لیکن کسی فرد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کرنے کی جسارت نہ ہوئی۔ لوگوں نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ عرض کرنے کے لیے تیار کرلیا۔ چنانچہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! چوں کہ یہ عورت معزز ہے، اس لیے اس کی سزا میں تخفیف کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چاندی پیشانی شکن آلود ہوگئی اور آپ نے فرمایا: واللہ! اگر میری بیٹی فاطمہ بھی یہ جرم کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیتا، پھر آپ نے مزید فرمایا کہ تم سے پہلے قومیں فقط اسی واسطے تباہ ہوئیں کہ وہ اپنے صاحب حیثیت لوگوں کو سزا نہیں دیتی تھیں اور غریبوں کو سزا دے دیا کرتی تھیں۔ چنانچہ پھر کسی کو اعتراض کی جسارت نہ ہوئی اور حکم شریعت پر عمل کیا گیا۔

اسی طرح اگر کوئی گدا اگر قتل کرے گا تو اس کو مقتول کے بدلے قتل کیا جائے گا اور اگر کوئی بادشاہ قتل کرے گا تو اس کو بھی مقتول کے بدلے قتل کر دیا جائے گا۔ اس کی ایک بہترین مثال حال ہی میں سامنے آئی ہے، اس طرح کہ ملک پاکستان کے ایک سابق کمیونزم ذہنیت کے بادشاہ نے اپنے ایک سیاسی حریف کو قتل کروادیا، پھر اس کی حکومت کا تختہ الٹا گیا، عدالت میں اس پر مقدمہ چلایا گیا اور جرم ثابت ہونے پر سزائے موت کا حکم سنا دیا گیا۔

اس تعلق سے ارشاد باری ہے: اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى۔

ترجمہ: آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔

معیشت مساوات سے خالی ہے

نظام کائنات چلانے کے لیے معیشت میں فرق لازمی ہے، اس لیے اس کو باقی رکھا گیا ہے۔

سورۂ زخرف میں ارشاد ہوتا ہے: أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ۔

ترجمہ: کیا کہ تمہارے رب کی رحمت وہ (کفار) بانٹتے ہیں، ہم نے ان کی زیست کا سامان دنیا کی زندگی میں بانٹا اور ان میں سے ایک دوسرے پر درجوں کے لحاظ سے بلندی کر دی۔

سورۂ نسا میں ارشاد ہوتا ہے: وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔

ترجمہ: اس کی آرزو نہ کرو جو اللہ نے تم میں ایک کو دوسرے پر بڑائی دی۔

سورۂ نحل میں ارشاد ہوتا ہے: وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔

یعنی اللہ نے تمھیں ایک دوسرے پر رزق میں بڑائی دی تو جن کو بڑائی دی ہے وہ اپنا رزق اپنی باندیوں اور غلاموں میں پھیر دیں گے۔ وہ سب اس میں برابر ہیں، کیا تم اللہ کی نعمت سے انکار کرتے ہیں؟

اس طرح متعدد آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فطری نظام کے تقاضوں کی تکمیل کی خاطر معیشت و روزی میں مساوات نہیں رکھی۔ البتہ! کمائی کرنے کی حدود مقرر کر دی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال کمائی کرنے والا اللہ کا دوست ہے، اگر حدود مقرر نہ کی جاتیں تو یہ ہوتا کہ امیر امیر ہو جاتا اور غریب غریب ہو جاتا۔ اس طرح معاشرے تعطل کا شکار ہو جاتا ہے۔

اشتراکیت کا غلط نظریہ

اشتراکیت انفرادی اور شخصی املاک ہے اور یہ بات اسلام اور قرآن کے اصولوں اور نظریات کی نفی کرتی ہے۔ اسلام نے ہر قابل کے لیے شخصی ملکیت کو جائز قرار دیا ہے۔

سورۂ رعد میں ارشاد ہوتا ہے: اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ

الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ۔

ترجمہ: اللہ جس کے لیے چاہے رزق کشادہ اور تنگ کر دیتا ہے اور کافر دنیا کی زندگی پر اترا گئے اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابل نہیں، مگر کچھ دن برت لینا۔

اسی طرح سورۂ شوریٰ میں ارشاد ہوتا ہے: لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

ترجمہ: اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں، وہ روزی وسیع کرتا ہے جس کے لیے چاہے اور تنگ فرماتا ہے، بے شک وہ سب کچھ جانتا ہے۔

سورۂ روم میں ارشاد ہوتا ہے: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ۔

ترجمہ: کیا انھوں نے دیکھا کہ اللہ رزق وسیع فرماتا ہے جس کے لیے چاہے اور تنگی فرماتا ہے جس کے لیے چاہے۔

معاشی نظام کو بہترین بنانے کے زریں اصول

اقتصادی نظام میں توازن برقرار کرنے کے لیے، امیر و غریب کو باہمی جنگ سے بچانے کے لیے اور طبقاتی کش مکش ختم کرنے کے لیے اسلام نے کچھ اصول ترتیب دیے ہیں۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے: وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ۔

ترجمہ: ماں باپ سے حسن سلوک کرتے رہو، نیز رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے بھی۔

مزید ارشاد ہوتا ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ۔

ترجمہ: تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچ سکو گے جب تک اللہ کی راہ میں اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو اور تم جو خرچ کرتے ہو تو وہ یقیناً اللہ جانتا ہے۔

سورۂ ذاریات میں ارشاد ہے: وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔

ترجمہ: ان کے مالوں میں منگتا اور محروم کا حصہ ہے۔

زکاۃ

اسلام نے دولت کو منجمد کرنے کو پسند نہیں کیا اور اس کو پسند کیا ہے کہ دولت ایک جگہ منجمد نہ رہے بلکہ غریبوں اور مسکینوں تک پہنچتی رہے۔ اس واسطے قانونِ میراث کا اجرا کیا گیا اور زکاۃ نافذ کی گئی اور زکاۃ کے مصارف بھی بیان فرمائے۔ سورۂ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ.

ترجمہ: زکاۃ ان لوگوں کے لیے ہے جو محتاج اور نرے نادار ہیں، جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض داروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کو، یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

دولت مندوں کو عیاشی سے ممانعت کردی گئی

حضراتِ گرامی! ہر شئے کے جہاں کچھ فائدے ہوتے ہیں وہاں کچھ نقصان بھی ہوتے ہیں، دولت جہاں انسان کو معاشی طور پر خوشحال بناتی ہے وہاں انسان کے اخلاق کو تباہ کرنے کا باعث بھی بنتی ہے، دولت کی فراوانی انسان کو تعیش پرست بنا دیتی ہے، جس سے یہ ہوتا ہے کہ حق مندوں کے حقوق ضائع ہو جاتے ہیں، حق داروں کو ان کا حق نہیں ملتا اور وہ اپنے حق سے محروم رہ جاتے ہیں اور حق داروں کو حق نہ ملے تو زندگی بدمزہ محسوس ہوتی ہے۔ ان کے دکھ درد میں شرکت کے لیے، ان کے درد کو محسوس کرنے کے لیے اسلام نے امرا کو حکم دیا کہ وہ اپنی دولت عیاشی میں استعمال مت کریں، فضول خرچ مت بنیں اور اپنی دولت رفاہِ عامہ کے لیے استعمال کریں۔

سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے: وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۔ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا۔

ترجمہ: رشتے داروں کو ان کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اور فضول نہ اڑاؤ، بے شک فضول اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

برادرانِ اسلام! قصہ مختصر یہ ہے کہ اسلام کے اصول، اشتراکیت کے اصولوں سے ہر لحاظ سے اور ہر زاویے سے اچھے، برتر، بہترین اور افضل و اعلیٰ ہیں۔ اسلام کے اصول بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے ضامن ہیں، اسلام کے اصول انسان کو خالقِ حقیقی سے روشناس کراتے ہیں، جب کہ اشتراکیت کے اصول بنی نوع انسان کی عموماً اور اسلام کی خصوصاً تباہی کے ذمے دار بننے کی کوشش میں مصروف ہیں، اشتراکیت کے اصول انسان کو اس کے خالقِ حقیقی سے بیگانہ کر دیتے ہیں۔ اسلام حیا کا اہتمام مقرر کرتا ہے جب کہ اشتراکیت انسانوں کو بے غیرت بنانے پر تلا ہوا ہے۔ ہم مختصر طور پر یوں کہہ سکتے ہیں کہ اشتراکیت سراپا جہالت ہے، سراپا تباہی ہے، سراپا بے غیرتی ہے اور سراپا بیگانگی ہے، جب کہ اسلام اس کے برعکس سراپا نور ہے، سراپا فلاح ہے، سراپا حیا ہے، سراپا آشنائی ہے، اس لیے جو شخص ایک اعلیٰ مذہب کو چھوڑ کر خود اپنی تباہی کی جانب گامزن ہو تو، پھر اُسے جاہل و نادان نہ کہا جائے گا تو پھر کس نام سے پکارا جائے گا۔

دراصل ظہورِ اسلام ہی سے اسلام کے سب دشمن ہو گئے تھے اور اس وقت سے اس کو ختم کرنے کی سرتوڑ کوششیں ہونا شروع ہو گئیں تھیں، دشمنانِ اسلام نے اس کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے اس کے راستے میں ہزاروں رکاوٹیں کھڑی کیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنی غیرت کی سربازار نیلامی کی لیکن ان تمام تر کوششوں کے باوجود اسلام کو ختم کرنے کی ان کی ہر کوشش ناکام ثابت ہوئی، اپنی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو اسلام پاؤں کی ہلکی سی ٹھوکر سے دو نیم کرتا رہا، ہر قدم پر اپنے دشمنوں کی کوششوں کا مذاق اڑاتا رہا، بڑھتا رہا، پھولتا رہا اور عروج کی منازل طے کرتا رہا اور یوں ہی بڑھتا رہے گا، پھولتا رہے گا اور عروج کی منازل طے کرتا رہے گا، جو اس کی راہ میں آتے رہیں گے، جہنم رسید ہوتے رہیں گے اور اس کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ بالآخر کوئی راہِ فرار نہ پا کر اس کے قدموں میں سرنگوں ہو جائیں گے، اپنی نجات کے سامان کر لیں گیں اور سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

☆☆☆

بیسواں وعظ

آدابِ مہمان داری

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۔ (سورۂ بقرہ:215)

ترجمہ: تم سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ تم فرماؤ کہ جو کچھ مال نیکی میں خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور قریبی رشتے داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور راہ گیروں کے لیے ہے اور جو بھلائی کرو، بے شک اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

مہمان نوازی سنت انبیا ہے

برادرانِ اسلام! مہمان اللہ کی نعمت اور رحمت ہوتا ہے اسی لیے جملہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام مہمان کی خاطر مدارات میں دلچسپی لیتے تھے، اس طرح سے مہمان نوازی سنت قدیمہ ٹھہری۔ ہمارا مذہب اسلام ایک طرف ہم کو ہمارے فائدے اور ہماری بھلائی کے واسطے عبادات کی ادائیگی کی تاکید فرماتا ہے، تو دوسری طرف اس نے ہمیں تاکید فرمائی ہے کہ ہم اپنے اہل وعیال کی کفالت احسن طریقے سے کریں، نیز اپنے دل کو فراخ کرتے ہوئے اپنے دسترخوان کو بھی فراخ کریں، تاکہ مہمانوں کی بھی خاطر مدارات ہوجائے۔

حکایت: نزہۃ المجالس، صفحہ:181 پر اس مفہوم کی ایک عبارت درج ہے کہ آج سے سیکڑوں برس قبل جب کہ چشم فلک اللہ کے پیارے پیغمبر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے عہد نبوت کی تابانیوں سے خود کو تراوت کے سامان بہم پہنچا رہی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام کے یہاں ایک بار ایک مہمان آیا، آنے والا مہمان مجوسی تھا، وہ اللہ کی وحدانیت کا قائل نہ تھا۔ حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے اس کی خاطر مدارات کی، اس کی تواضع کے لیے اس کو کھانا دیا اور ساتھ ہی اسے نوید توحید دینے لگے۔ فرمانے لگے کہ تم مجوسیت کو چھوڑ کر اللہ وحدہٗ لاشریک کے حضور سربسجود ہوجاؤ، شرک کو چھوڑو اور اللہ کی وحدانیت کے صدق دل سے قائل ہوجاؤ۔ یہ نوید توحید اس مجوسی کے مزاج پر گراں گزری اسے یہ بات بہت بری لگی، اس نے کھانا تناول کرنا چھوڑ دیا اور واپس چلا گیا۔

عرش بریں پر اللہ تعالیٰ بھی اس نظارے کو ملاحظہ فرما رہا تھا، اس نے جب ملاحظہ فرما لیا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے رویے کی وجہ سے مجوسی واپس جا رہا ہے تو اس نے خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس جبرئیل علیہ السلام کو یہ وحی دے کر بھیجا کہ اے ابراہیم! گوکہ یہ شخص کافر ہے مگر اس کے باوجود میں اس کے رزق کا کفیل ہوں اور مجھے اس کی کفالت کرتے پورے چالیس سال گزر گئے ہیں اور تم نے صرف ایک وقت اس کو کھانا کھلایا اور اس کے بدلے اس کے دین کا سودا کرنا چاہتے ہو۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اس پیغام سے، اس کلام سے اور اس وحی سے بہت کچھ سمجھ گئے اور فوری طور پر روٹھ جانے والے مجوسی کی تلاش میں نکل پڑے، چوں کہ آپ کے دل میں خلوص تھا، اس لیے تلاش کامیاب رہی اور مجوسی آپ کو مل گیا۔ آپ نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا، اس واقعے سے اس پر خاص اثر ہوا، اس کے دل میں جذبۂ توحید بیدار ہوا، کفر وشرک کے خلاف نفرت جاگی اور دل میں سچائی جاگزین ہوئی اور اس نے حیات معاصی سے کنارہ کشی اختیار کی اور اقرار توحید کرلیا، پھر واپس آکر ابراہیم علیہ السلام کے دسترخوان پر کھانا تناول کیا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی مہمان نوازی کے بارے میں کیمیائے سعادت، صفحہ:172 پر درج ہے کہ ان کی مہمان نوازی اس قدر درجۂ عروج پر تھی کہ جب تک کوئی مہمان ان کے دسترخوان پر نہ ہوتا تھا وہ اس وقت تک کھانا تناول نہ فرماتے تھے اور کبھی یہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ کھانا کھا کر مطمئن ہوجاتے تھے، بلکہ مہمانوں کی تلاش کرتے تھے اور اس سلسلے میں دو دو میل تک آبلہ پائی کی زحمت گوارا فرماتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قدر مہمان نواز تھے کہ مہمان کے بغیر ایک وقت (صبح یا شام) کا کھانا بھی تناول نہیں کرتے تھے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:106 پر درج ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وقت وصال قریب آیا، ایسے عالم میں آپ کے لختِ جگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے سوال کیا کہ ابا جان! وہ کون سا عمل ہے جس نے آپ کو اس مرتبہ تک پہنچایا کہ آپ اللہ کے خلیل بن گئے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ بیٹے! میں اللہ کا خلیل اس طرح بنا کہ ہمیشہ تین باتوں کا خیال رکھا: اول یہ کہ میں نے ہر ایک کے حکم کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر قربان کر دیا اور ہمیشہ اُسی کی اطاعت کی۔ دوم یہ کہ اپنے تمام کام کفالتِ الٰہی پر چھوڑے رکھے۔ سوم یہ کہ میں نے کبھی مہمان کے بغیر دن یا رات کا کھانا نہیں کھایا۔

کیمیائے سعادت، صفحہ:172 پر درج ہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب بھی ان کے مزارِ انور میں ان کی رسمِ مہمان نوازی باقی ہے اور آج تک کوئی شب ایسی نہیں گزری کہ جس میں مہمان نوازی نہ کی جاتی ہو، اور بعض اوقات تو مہمان نوازی کی تعداد سو سے تجاوز کر کے دو سو تک بھی رسائی حاصل کر لیتی ہے۔ وہاں کے ایسے لوگوں نے جن کو اللہ نے مال و زر سے نوازا ہے اس مقصد کے واسطے کئی گاؤں مقرر کر رکھے ہیں۔

حضرات گرامی! اس کائنات ارضی و سماوی میں سب سے محترم، مکرم، بزرگ اور برتر ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو کہ رسول اللہ ہیں اور جن کو سارا زمانہ انسانیت کے عظیم محسن، عظیم انقلاب کے داعی، امین، صادق، رہبر، سپاہی، سپہ سالار اور معلم اخلاق کی حیثیت سے جانتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان جملہ خوبیوں کے حامل تھے جو اُن سے قبل کسی کو نہ دی گئیں نہ ان کے بعد کسی کو دی جائیں گی، یعنی آپ کی ذات گرامی جامعیت اور اکملیت کی حامل تھی۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے عالموں سے بڑھ کر مہمان نواز تھے۔ یہاں تک کہ آپ مہمان کی خاطر مدارات کے لیے قرض لے کر بھی کھانا تیار فرماتے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ایک مرتبہ مہمان آیا۔ اتفاقاً اس دن محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ شب اسرا کے دولہا صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ایسے لوازمات نہیں تھے جن سے مہمان کی تواضع اور خاطر مدارات کی جاتی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خادم حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ فلاں یہودی کے پاس جاؤ اور اسے ہماری طرف سے یہ پیغام دو کہ آج

ہمارے یہاں مہمان آیا ہے اور ہمیں اس کی خاطر مدارات کے لیے آٹا قرض کے طور پر دیا جائے۔ ہم ماہ رجب میں قرض واپس دے دیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ سے یہ حکم پا کر حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعمیل حکم کی غرض سے اس یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو حکم عالیہ سے مطلع کیا۔ یہودی چوں کہ اسلام کا دشمن تھا اس لیے وہ یوں گویا ہوا کہ آٹا حاصل کرنا چاہتے ہو تو میرے پاس کوئی شے گروی رکھو، اگر تم میرے پاس کوئی شے گروی نہ رکھو گے تو قرض حاصل نہ کر سکو گے۔

حضرت ابو رافع ناکام لوٹ گئے اور بارگاہ رسالت میں آ کر صورت حال کی وضاحت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ واللہ! ہم زمین میں امین ہیں اور آسمانوں میں بھی امین ہیں، اگر وہ قرض دے دیتا تو ہم ضرور اُسے ادا کر دیتے۔ چلو کوئی بات نہیں، اب ہماری زرہ لے جاؤ اور اُسے گروی رکھ کر قرض کا آٹا لے آؤ۔ چنانچہ ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ مبارک لی اور یہودی کے پاس گروی رکھ کر آٹا لے آئے، اور یوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان کی تواضع کی خاطر قرض پر آٹا لیا اور ہمیں عملی طور پر درس دیا کہ مہمان کی خدمت میں کسی قسم کا دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ 172)

اکرام و احترام مہمان

حضرات گرامی! ایک بار اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی مہمان نوازی کے امتحان کا ارادہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے دس بارہ ملائکہ کو اس مقصد کے لیے منتخب فرمایا اور ان کے سپرد یہ امر کر دیا۔ چنانچہ وہ ملائکہ زمین پر آئے، انھوں نے اپنے نورانی پیکر کو انسان کے خاکی لبادے میں چھپایا اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی خدمت گرامی میں حاضری دی۔ چوں کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے، انھوں نے ان ملائکہ کو مہمان بنایا اور تقاضاہائے مہمان نوازی کی تکمیل کی خاطر انھوں نے ایک خوب تندرست، صحت مند اور موٹا تازہ بچھڑا ذبح فرمایا تاکہ مہمانوں کی تواضع کی جا سکے۔ انھوں نے گوشت اچھی طرح سے بھونا اور مہمانوں کے سامنے رکھا تاکہ وہ تناول فرمائیں۔ مہمان انسان نہیں تھے، ملائکہ تھے اور اللہ نے ملائکہ کو کھانے پینے سے بے نیاز رکھا ہے، اس لیے وہ کیسے کھا سکتے تھے،

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس طریق سے مہمان نوازی کے تقاضوں کی تکمیل کی اور میزبانی کا حق ادا کیا وہ اس امر کا شاہد تھا کہ آپ امتحان میں کامیاب گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس مہمان نوازی اور میزبانی کا تذکرہ کلام مجید کی سورۂ ذاریات میں یوں کیا ہے: هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ۔ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ۔ فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ۔ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ۔ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ۔

ترجمہ: اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تمہارے پاس سیدنا ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے معزز مہمانوں کی خبر آئی، جب فرشتے اس کے پاس آ کر بولے کہ سلام، کہا سلام، ناشناسا لوگ ہیں، پھر اپنے گھر گئے اور ایک فدیہ بچھڑا لے آئے، نفیس بھنا ہوا، پھر اسے ان کے پاس رکھا اور کہا کہ کیا تم کھاتے نہیں، وہ اپنے جی میں ان سے ڈرنے لگے تو وہ بولے کہ ڈریے نہیں اور اسے ایک صاحب علم لڑکے کی بشارت دی۔

مشکوٰۃ، صفحہ:368 پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی درج ہے، جس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ۔

ترجمہ: جو اللہ تبارک وتعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ مہمان کا اکرام کرے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:104 پر درج ہے کہ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہمان کو کھانا کھلانے میں پانچ خوبیاں ہیں:

1- مال ورزق کی ترقی ہوتی ہے۔
2- اس کے گھر سے مرض دور ہو جاتا ہے۔
3- اللہ تعالیٰ اس کے گھر والوں پر سے مصیبت اٹھا لیتا ہے۔
4- قیامت تک میزبان کی قبر روشن رہے گی۔
5- محشر میں اس کو اللہ تعالیٰ کا دیدار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی۔

مزید یہ بھی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبرئیل علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ جو شخص مہمان کی عزت کرے گا اس کے لیے نو فضیلتیں ہیں:

1- جس وقت مہمان گھر میں داخل ہوتا ہے اس کے ہمراہ دس لاکھ برکتیں اور دس لاکھ رحمتیں گھر میں داخل ہوتی ہیں۔
2- جو کچھ مہمان کھاتا ہے اس کے ہر لقمے کے بدلے میزبان کو اس قدر ثواب ملتا ہے، گویا اس نے اللہ کی راہ میں ہزار گھوڑے دیے۔
3- اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہشت میں ایک شہر تیار کرتا ہے۔
4- اس کو ہزار شہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔
5- اس کے ماں باپ اگر مسلم ہوں تو اللہ ان کو بخش دے گا اور اگر کافر ہوں گے تو ان کے عذاب میں تخفیف کرے گا۔
6- اس کے نامۂ اعمال میں 70 رحج اور 70 رعمروں کا ثواب لکھا جاتا ہے۔
7- اس کے گھر والوں کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے، اگرچہ ان کا شمار جنگل کی ریت کے برابر ہو۔
8- اس کی قبر 70 رہزار گز تک فراخ کر دی جائے گی۔
9- ہر لقمے کے عوض اس کو ایک پر ملتا ہے جس کے ذریعے وہ پل صراط سے بجلی کی طرح گزر جائے گا۔

صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی مہمان نوازی

جس طرح انبیا علیہم السلام اور خود سردار الانبیاء پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بڑے مہمان نواز تھے، اسی طرح ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام بھی مہمان نوازی کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔

صحابۂ کرام تو ہر اس عمل کو اپنا شعار بنا لیتے تھے جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں دیکھتے تھے اور چوں کہ مہمان نوازی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک وصف تھا، چنانچہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے بھی اس وصف کو اپنایا اور مہمانوں کی خاطر تواضع میں ہر ممکن حد تک عمل کیا اور ان کی خاطر تواضع کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

مشکوٰۃ، صفحہ:368 پر درج ذیل مفہوم کی ایک تحریر ہے، جس کو امام مسلم نے سیدنا ابوہریرہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک بار ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک محسوس ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانے کس مصلحت کے تحت پائے اقدس گھر سے باہر نکالے اور ایک جانب کو عازم سفر ہوئے۔ سر راہ گلشن اسلام کے دو گل ملے، وہ گل جن کی خوشبو اور مہک سے آج بھی اک عالم معطر ہے، وہ گل جن کو آج زمانہ ترساں ہے، وہ گل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عمر و صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) تم کس واسطے گھر سے نکلے ہو؟

عرض پیرا ہوئے: یا رسول اللہ! ہم بھوک کے سبب گھر سے نکلے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میں بھی اسی وجہ سے گھر سے نکلا ہوں، مجھے بھی بھوک لگی تھی، چلو میرے ساتھ آؤ۔ آپ تینوں کا چوں کہ مقصد ایک تھا اس لیے تینوں مل کر چلنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو اپنی رفاقت میں لیے ایک انصاری کے یہاں تشریف لے گئے۔ صاحب خانہ گھر پر موجود نہیں تھے، اُن کی بیوی نے آپ کو خوش آمدید کہا۔ پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوالہیثم کہاں ہیں؟ بی بی نے عرض کیا کہ وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لانے گئے ہیں، ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ابوالہیثم آ گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ سیدنا عمر فاروق اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خود پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، تو مسرت سے نہال ہو گئے۔ صحابۂ کرام کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان سے بھی پیارے تھے، اس لیے اس صحابیِ رسول کو بالیقین یہ محسوس ہوا کہ ان کا بدن کیفیت فرحاں و شاداں میں اسیر ہو گیا ہے اور ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مَا اَحَدٌ اَلْیَوْمَ اَکْرَمَ اَضْیَافًا مِّنِّیْ۔

ترجمہ: الحمد للہ! آج میرے مہمانوں سے زیادہ معزز کسی کا مہمان نہیں ہے۔

سارے زمانے سے بڑھ کر معزز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ اس وقت ابوالہیثم کے گھر رونق افروز تھے، اس لیے ابوالہیثم یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ آج میرے مہمانوں سے معزز کسی کا مہمان نہیں۔ چنانچہ ابوالہیثم نے اپنے معزز ترین مہمانوں کی خاطر تواضع کی خاطر ایک بکری ذبح کی اور اسے پکا کر خدمت عالیہ میں پیش کیا۔ بہترین کھجوروں کا ایک خوشہ بھی پیش

کیا کہ اس طرح تقاضا ہائے مہمان نوازی کی تکمیل ہوتی تھی۔ صحابہ رسول کو اگر اس وقت گوشت بھون کر پیش کرنا پڑتا تو شاید وہ اس سے بھی گریز نہ کرتے بہر کیف! حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں نے بکری کا گوشت تناول فرمایا اور پانی نوش جان کیا۔

ایک بار پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت نے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلووں نے حضرت سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منظور نظر بنایا۔ چنانچہ صاحب لولاک تاجدار مدینہ فخر عرب و عجم، محسن انسانیت، معلم اخلاق، حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ شب اسرا کے دولہا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کی رہائش گاہ پر جلوہ افروز ہوئے۔ آفتاب رسالت اپنی نورانی کرنوں سے حضرت سعد بن عبادہ کے غریب خانے کو روشنیوں کا سراپا بنانے کے لیے ان کے دروازے پر آ کر ٹھہر گیا، پھر آفتاب رسالت کے گل قدس کی پتیوں جیسے لبوں کو جنبش ہوئی، تا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر آنے کی اجازت عنایت فرمائیں۔ اس لیے آفتاب رسالت نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر پر تشریف فرما تھے، انھوں نے آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو سماعت کیا اور جواب میں بے انتہا دھیمے لہجے میں کہا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دھیما پن لہجہ اس لیے رکھا کہ سرکار دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سن نہ سکیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ پایا تو آپ نے دوبارہ السلام علیکم کہا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مرتبہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک کو فردوس گوش بنایا اور نہایت دھیمے لہجے میں جواب دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت مبارک تک رسائی حاصل نہ کر سکا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ السلام علیکم کہا۔ اس مرتبہ بھی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صوتِ مبارکہ کو فردوس گوش بنایا مگر جواب نہایت آہستگی سے دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت مبارک تک رسائی حاصل نہ کر سکا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی کا یہ عالم پایا تو گمان کیا کہ شاید حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر پر موجود نہیں ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی کا قصد فرمایا،

جب اس امر کو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسوس کیا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دوڑتے ہوئے آئے اور عرض کیا: فِدَاكَ أُمِّي وَأَبِي يَا رَسُولَ اللهِ! میں نے تینوں مرتبہ آپ کی صوت مبارکہ کو فردوس گوش بنایا اور تینوں مرتبہ آپ کے سلام کا جواب دیا، مگر اپنے لہجے کو دھیما رکھا تا کہ آپ سن نہ سکیں اور آپ کی جانب سے مجھ پر زیادہ سے زیادہ سلامتی کا نزول ہو، میں آپ کی طرف سے زیادہ سے زیادہ سلامتی کا خواہاں تھا۔

حضرات گرامی! جس شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے سلامتی کا پیغام ملے وہ یقینی طور پر نجات کے سامان پالے گا، اسی لیے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر اپنے لہجے کو اس قدر دھیما کر لیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔ بہر کیف! حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے غریب خانے پر لے گئے اور مہمان نوازی کے تقاضوں کی تکمیل کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں خشک انگوروں کی ایک ڈالی پیش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت اور شفقت کا اظہار کرتے ہوئے انگور تناول فرمائے اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تمہارے لیے ملائکہ نے بخشش کی گزارش کی ہے۔

مندرجہ بالا اس تحریر سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

پہلی بات یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے تو پہلے اجازت طلب فرمائی اور تین بار ان کو اپنی موجودگی کی اطلاع دی۔ جب تینوں بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پکار کا کوئی جواب نہ ملا تو آپ واپس تشریف لے آئے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ جب کسی کے یہاں جائیں تو تین مرتبہ پکارا کریں، اگر کوئی جواب نہ ملے تو واپس لوٹ آنا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی کی اور ان کی خاطر مدادات کے لیے انگور کی ڈالی پیش کی، چنانچہ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے مہمانوں کی خاطر حتی المقدور کریں، کیوں کہ اس امر سے ملائکہ مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور ملائکہ کی دعا اللہ ضرور قبول فرمالیتا ہے۔

حضرات گرامی! تذکرۃ الواعظین، صفحہ:107-108 پر درج ذیل تحریر ملاحظہ کریں:

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص نے روزہ رکھا۔ جب شام ہوئی، روزہ افطار کرنے کا وقت آیا تو اس کو سوائے پانی کے کچھ دستیاب نہ ہو سکا، چنانچہ اس نے اسی سے روزہ افطار کیا اور اسی عالم میں رات گزاری۔ دوسرے روز پھر روزہ رکھا اور افطار کے وقت سوائے پانی کے کچھ پاس نہ تھا، چنانچہ اسی سے روزہ افطار کیا۔ تیسرے دن پھر روزے کی نیت کی مگر بھوک کی شدت نے اس کو سخت آزردہ کیا۔ حسن اتفاق سے ایک صحابی کو اس کی حالت سے آگہی ہوگئی، یہ صحابی انصاری تھے، اس شام وہ اس شخص کو اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ آج کی شب ہمارے یہاں ایک مہمان آگیا ہے، گھر میں کھانے کے لوازمات ہیں؟ بیوی نے جواب دیا کہ آج گھر میں اس قدر کھانا ہے کہ ایک آدمی پیٹ بھر سکے، اتفاق سے اس روز وہ صحابی اور ان کی بیوی بھی روزے سے تھے، ان کا ایک بچہ تھا، انھوں نے اپنی بیوی سے کہا بہتر ہوگا وہ کھانا ہم مہمان کو کھلا دیں اور خود آج کی رات بھوکے رہیں، تم یوں کرنا کہ سر شام بچے کو بہلا پھسلا کر سلا دینا اور جب کھانے کا وقت آئے تو چراغ گل کر دینا تا کہ اندھیرے میں مہمان یہ خیال کرے کہ ہم بھی دستر خوان پر اس کے ہمراہ کھانا کھا رہے ہیں، اس طرح وہ اچھی طرح پیٹ بھر کر کھانا کھا سکے گا۔ چنانچہ جب کھانے کا وقت آیا، وہ نیک بیوی کھانا لائی اور مہمان کے سامنے رکھ دیا۔ وہ صحابی بھی اپنے مہمان کے ہمراہ بیٹھ گئے۔ وہ نیک بیوی چراغ کے پاس گئی اور گل کر دیا۔ مہمان سمجھا کہ اس کی بتی درست کی جا رہی ہے۔ اندھیرے میں وہ انصاری کھانے کے ظرف پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہے اور مہمان کو اس شک میں رکھا کہ اس کے ساتھ وہ بھی کھانا کھا رہے ہیں، مہمان نے خوب آسودہ ہو کر کھانا کھایا، یہاں تک کہ ظرف میں کھانا ختم ہو گیا اور اگلے روز وہ انصاری فجر کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جماعت میں شریک ہوئے۔ نماز سے فراغت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انصاری سے فرمایا کہ رات تمہاری بیوی کی مہمان داری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا ہے۔ بعد ازاں یہ آیت پڑھی: وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔

ترجمہ: جو لوگ اپنے اوپر تکلیف اٹھا کر باوجود خود حاجت مند ہونے کے دوسروں کی حاجت پوری کرتے ہیں اور جو لوگ نفسانی طمع اور بخل سے محفوظ ہیں وہ فلاح پانے والے ہیں، یعنی عذاب سے محفوظ رہنے والے ہیں۔

مہمان اپنا رزق ساتھ لاتا ہے

حضرات گرامی! مہمان اللہ کی رحمت ہوتا ہے۔ اس کی آمد ہمارے لیے باعث رحمت ہے، لیکن آج کا دور انسان کے لیے ہزارہا مجبوریوں کا دور ہے۔ ایسی مجبوریاں جن کے باعث وہ ادامر بھی زحمت معلوم ہوتے ہیں جو کہ سراسر رحمت الٰہی کا موجب ہیں۔ ان ہی مجبوریوں کے تحت بعض لوگ مہمان کو زحمت تصور کرتے ہیں اور مہمان کی آمد پر ان کی جبین پر ہزاروں بل پڑ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ دراصل وہ لوگ ہوتے ہیں جو کہ بہت زیادہ بے شعور اور عقل وخرد سے بیگانہ ہوتے ہیں، یا پھر وہ لوگ ہوتے ہیں جو بے حد غریب لوگ ہوتے ہیں اور مہمان کی خاطر داری کو ایک بوجھ تصور کرتے ہیں۔ پہلی قسم کے لوگوں کے بارے میں تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عقل وہوش سے نوازے، لیکن دوسری قسم کے لوگ یعنی غریب لوگوں سے یہی گزارش ہے کہ مہمان کی آمد کو گراں مت جانیں کیوں کہ وہ آپ کے گھروں سے کچھ نہیں کھاتے بلکہ وہ اپنا رزق ساتھ لاتے ہیں اور یہ بات ہم اپنی جانب سے نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ یہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو نزہۃ المجالس، صفحہ: 181 جلد اول پر مرقوم ہے:

لَا تَكْرِهُوا الضَّيْفَ فَإِنَّهُ إِذَا نَزَلَ نَزَلَ بِرِزْقِهِ وَإِذَا ارْتَحَلَ ارْتَحَلَ بِذُنُوْبِ أَهْلِ الدَّارِ.

یعنی مہمان کو برا مت جانو، کیوں کہ جب وہ آتا ہے تو اپنا رزق ساتھ لاتا ہے اور جب جاتا ہے تو صاحب خانہ کے گناہ ساتھ لے جاتا ہے، یعنی صاحب خانہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

مزید حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد درج ہے کہ میرے نزدیک مہمان سے زیادہ پیاری چیز کوئی نہیں، کیوں کہ اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے اور مجھے مفت میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ثواب مل جاتا ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 370 پر مرقوم ایک حدیث کے مطابق جس گھر میں مہمان کو کھلایا جائے اس گھر میں خیر وبرکت اس سے بھی جلدی نزول کرتی ہے جتنی جلدی چھری کوہان کو کاٹتی ہے۔

مہمان اپنے میزبان کو تنگی میں نہ ڈالے

حضرات گرامی! مہمان اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ مہمان کی تعظیم کرنا اور اس کی خاطر مدارات کرنا میزبان پر فرض ہے اور مہمان کے آرام کا خیال رکھنا اور اس کی دیگر ضروریات کا خیال رکھنا بھی میزبان کے لیے ضروری ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اللہ کی جانب سے مہمان پر چند ایک ضابطوں کا اطلاق ہوتا ہے جو درج ذیل ہیں:

1- میزبان اپنے مہمان کو جہاں بیٹھائے وہیں بیٹھ جائے۔
2- میزبان جو کچھ اپنے مہمان کو کھانے کے لیے پیش کرے مہمان کو اسی پر اکتفا کرنا چاہیے، اگر کھانا اچھا نہ ہو تو بھی خوشی سے کھالے اور یہ کہہ کر میزبان کی دل آزادی نہ کرے کہ اس سے اچھا تو میں اپنے گھر کھاتا ہوں۔
3- مہمان اگر کہیں جانا چاہے تو میزبان سے اجازت حاصل کرے۔
4- جب مہمان رخصت ہونے لگے تو اپنے میزبان کے حق میں دعائے خیر کرے۔
5- سب سے اہم بات یہ ہے کہ اپنا قیام اتنا طویل نہ کرے جو کہ میزبان کو گراں گزرے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم جب بھی کسی کے یہاں مہمان بن کر جائیں تو ان باتوں کو مدنظر رکھیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا ابوشریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ جَائِزَتُهٗ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَلَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّثْوِيَ عِنْدَهٗ حَتّٰى يُحْرِجَهٗ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ: 368)

ترجمہ: جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے وہ مہمان کا اکرام کرے۔ ایک دن رات اس کا ہے (یعنی ایک دن اس کی پوری خاطر داری کرے اور اپنے مقدور بھر اس کے لیے پر تکلف کھانا تیار کرائے) ضیافت تین دن ہے (یعنی ایک دن کے بعد ماحضر پیش کرے) اور تین دن کے بعد صدقہ ہے۔ مہمان کے لیے یہ حلال نہیں کہ اس کے یہاں ٹھہرا رہے کہ اسے حرج میں ڈال دے۔

بوقتِ رخصتی مہمان کی عزت

ہر میزبان پر لازم ہے کہ جب تک مہمان اس کے یہاں قیام کرے تو اپنے مقدور بھر اس کی خاطر داری کرے اور جب مہمان اپنے گھر کی طرف رخصت ہونا چاہے تو نہایت عزت و احترام سے دروازے تک رخصت کرنے جائے، کیوں کہ یہی طریقہ سنت ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 370 پر مرقوم ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ امام الانبیا مالک ہر دوسرا شب اسرا کے دولہا کا ارشاد گرامی ہے:

مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يَّخْرُجَ مَعَ ضَيْفِهٖ إِلٰى بَابِ الدَّارِ۔

ترجمہ: سنت یہ ہے کہ مہمان کو دروازے تک رخصت کرنے جائے۔

جو مہمان کی خاطر نہ کر سکے اس کی بھی مہمان داری کرنی چاہیے

حضرات گرامی! اسی وعظ میں یہ عرض کیا گیا ہے کہ مہمان کی عزت و تکریم نہ کر سکنے والے لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں: اول وہ جو عقل و خرد سے بیگانہ ہوتے ہیں۔ دوم وہ جو بے حد مفلس ہوتے ہیں، ان ہر دو طرح کے لوگوں کے بارے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اگر یہ دونوں قسم کے لوگ دوسروں کے یہاں مہمان بن کر جائیں تو میزبان پر لازم ہے کہ ان کی بھی مہمان نوازی کرے۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 369 پر ایک روایت درج ہے جس کو ترمذی نے بھی روایت کیا:

عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ الْجُشَمِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ فَلَمْ يَقْرِنِيْ وَلَمْ يُضِفْنِيْ ثُمَّ مَرَّ بِيْ بَعْدَ ذٰلِكَ أَقْرِيْهِ أَمْ أَجْزِيْهِ قَالَ: بَلْ أَقْرِهٖ۔

ترجمہ: ابوالاحوص جشمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ فرمایئے کہ میں ایک شخص کے پاس سے گزرا جس نے نہ میری مہمانی کی اور نہ ہی ضیافت کا حق ادا کیا، اب اگر وہ میرے یہاں آئے تو کیا میں اس کی مہمانی کروں یا بدلہ دوں؟ فرمایا کہ مہمان نوازی کرو۔

حضرات گرامی! آیئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس امر کی توفیق دے کہ ہم اپنے مہمان کی عزت و تکریم بخیر و خوبی انجام دیں اور اگر خود مہمان ہوں تو اپنے میزبانوں کو تکلیف سے محفوظ رکھیں۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

اکیسواں وعظ

کھانے کے آدابِ مسنونہ

برادران ملت اسلامیہ! کھانا انسان کے لیے بلکہ ہر ذی روح کے لیے لازمی ہے، اس کے بغیر علمی نقطۂ نظر سے تصورِ حیات بے معنی ہے۔ کھانے کے ضمن میں ذہن میں چند باتیں ابھرتی ہیں، مثلاً یہ کہ کھانا کس طرح کھایا جائے؟ کب کھایا جائے؟ کھانے کے لیے کیا کیا قواعد و ضوابط ضروری ہیں؟ یہ ساری باتیں وضاحت طلب ہیں اور اس امر کے لیے ہمیں ممنونِ اسلام ہونا چاہیے کہ اس نے ہمیں کھانے کے آداب سے آگاہ کیا۔ آیئے ذرا ان آداب کا مطالعہ کرتے ہیں جو کھانے کے لیے لازمی ہیں۔

حلال کھانا فرض ہے

کھانے کے ضمن میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ کھانا حلال ہونا چاہیے، اس کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ جس طرح مسلمانوں پر نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج فرض قرار دیے گئے ہیں، اسی طرح حلال کھانا بھی فرض قرار دیا گیا ہے۔ حلال کھانے کے بارے میں قرآن میں کئی جگہ ارشاد ہوتا ہے، مثلاً سورۂ مائدہ میں یوں ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ أَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ۔

ترجمہ: اے مومنو! اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لیے حلال کیا ہے اسے حرام نہ کرو اور حد سے نہ گزرو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو حلال پاکیزہ رزق دیا ہے، اس میں سے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان لائے۔

اسی طرح سورۂ بقرہ میں یوں ارشاد ہوتا ہے:

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔

ترجمہ: اس میں سے کھاؤ جو اللہ نے تمھیں روزی دی اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! ہمارے دیے ہوئے رزق سے حلال کھاؤ۔

يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔

ترجمہ: اے رسل! حلال اور پاکیزہ کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

کیمیائے سعادت، صفحہ: 214 پر درج ہے کہ پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص نے متواتر روزانہ ایسی حلال روزی جو حرام کی آمیزش سے پاک ہو، کھائے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر یہ رحمت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں نور پیدا فرما دیتا ہے اور اس کے دل کو چشمۂ حکمت و دانش کا ماخذ بنا دیتا ہے۔

مزید تحریر ہے کہ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عبادت کے 10 رحصے ہیں، جن میں سے 9 رحصے عبادت کے یہ ہیں کہ حلال روزی کی طلب کی جائے، نیز یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے حلال روزی کو مقدم فرمایا۔ اسی لیے حلال روزی کا ذکر کرنے کے بعد دیگر عبادات کا تذکرہ کیا، کیوں کہ سب سے اہم اور اچھی شے کو سرفہرست رکھا جاتا ہے، اس لیے حلال روزی سب سے اہم اور اچھی ہے۔ حلال روزی کا تذکرہ پہلے کیا گیا ہے جس سے یہ مطلب واضح ہوتا ہے کہ اس وقت تک کوئی عبادت ہدف اجابت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی جب تک کہ پیٹ میں حلال روزی اور بدن پر حلال روزی سے حاصل کردہ لباس نہ ہو۔

کھانے کی مختلف صورتیں

دُرِّ مختار میں ہے کہ کھانا کھانے کی تین صورتیں ہیں: فرض، مباح، حرام۔

پہلی صورت فرض کی ہے۔ فرض سے مراد وہ صورت ہے جس میں کھانا کھایا جائے تو ثواب اور نہ کھایا جائے تو باعث عذاب۔ فرض صورت اس وقت ہوتی ہے جب بھوک کا اس قدر غلبہ ہو جائے کہ کھانا کھائے بغیر موت کا خدشہ ہو تو ایسی صورت میں اس قدر کھانا کہ جان بچ جائے

فرض ہے۔ ایسی صورت میں اگر نہ کھایا جائے اور موت واقع ہو جائے تو گنہگار ہوگا۔

دوسری صورت مباح کی ہے۔ مباح ایسی باتوں کو کہتے ہیں کہ جن کو اپنانے سے ثواب ہو اور اگر نہ اپنایا جائے تو گناہ بھی نہیں ہوتا اور ثواب بھی نہیں ہوتا۔ کھانے میں مباح کی صورت یہ ہے کہ بھوک سے کم کھانا چاہیے، لیکن اگر پیٹ بھر کر بھی کھا لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، اس سے نہ گناہ ہوگا اور نہ ثواب، اسی کو مباح کہتے ہیں۔

تیسری صورت حرام ہے۔ حرام اس وقت ہوتا ہے، جب کہ بھوک سے زیادہ کھا لیا جائے۔ زیادہ کا مطلب یہ ہے کہ جس سے پیٹ خراب ہونے کا خدشہ ہو، پیٹ خراب ہونے کے ضمن میں درج ذیل باتیں ہیں:

پیٹ درد، مروڑ، دست، طبیعت میں بدمزگی پیدا ہونا وغیرہ وغیرہ۔

حضرات گرامی! کھانے کی یہ مختلف صورتیں ہیں، ان میں سے قبیح صورت حرام ہے، اس سے گریز کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا

امام ترمذی اور ابوداؤد سیدنا حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں: قَرَاْتُ فِي التَّوْرَاةِ اِنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ بَعْدَهٗ فَذَكَرْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَهٗ وَبَعْدَهٗ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ: 366)

ترجمہ: میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے کے بعد وضو کرنا یعنی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا برکت کا باعث ہے۔ اس کو میں نے حضور نبی کریم سے ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا کہ کھانے کی برکت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے اور بعد میں وضو کیا جائے۔

اس حدیث پاک میں وضو سے مراد ہاتھ دھونا ہے، اور طبرانی نے سیدنا حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھانے سے پہلے اور بعد میں وضو کرنا محتاجی دور کرتا ہے اور یہ انبیا کی سنتوں میں سے ہے۔

حضرات گرامی! پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ایک بات بڑی واضح

ہے کہ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا محتاجی سے نجات کا ذریعہ ہے۔ اس لیے چاہیے کہ کھانے سے قبل اور بعد میں دونوں ہاتھ گٹوں تک اچھی طرح دھولیں، کیوں کہ یہ سنت انبیا ہے۔ ایک ہاتھ، انگلیاں دھونے پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ اس سے سنت کاملہ ادا نہیں ہوتی۔

ابن ماجہ نے بھی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے گھر میں خیر و برکت کی زیادتی کا خواہاں ہو اُسے چاہیے کہ جب کھانا حاضر کیا جائے تو وضو کرے اور جب اٹھایا جائے تو اس وقت بھی وضو کیا جائے۔

مسئلہ: کھانا شروع کرنے سے قبل ہاتھ دھونا ضروری ہے، مگر ہاتھ دھوکر کسی تولیے یا کسی کپڑے سے پونچھنا نہیں چاہیے۔ البتہ! کھانے کے بعد ہاتھ دھوکر تولیے وغیرہ سے صاف اور خشک کیے جاسکتے ہیں۔ اس سے یہ ہوتا ہے کہ کھانے کے اثرات ہاتھوں پر سے ختم ہوجاتے ہیں، اگر ایسی صورت حال پیش نظر ہو کہ بہت سے لوگ کھانے کی غرض سے جمع ہوں تو پھر پہلے جوانوں کے ہاتھ دھلانے چاہئیں اور بوڑھوں کے بعد میں اور جب کھانا ختم ہوجائے تو بوڑھوں کے ہاتھ پہلے دھلانے چاہئیں اور جوانوں کے بعد میں۔ آخر میں اگر صابن وغیرہ کا استعمال کیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن دنوں اپنے عالم بچپن میں ہوتے تھے ان دنوں ان کی کفالت پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے تھی، حضرت عمر جہاں کھانے کے ظروف دیکھتے ہاتھ ڈال دیتے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا، سمجھایا اور فرمایا کہ پہلے بسم اللہ پڑھو، پھر اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور برتن کے اس حصے سے کھاؤ جو تمہارے نزدیک ہے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

شرح السنہ میں ہے کہ سیدنا حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار ہم پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر تھے اور کھانا تناول کررہے تھے۔ جب کھانا شروع کیا گیا تو کھانا بڑا مزیدار اور بڑا بابرکت تھا۔ اس قدر بابرکت کہ اتنی برکت ہم نے کسی اور کھانے میں نہ دیکھی تھی، مگر آخر میں کھانا بڑا بے برکت ہوگیا۔ اس تضاد نے ہمیں حیران

کیا اور ہم نے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی اور اس تضاد کی وجہ پوچھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غنچہ ہائے کام ودہن وا ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ جب کھانا شروع کیا گیا تو ہم سب نے بسم اللہ پڑھی تھی جس کے باعث کھانے میں بہت برکت ہوگئی۔ مگر پھر ایک شخص آیا اور اس نے بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا شروع کردیا جس سے شیطان کھانے میں شریک ہوگیا اور کھانا بے برکتی کا شکار ہوگیا۔

مبارک دعا

حضرات گرامی! یہ دور انسان کے لیے ہزارہا مجبوریوں کا دور ہے۔ ان ہی مجبوریوں کے تحت بعض اوقات انسان، انسانوں کی دشمنی مول لیتا ہے۔ ایسی دشمنی جو کھلی دشمنی نہیں ہوتی بلکہ مخفی دشمنی ہوتی ہے یا دوسرے الفاظ میں منافقانہ دشمنی ہوتی ہے کہ اوپر سے تو بہت پرخلوص ہوکر ملنا مگر دلوں میں کدورت اور بغض رکھنا۔ ایسے دشمن کھلے وار نہیں کرتے بلکہ وہ چھپ کر وار کرتے ہیں تا کہ کانٹا بھی نکل جائے اور آنچ بھی نہ آنے پائے۔ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ ایسے دشمن جہاں دوسرے مخفی وار کرتے ہیں وہاں یہ بھی کرتے ہیں کہ کھانے میں زہر ملادیتے ہیں۔ ایسے دشمنوں کے اس زہریلے وار سے بچنے کے لیے نادر نسخہ یہ ہے کہ کھانے کے شروع میں درج ذیل تحریر پڑھی جائے: بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ ۔ اس مبارک دعا کے پڑھنے سے کھانے میں اس قدر برکت آجاتی ہے کہ اپنے کھانے والے کو ذرہ برابر بھی ضرر نہیں دیتا، خواہ اس میں زہر کی ہی آمیزش کیوں نہ کی گئی ہو۔ (رواہ دیلمی)

دائیں ہاتھ سے کھانا

کھانا کھانے کے لیے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ ہمیشہ دائیں ہاتھ سے کھایا جائے اور اس مقصد کے لیے بایاں ہاتھ ہرگز استعمال نہ کریں، اس لیے کہ اگر بائیں ہاتھ کھانے کے لیے استعمال کیا جائے گا تو شیطان کھانے میں شریک ہوجائے گا جس سے کھانا بے برکت ہوجائے گا۔

امام مسلم سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِينِهٖ وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِهٖ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ 363)

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور اگر پئے تو داہنے ہاتھ سے پئے۔

بائیں ہاتھ سے نہ کھائے

شیطان اپنے بہت سے کام، مثلاً کھانا، لینا، دینا وغیرہ بائیں ہاتھ سے سرانجام دیتا ہے، اس لیے ہمیں یہ حکم ہے کہ بائیں ہاتھ سے نہ کھائیں تاکہ شیطانی اعمال سے محفوظ رہیں۔

ابن ماجہ، صفحہ: 243 پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ مرقوم ہے کہ آپ نے فرمایا کہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ، داہنے ہاتھ سے پیو، داہنے ہاتھ سے لو اور داہنے ہاتھ سے دو، کیوں کہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے، بائیں ہاتھ سے لیتا ہے، بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے دیتا ہے۔ گویا بائیں ہاتھ سے کام کرنا، کھانا پینا وغیرہ کار شیطانی ہے۔

مزید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ مرقوم ہے: لَا يَأْكُلَنَّ أَحَدُكُمْ بِشِمَالِهٖ وَلَا يَشْرَبَنَّ بِهَا فَإِنَّ الشَّيْطٰنَ يَأْكُلُ وَيَشْرَبُ بِهَا۔ (مشکوٰۃ، صفحہ 363)

ترجمہ: کوئی شخص نہ بائیں ہاتھ سے کھائے اور نہ پانی پئے، کیوں کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔

کھانے کے لیے تین انگلیاں

ظہور اسلام سے قبل کے عرب گنوار کھانے کے لیے پانچ انگلیاں استعمال کرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اس نے دور جہالت کے تمام غلط اور فاسد قوانین کو ختم کیا۔ اس نے پانچ انگلیوں سے کھانے کو بھی منع فرمایا اور تین انگلیوں کو استعمال کرنے کا حکم دیا، کیوں کہ یہ سنت الانبیاء ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلم نے روایت کیا ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ بِثَلٰثَةِ أَصَابِعَ وَيَلْعَقُ يَدَهٗ قَبْلَ أَنْ يَمْسَحَهَا۔ (مشکوٰۃ، صفحہ: 363)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین مبارک انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے اور پونچھنے (دھلنے) سے پہلے ہاتھ مبارک چاٹ لیتے۔

اسی طرح سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ پیارے رسول حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین انگلیوں سے کھاؤ کہ سنت ہے، پانچوں انگلیوں کو کھانے کے لیے استعمال مت کرو کہ یہ جہلا اور گنواروں کا شعار ہے۔

ابن النجار نے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین انگلیوں سے کھانا انبیائے کرام کا شعار ہے۔

گرا ہوا لقمہ اٹھا کر کھانا

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے:

إِنَّ الشَّيْطٰنَ يَحْضُرُ أَحَدَكُمْ عِنْدَ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ شَأْنِهٖ حَتّٰى يَحْضُرَهٗ عِنْدَ طَعَامِهٖ فَإِذَا سَقَطَتْ مِنْ أَحَدِكُمُ اللُّقْمَةُ فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ أَذًى ثُمَّ لِيَأْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطٰنِ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ: 363)

ترجمہ: شیطان تمہارے ہر کام میں حاضر ہوتا ہے، کھانے کے وقت بھی حاضر ہوتا ہے، اگر لقمہ گر جائے اور اس میں کچھ لگ جائے تو صاف کر کے کھالو، اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑو۔

ابن ماجہ، صفحہ: 248 پر مرقوم ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پیارے رسول حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم مکان میں تشریف لائے تو روٹی کا ٹکڑا پڑا ہوا دیکھا، اس کو اٹھایا، صاف کیا اور تناول فرما لیا، پھر مجھ سے کہنے لگے کہ عائشہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اچھی شئے کا احترام کرو، کیوں کہ یہ چیز جب کسی قوم کو چھوڑ کر گئی ہے تو واپس نہیں پلٹی۔

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ایک بات بالکل واضح ہے کہ اگر ہم رب تعالیٰ کی ناشکری کریں گے اور اس کے دیے ہوئے رزق کا احترام نہیں کریں گے تو رب تعالیٰ ہم سے رزق واپس لے لے گا۔

طبرانی کی ایک حدیث میں ہے کہ پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روٹی کی توقیر کرو، کیوں کہ وہ زمین و آسمان کی برکات میں سے ایک برکت ہے۔ جو شخص

دسترخوان سے گری ہوئی روٹی کو کھائے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا۔

گرم کھانے سے پرہیز

کھانا اس وقت کھانا چاہیے جب ٹھنڈا ہو جائے۔ گرم کھانا بہت سی قباحتوں کا باعث ہے۔ گرم کھانے سے انسان کو گلے اور سینے کی بیماریاں، مثلاً نزلہ، زکام، کھانسی اور بخار وغیرہ بھی ہو جاتا ہے، لہٰذا طبی نقطۂ نظر سے بھی کھانا ٹھنڈا کر کے کھانا چاہیے مگر دینی نقطۂ نظر سے ٹھنڈا کھانا اس لیے کھانا چاہیے کہ گرم کھانا بے برکت ہوتا ہے۔

دارمی نے سیدہ حضرت اسما بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے:

إِنَّهَا كَانَتْ إِذَا أُوتِيَتْ بِثَرِيدٍ أَمَرَتْ بِهِ فَغُطِّيَ حَتَّى تَذْهَبَ فَوْرَةُ دُخَانِهِ وَتَقُولُ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هُوَ أَعْظَمُ لِلْبَرَكَةِ ۔

ترجمہ: جب ان کے پاس ثرید لایا جاتا تو حکم فرماتیں کہ اس کو چھپا دیا جائے، یہاں تک کہ اس کی بھاپ کا جوش چلا جاتا اور فرماتیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس سے زیادہ برکت ہوتی ہے۔

ابوداؤد اور حاکم میں ہے کہ سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھانے کو ٹھنڈا کر لیا کرو، اس لیے کہ گرم کھانا خالی از برکت ہے۔

کھاتے وقت ننگے پاؤں ہونا

مشکوٰۃ، صفحہ: 368 پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی مرقوم ہے جس کو دارمی نے سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے:

إِذَا وُضِعَ الطَّعَامُ فَاخْلَعُوْا نِعَالَكُمْ فَإِنَّهُ أَرْوَاحٌ لِأَقْدَامِكُمْ ۔

ترجمہ: جب کھانا کھایا جائے تو جوتے اتار لو تا کہ اس سے تمہارے پاؤں کو راحت ملے۔

کھانے کا ادب یہی ہے کہ جوتے اتار کر کھایا جائے اور داہنا پاؤں کھڑی حالت میں اور بایاں پاؤں بچھا کر کھائے یا دوسری صورت یہ ہے کہ سرین کے بل بیٹھنا چاہیے اور دونوں گھٹنوں کو کھڑے کر لینا چاہئیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کھانے کے وقت جوتے اتار لو، یہی سنت جمیلہ ہے۔ (رواہ حاکم)

میز پر کھانا کھانے کی ممانعت

امام بخاری سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

مَا أَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خِوَانٍ وَّلَا فِي سُكُرُّجَةٍ وَّلَا خُبِزَ مُرَقَّقٌ قِيْلَ لِقَتَادَةَ عَلَى مَا يَأْكُلُوْنَ قَالَ عَلَى السُّفَرِ ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ: 363)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوان (میز) پر کھانا تناول نہیں فرمایا، نہ چھوٹی پیالیوں میں تناول فرمایا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پتلی چپاتیاں پکائی گئیں۔ قتادہ سے پوچھا گیا کہ کس شئے پر وہ لوگ کھانا کھایا کرتے تھے، فرمایا کہ دسترخوان پر۔

ابن ماجہ صفحہ 245 پر مرقوم ہے: لَا يَأْكُلْ رَاكِبًا وَّلَا مَاشِيًا وَّلَا قَائِمًا۔

ترجمہ: سوار ہو کر اور چلتے ہوئے اور کھڑے ہو کر مت کھاؤ۔

حضرات گرامی! مقامِ صد افسوس ہے کہ آج مسلمان اپنے اسلام کی روایات کو فراموش کر چکے ہیں اور اغیار کے رسم و رواج کو اپنی زندگی میں یوں سرایت کرتے جا رہے ہیں جیسے بدن میں خون سرایت کرتا ہے۔ ہم میز اور کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں خود کو ماڈرن تصور کرتے ہیں، حالاں کہ اسلام نے اس کی مخالفت کی ہے۔ کیوں کہ یہ یہود و نصاریٰ کی تہذیب و تمدن کا ایک جزو ہے اور اسلام نے اپنے سوا تمام مذاہب کی تہذیبوں کو ختم کر دیا ہے۔ اس لیے خوان وغیرہ پر کھانا کھانا ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ آج کل مسلمانوں کی بے راہ روی کا یہ عالم ہے کہ شادی کی تقاریب اور دیگر محافل میں، دعوتوں اور پارٹیوں وغیرہ میں اس طریقے کو اپنایا جاتا ہے کہ قطار در قطار بڑی بڑی میزیں چن دی جاتی ہیں، جن پر کھانا چنا جاتا ہے۔ اراکینِ محفل آتے ہیں اور میزوں کے گرد کھڑے ہو کر کھانا تناول کرتے ہیں۔ بدتمیزی کی حد یہ ہے کہ دیکھتے ہیں کہ کس میز پر زیادہ اور مزیدار شئے ہے اور پھر اسی میز پر جا کر کھانے لگتے ہیں۔ میزوں پر کھانے میں یہ قباحت ہے کہ اس انداز میں تکبر کا اظہار ہوتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کو عاجزی بہت پسند ہے۔ ایک پاؤں بچھا کر یا سرین پر بیٹھ کر کھانے میں یہی حکمت ہے کہ اس انداز میں گردن جھکا کر کھایا

جاتا ہے جس سے انسان کی عاجزی کا اظہار ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ طریقہ باعثِ برکت ہے۔

طریقہ نصاریٰ

حضرات گرامی! آج مسلمانوں کی تہذیب وتمدن دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ مسلمانوں کے ضمائر وقلوب کو جانے کیا ہو گیا ہے کہ ہر بات میں اغیار اور یہود ونصاریٰ کے طریقوں کو اپناتے ہیں، یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے، حالاں کہ ان کے پاس ان کے اپنے عالمگیر مذہب اسلام کے نادر اور سنہری طور طریقے اور اصول موجود ہیں۔ یوں تو مسلمان قریب قریب ہر بات میں ہی اغیار کے نقش قدم پر چلتے ہیں مگر چوں کہ اس وقت کھانے کے آداب کے ضمن میں بات ہو رہی ہے، اس لیے ہم دیگر عنوانات کو فی الوقت چھوڑ کر اسی کی بات کریں گے۔

اور بات کچھ یوں ہے کہ آج کل مسلمان قوم اور خاص طور پر اس کے امرا اور روسا بہت ہی بڑی لعنت میں مبتلا ہیں اور اس پر نازاں بھی ہیں۔ لعنت یہ ہے کہ مسلمان امرا اور روسا اسلامی شعار کی بجائے نصرانیوں کے طریقہ کار کے مطابق چھری اور کانٹے سے گوشت کھاتے ہیں۔ اسلام نے اس کی ممانعت کی ہے اور صرف ایک صورت میں چھری اور کانٹے کے استعمال کی اجازت دی ہے، اس طرح کہ گوشت اچھی طرح گلا نہ ہو یا مسلم ران ہو جس کو دانتوں سے کاٹ کر کھانا دشوار ہو۔ بصورت دیگر چھری اور کانٹے کا استعمال ممنوع ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:366 پر ایک حدیث یوں ہے:

فَإِنَّهُ مِنْ صُنْعِ الْأَعَاجِمِ وَانْهِسُوهُ فَإِنَّهُ أَهْنَأُ وَأَمْرَأُ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: کھاتے وقت گوشت کو چھری سے نہ کاٹو، کیوں کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے، اس کو دانت سے نوچ کر کھاؤ، کیوں کہ یہ خوش گوار اور زود ہضم ہے۔

اکٹھے مل کر کھانے میں برکت ہے

حضرات گرامی! مل جل کر کھانا تنہا کھانے سے بدرجہا اچھا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد مبارک کو ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: كُلُوا جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا فَإِنَّ الْبَرَكَةَ مَعَ الْجَمَاعَةِ۔

ترجمہ: مل جل کر کھاؤ، الگ الگ نہ کھاؤ، کیوں کہ برکت جماعت کے ساتھ ہے۔
ابن ماجہ میں ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم لوگ کھانا کھاتے ہیں مگر ہم لوگ یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ہم لوگ سیر نہیں ہو پاتے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو گے۔ عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے بجا فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مل جل کر کھانا کھایا کرو اور اس پر اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کیا کرو، اس طرح تمہارے کھانے میں برکت ہوگی۔ (صفحہ:۲۴۱)

مل جل کر کھانے میں ایک حکمت یہ بھی پوشیدہ ہے کہ اس طرح ایک دوسرے کے دکھ سکھ کا پتہ چلتا ہے، دل میں دوسروں کی تواضع اور بھلائی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور باہمی محبت افزوں تر ہوتی ہے۔

کھانے میں عیب نہ نکالنا چاہیے

کھانا اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی، بعض لوگ اچھا کھانا تیار کرتے ہیں مگر چوں کہ ہر شخص کا نساماں نہیں ہوتا، اس لیے بعض لوگ کھانا اس قدر اچھا نہیں پکاتے جو لوگوں کو پسند نہیں آتا۔ کیوں کہ ہر شخص صاف، ستھرا اور مزیدار کھانے کا خواہاں ہوتا ہے۔ کھانا خواہ کیسا ہو، اچھا ہو یا برا، اس میں عیب نہیں نکالنا چاہیے، اگر پسند آئے تو کھالے اگر من کو نہ بھائے تو چھوڑ دینا چاہیے، کیوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی کھانے کو عیب نہیں لگایا:

مَا عَابَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ إِنِ اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ۔

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کو کبھی عیب نہیں لگایا، اگر خواہش ہوئی تو کھالیا ورنہ چھوڑ دیا۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ 324)

قریب سے کھانا

امام ترمذی سیدنا عکراش بن ذویب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: أُتِينَا بِجَفْنَةٍ كَثِيرَةِ الثَّرِيدِ وَالْوَدَكِ فَخَبَطْتُ بِيَدِي فِي نَوَاحِيهَا وَأَكَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ فَقَبَضَ بِيَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى يَدِي الْيُمْنَى ثُمَّ قَالَ

يَا عِكْرَاشُ! كُلْ مِنْ مَوْضِعٍ وَّاحِدٍ فَإِنَّهُ طَعَامٌ وَّاحِدٌ ثُمَّ أُتِينَا بِطَبَقٍ فِيهِ أَلْوَانُ التَّمْرِ فَجَعَلْتُ آكُلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَجَالَتْ يَدُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الطَّبَقِ فَقَالَ: يَا عِكْرَاشُ! كُلْ حَيْثُ شِئْتَ فَإِنَّهُ غَيْرُ لَوْنٍ وَّاحِدٍ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:367)

ترجمہ: ہمارے پاس برتن میں بہت سی ثرید اور بوٹیاں لائی گئیں، میرا ہاتھ ہر طرف برتن میں پڑنے لگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے سے تناول فرمایا، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرا داہنا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ عکراش! ایک جگہ سے کھاؤ، کیوں کہ یہ ایک قسم کا کھانا ہے۔ اس کے بعد طبق میں طرح طرح کی کھجوریں لائی گئیں، میں نے اپنے سامنے سے کھانا شروع کیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک مختلف جگہ طباق میں پڑتا تھا، پھر فرمایا کہ عکراش جہاں سے چاہو کھاؤ، یہ ایک طرح کی شئے نہیں ہے۔

اس سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں: اول یہ کہ جب ایک رکابی میں ایک ہی طرح کا کھانا ہو، اور اس میں ایک سے زائد افراد شریک ہوں تو چاروں طرف ہاتھ چلانا انتہائی بد اخلاقی اور نازیبا حرکت ہے۔ اس سے دوسروں کے ذہن میں غلط تاثر پیدا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع بھی فرمایا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کھانے والی شئے ایک ہی طرح کی نہ ہو تو، پھر اس امر کی اجازت ہے کہ جہاں اچھی شئے ہو وہاں سے کھایا جائے، اس میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی اجازت دی ہے۔

کنارے سے کھانا چاہیے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: إِنَّهُ أُتِيَ بِقَصْعَةٍ مِنْ ثَرِيدٍ فَقَالَ كُلُوا مِنْ جَوَانِبِهَا وَلَا تَأْكُلُوا مِنْ وَسَطِهَا فَإِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ فِي وَسَطِهَا۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں ثرید بھر کر ایک برتن لایا گیا، ارشاد فرمایا کہ کناروں سے کھاؤ، بیچ سے نہ کھاؤ، کیوں کہ بیچ میں برکت اترتی ہے۔
(دارمی، ترمذی اور ابن ماجہ، مشکوٰۃ، صفحہ:366)

اس ارشاد مبارک سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کسی برتن یا رکابی میں چاول، کھیر یا سالن ہو تو کھانے والے کو چاہیے کہ رکابی یا برتن کے کنارے سے کھائے، بیچ سے نہ کھائے،

کیوں کہ بیچ میں برکت ورحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ کھاتے وقت اس امر کا خیال رکھیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

کچا لہسن اور گنڈا مکروہ ہے

پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

مَنْ أَكَلَ ثُوْمًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا أَوْ قَالَ فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا أَوْ لِيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ۔

ترجمہ: جو شخص لہسن یا پیاز (کچا) کھائے وہ ہم سے الگ رہے، یا یہ فرمایا کہ ہماری مسجد سے الگ رہے یا اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔

کچا لہسن اور کچا پیاز کھایا جائے تو منھ سے عجب طرح کی بو آنے لگتی ہے، یہ بو دوسروں کو بھی اور خود کو بھی ناگوار گزرتی ہے اور طبیعت مکدر ہونے لگتی ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی کچا لہسن یا پیاز کھائے تو مسجد میں نہ جائے اور ہم سے الگ رہے اور بہتر یہ ہے کہ گھر بیٹھا رہے۔

میٹھی شئے، شہد اور کدو

پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے ضمن میں درج ذیل اشیا محبوب رکھتے تھے۔ میٹھی شئے، شہد اور کدو۔ مشکوٰۃ، صفحہ:364 پر مرقوم ہے کہ ایک بار ایک خیاط نے کھانا تیار کرلیا اور پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعوت کو قبول فرمایا اور حضرت انس کو اپنی ہمراہی میں لے کر دعوت میں شرکت کی۔ خیاط نے جو کھانا تیار کیا تھا اس میں درج ذیل اشیا شامل تھیں:

1۔ شوربا جس میں کدو اور خشک گوشت شامل تھا۔
2۔ جو کی روٹی۔

دوران کھانا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملاحظہ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکابی میں سے کدو تلاش کر کے تناول فرما رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کو دیکھ کر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کدو سے اُنس کرنے لگے۔

اس واقعے کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بیان فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْحَلْوٰى وَالْعَسَلَ۔

ترجمہ: پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو میٹھی شئے اور شہد محبوب تھے۔

سونے چاندی کے برتن کا استعمال ممنوع ہے

مشکوٰۃ، صفحہ:370 پر درج ذیل حدیث تحریر ہے: عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلَّذِيْ يَشْرَبُ فِيْ اٰنِيَةِ الْفِضَّةِ يُجَرْجِرُ فِيْ بَطْنِهٖ نَارَ جَهَنَّمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ اَنَّ الَّذِيْ يَاْكُلُ وَيَشْرَبُ فِيْ اٰنِيَةِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ اتارتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق کھانے میں سونے اور چاندی کے برتن کا استعمال ممنوع ہے، بلکہ جو شخص چاندی کے برتن میں پئے گویا وہ دوزخ کی آگ پیتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم سونے یا چاندی کے برتن استعمال نہ کریں۔ بہتر صورت یہی ہے کہ مٹی کے برتن کھانے میں استعمال کیے جائیں تاکہ وعید سے بچ سکیں۔

پسینہ، رال اور مکھی گر جائے تو حرج نہیں

اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوقات ہیں، ان مخلوقات میں سے ایک مخلوق مکھی جو زیادہ تر گندگی کو پسند کرتی ہے اور گندگی پر بیٹھتی ہے۔ اس لیے جس شئے پر مکھی بیٹھ جائے یا جس سالن، پانی اور کھانے کی دیگر اشیا میں مکھی گر جائے تو اہل خرد اس شئے کو ناقابل تناول قرار دیتے ہیں۔ شریعت محمدیہ اس مسئلے کی درست صورت سے آشنا کرتی ہے۔

پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کھانے میں مکھی گر جائے وہ کھانا ناقابل استعمال نہیں ہوتا، بلکہ جب کھانے میں مکھی گر جائے یا پڑ جائے تو اس کو غوطہ دیدو اور باہر نکال دو، اس لیے کہ اس کے ایک بازو میں بیماری ہے اور دوسرے میں شفا، یعنی ایک میں زہر اور دوسرے میں تریاق، ایک میں درد دوسرے میں دوا، ایک میں زخم اور دوسرے میں مرہم پٹی، اور یہ بیماری، زہر، درد اور زخم والے بازو کو کھانے میں پہلے ڈالتی ہے اور شفا، تریاق، دوا اور

مرہم پٹی والے بازو سے خود کو بچاتی ہے۔ (ابوداؤد)

عالمگیری میں درج ذیل تحریر مرقوم ہے کہ رال گر جانے، آنسو پڑ جانے یا پسینہ پڑ جانے سے کھانا حرام نہیں ہوجاتا، اسی طرح پانی میں کوئی پاک شئے مل جائے اور اس سے طبیعت مکدر ہوتی ہو تو پانی لائق نوش ہے۔

بھوک سے زیادہ کھانا بہت برا ہے

پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

مَا مَلَاَ اٰدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِّنْ بَطْنٍ حَسْبُ الْاٰدَمِيِّ لُقَيْمَاتٌ يُّقِمْنَ صُلْبَهٗ فَاِنْ غَلَبَتِ الْاٰدَمِيَّ نَفْسُهٗ فَثُلُثٌ لِّلطَّعَامِ وَثُلُثٌ لِّلشَّرَابِ وَثُلُثٌ لِّلنَّفَسِ۔ (ابن ماجہ، صفحہ:348)

ترجمہ: آدمی نے پیٹ سے برا کوئی برتن نہیں بھرا۔ آدمی کو چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا کریں، اگر آدمی پر اس کی نفسانی خواہش غالب آجائے تو تہائی پیٹ کھانے کے لیے، تہائی پیٹ پانی کے لیے اور تہائی پیٹ نفس کی خواہش کے لیے رکھے۔

اس حدیث مبارکہ میں جس امر کی وضاحت فرمائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ انسان کو ضرورت سے زیادہ کھانا ہرگز ہرگز نہیں کھانا چاہیے، اگر زیادہ کھانے کی خواہش شدید ہو تو پھر بھی اس قدر کھانا چاہیے کہ کھانے اور پانی کے بعد بھی پیٹ اس قدر ہلکا ہو کہ سانس کی آمد و رفت بآسانی جاری رہے۔

علاوہ ازیں ہر شئے حسب ضرورت ہی فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ کھانا صرف اس قدر کھائیں کہ جس سے بدن میں اتنی توانائی آجائے کہ سدھا رہے، اگر ہم نے اس بات پر عمل نہ کیا اور ضرورت سے زائد کھاتے رہے تو روز محشر ہماری بھوک کا یہ عالم ہوگا کہ ہم سے بھوکا اور کوئی نہ ہوگا۔

ابن ماجہ، صفحہ:248 پر پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مرقوم ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ڈکار کی آواز سنی، فرمایا کہ اپنی ڈکار کم کرو، اس لیے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ بھوکا وہ ہوگا جو دنیا میں زیادہ پیٹ بھرتا ہے۔

انگلیاں اور برتن چاٹنے کی ہدایت

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: اَمَرَ بِلَعْقِ الْاَصَابِعِ وَالصَّحْفَةِ وَقَالَ اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِيْ اَيَّةِ الْبَرَكَةُ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ: 363)

ترجمہ: آپ نے انگلیاں اور برتن چاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے۔

مشکوٰۃ کے اسی صفحے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد یوں درج ہے:

اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَمْسَحْ يَدَهٗ حَتّٰى يَلْعَقَهَا اَوْ يُلْعِقَهَا۔ (مشکوٰۃ، صفحہ: 363)

ترجمہ: کوئی تم میں سے کھانے کے بعد ہاتھ نہ پونچھے، جب تک کہ چاٹ نہ لے یا چٹا نہ دے۔

ایک اور ارشاد مبارک مشکوٰۃ، صفحہ 366 پر درج ہے:

مَنْ اَكَلَ فِيْ قَصْعَةٍ فَلَحِسَهَا اِسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقَصْعَةُ۔ (امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

ترجمہ: جو کھانے کے بعد برتن کو چاٹ لے گا وہ برتن اس کے لیے استغفار کرے گا۔

اور رزین کی ایک روایت کے مطابق یہ بھی ہے کہ وہ برتن یہ دعا کرتا ہے جس طرح تو نے مجھے شیطان سے آزاد کیا اس طرح اللہ تجھے جہنم سے آزادی نصیب فرمائے۔

(مشکوٰۃ، صفحہ 348)

مندرجہ بالا ارشادات مبارکہ کو مد نظر رکھ کر ہمیں کھانے کے بعد انگلیاں اور برتن چاٹ لینا چاہیے اور برتن کو جھوٹا نہیں چھوڑنا چاہیے۔

کھانے کے شروع میں اور آخر میں نمک کا استعمال

نوالہ کھانے سے قبل تھوڑا سا نمک کھا لینا چاہیے اور کھانے کے بعد تھوڑا سا نمک کھانا چاہیے۔ شامی کے مطابق کھانے کا آغاز اور اختتام نمک پر کرنے سے 70 / بیماریاں رفع ہوتی ہیں۔

کھانے کے بعد دعا

حضرات گرامی! کھانے کے آداب کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم آغاز سے چلے تھے۔ راہ

میں آنے والے آداب کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم اختتام تک پہنچ گئے ہیں۔ کھانے کے اختتام پر ہمیں دعائے شکر پڑھنا چاہیے۔ امام ترمذی، امام ابوداؤد اور ابن ماجہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ پیارے رسول کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

یہ حدیث مشکوٰۃ، صفحہ: 365 پر درج ہے۔ اس سے اگلے صفحے 366 پر درج ہے کہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کھاتے یا پیتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَ وَسَقٰى وَسَوَّغَهٗ وَجَعَلَ لَهٗ مَخْرَجًا۔

برادران ملت اسلامیہ! اس احقر نے کھانے کے چیدہ چیدہ اور عام فہم مسائل بیان کر دیے ہیں۔ ان سے آشنا ہونا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اللہ ہمیں صحیح آداب و اطوار کے مطابق کھانا کھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

بائیسواں وعظ

پینے کے آداب ومسائل

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

حضرات گرامی! پچھلے وعظ میں آپ نے کھانے کے آداب ومسائل کا مطالعہ فرمایا۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عام فہم اور اہم آداب ومسائل پینے کے بارے میں بھی احاطۂ تحریر میں لائیں جائیں۔ ان آداب ومسائل سے آگاہی حاصل کرنا ہم مسلمانوں کے لیے بیحد ضروری ہے بلکہ وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی آداب ومسائل کو اپنایا تھا جن کو چھوڑ کر آج ہم یہود ونصاریٰ کے طرز وتمدن کو اپنا چکے ہیں اور آنکھیں دین اسلام سے پھیر کر اپنی تباہی وبربادی پر مہریں ثبت کر رہے ہیں، اگر ہم نے دین اسلام کی تعلیم پر عمل نہ کیا اور یہود ونصاریٰ کے طرز وتمدن سے دامن نہ چھڑایا تو واللہ! ہمارا انجام بہت ہی المناک ہوگا اور ہماری بے گور وکفن لاش پر کوئی رونے والا بھی نہ ہوگا۔

وقت نکال کر آیئے ذرا ان آداب کا مطالعہ کرتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت نوش ملحوظ رکھے ہیں:

تین سانس میں پینا

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تین سانس میں پانی نوش فرمایا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَنَفَّسُ فِي الشَّرَابِ ثَلٰثًا۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:370)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی پینے میں تین سانس لیتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد کو امام مسلم وبخاری نے روایت کیا یا اور یہ

مشکوٰۃ، صفحہ:370 پر مرقوم ہے۔ مشکوٰۃ کے اسی صفحے پر مسلم کی ایک اور روایت درج ہے جس کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پینے میں تین سانس لینے کے بارے میں فرمایا کہ اس طرح سے پیاس زیادہ سیراب ہوتی ہے، نیز اس طرح سے پانی پینا صحت کے لیے سودمند ہے اور صحت پر خوشگوار تاثر چھوڑتا ہے۔

برتن دائیں ہاتھ سے پکڑنا چاہیے

پانی یا کوئی پینے والا مشروب برتن میں پینا ہو تو برتن دائیں ہاتھ میں پکڑنا چاہیے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر پینا چاہیے اور تین سانس میں پینا چاہیے۔ سانس لینے کے لیے برتن منھ سے ہٹانا چاہیے اور پہلی اور دوسری سانس میں صرف ایک ایک گھونٹ پینا چاہیے مگر جب تیسری مرتبہ سانس آئے تو جتنا چاہے پی لے۔ لیکن پینا دائیں ہاتھ سے چاہیے، کیوں کہ بائیں ہاتھ سے شیطان پیتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَاْكُلْ بِيَمِيْنِهٖ وَاِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِيْنِهٖ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:363)

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور پانی پیے تو داہنے ہاتھ سے پیے۔

ایک سانس میں پینا منع ہے

مشروب نوش ایک سانس میں پینا مضر از صحت ہے۔ علاوہ ازیں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ ایک سانس میں پانی پیا جائے، کیوں کہ اس طرح تو اونٹ پیتا ہے اگر ہم بھی ایسے ہی پئیں تو ہم میں اور اونٹ میں کیا فرق رہ جائے گا۔

مشکوٰۃ، صفحہ:371 پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ یوں مرقوم ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَشْرَبُوْا وَاحِدًا كَشُرْبِ الْبَعِيْرِ وَلٰكِنِ اشْرَبُوْا مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَسَمُّوْا اِذَا اَنْتُمْ شَرِبْتُمْ وَاحْمَدُوْا اِذَا اَنْتُمْ رَفَعْتُمْ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اونٹ کی طرح ایک سانس میں پانی نہ پیو، بلکہ دو اور تین سانس میں پیو۔ جب پیو تو بسم اللہ شریف پڑھو اور جب برتن سے منھ ہٹاؤ تو اللہ

کی حمد کرو۔

سبحان اللہ! کیا پیارا انداز بتایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پینے کا کہ آغاز میں بھی اپنے رب کی عظمت اور مہربانی کا اقرار اور آخر میں اپنے رب کی تعریف۔

برتن میں پھونکنے کی ممانعت

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ برتن میں مت پھونکو، مشکوۃ، صفحہ: 371 پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول یوں مرقوم ہے: نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّتَنَفَّسَ فِي الْإِنَاءِ أَوْ يُنْفَخَ فِيْهِ۔ (ابن ماجہ، ابوداؤد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے اور پھونکنے سے منع فرمایا ہے۔

مشکوۃ کے اسی صفحے پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پینے کی شے میں مت پھونکو۔ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ایسی صورت میں بھی نہ پھونکیں، جب کہ پانی میں کوڑا وغیرہ ہو، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی صورت میں پانی گرادو، مگر پھونک کر مت پیو۔ اس شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ایک سانس میں پانی پینے سے سیرابی نہیں ہوتی۔ فرمایا کہ ایک سانس میں مت پیو، بلکہ برتن کو منھ سے جدا کر کے سانس لو۔ (ترمذی)

سونے چاندی کے برتن میں پینا گناہ ہے

سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال کھانے میں منع ہے اور پینے میں بھی۔ سونے یا چاندی کے برتنوں کا استعمال موجب گناہ ہے۔ سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کے بارے میں سخت وعید آئی ہے۔ بعض لوگ کھانے پینے میں سونے اور چاندی کے برتن استعمال کرتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ ان پر زہر اثر نہیں کرتا۔ سونے چاندی کے برتنوں پر زہر اثر کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔ ہم تو یہ بات جانتے ہیں کہ جو شخص صدق دل سے کسی شک وشبہ کے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتا ہے، اس پر زہر تو کیا زہر کا باپ بھی اثر نہیں کرسکتا، اس لیے ہم یہ بات برعکس مانتے ہیں۔ پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيْرَ وَلَا الدِّيْبَاجَ وَلَا تَشْرَبُوْا فِيْ اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَأْكُلُوْا فِيْ

صِحَافِهَا فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَهِيَ لَكُمْ فِي الْآخِرَةِ۔ (مشکوۃ، صفحہ: 371، بخاری ومسلم)

ترجمہ: حریر اور دیباج نہ پہنو اور نہ سونے چاندی کے برتن میں پانی پیو اور نہ ان میں کھاؤ۔ یہ اشیا دنیا میں کفار کے لیے ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔

دونوں ہاتھوں سے پینے کی فضیلت

پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے پانی پینے کو افضل قرار دیا ہے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ہمراہ تشریف لے جارہے تھے، برسرراہ ایک حوض نظر پڑا، اصحاب نے پانی پینے کا ارادہ کیا اور ٹیک لگا کر پانی پینے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے پانی مت پیو، بلکہ ہاتھوں سے پیو کہ ان سے پاکیزہ برتن کوئی نہیں۔

بیان کردہ مندرجہ بالا واقعہ کی سچائی کے ثبوت کے لیے ابن ماجہ، صفحہ 253 پر مرقوم حدیث پیش خدمت ہے: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَرَرْنَا عَلٰى بِرْكَةٍ فَجَعَلْنَا نَكْرَعُ فِيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكْرَعُوْا وَلٰكِنِ اغْسِلُوْا أَيْدِيَكُمْ ثُمَّ اشْرَبُوْا مِنْهَا فَإِنَّهٗ لَيْسَ إِنَاءٌ أَطْيَبَ مِنَ الْيَدِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک حوض سے گزرے اور ہم ٹیک لگا کر پانی پینے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹیک لگا کر نہ پیو۔ لیکن اپنے ہاتھوں کو دھوؤ اور ان سے پانی پیو کہ ہاتھ سے زیادہ پاکیزہ کوئی برتن نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پینے کے بارے میں درج ذیل باتوں کا حکم فرمایا ہے:

1- پیٹ کے بل جھک کر پانی میں منھ ڈال کر پانی نہ پیو۔

2- ایک ہاتھ کے چلو میں پانی لے کر پینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ممنوع ہے، کیوں کہ اس طرح وہ لوگ پانی پیتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا غضب نازل کیا۔

3- اگر بوقت شب طلب نوش ہو تو پانی کے برتن کو ہلالو، مگر ایسی صورت میں نہ ہلاؤ، جب کہ برتن ڈھکا ہوا ہو۔

4- برتن سے پینے پر قادر ہونے کے باوجود ہاتھوں سے پیو، کیوں کہ جو شخص برتن سے پانی

پینے پر قادر ہونے کے باوجود محض عاجزی اور انکساری کی خاطر ہاتھوں سے پانی پیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں اتنی نیکیاں لکھتا ہے جتنی اس کے ہاتھوں کی انگلیاں ہیں۔

سنن ابن ماجہ، صفحہ 253 پر مرقوم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا برتن پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ دنیا کی چیز ہے اور، پھر انھوں نے اپنے ہاتھوں کو برتن بنالیا۔ مطلب یہ کہ ہاتھوں سے پانی پیا کرتے تھے۔

ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس سنت پر ہر ممکن حد تک عمل کرنے کی کوشش کریں۔

مسلمان کا جوٹھا شفا ہے

ہندو مذہب مختلف گروہوں پر مشتمل ہے، ان میں سے ایک گروہ چھوت کہلاتا ہے۔ اس کو سب سے ذلیل تصور کیا جاتا ہے۔ لوگ ان سے میل جول رکھنا بھی پسند نہیں کرتے بلکہ اگر کوئی چھوت کسی برہمن کی آواز سن لے تو اس کے کانوں میں پگھلا کر سیسہ ڈالا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ ان کو دیگر معاشرے سے الگ رکھا جاتا ہے۔ اس ہندوانہ رسم اور طرز کی سی جھلک ہم مسلمانوں میں یوں پائی جاتی ہے کہ ہم دوسروں کے جوٹھے کو کھانا پینا ناپسند کرتے ہیں۔ اسلام ہمیں اس چھوت چھات کی اجازت نہیں دیتا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کا جوٹھا شفا کا حامل ہے۔

کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت

امام مسلم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت کیا ہے: أَنَّهُ نَهٰى أَنْ يَّشْرِبَ الرَّجُلُ قَائِمًا۔ (مشکوۃ، صفحہ:370)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی ممانعت فرمائی کہ کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پیے۔

اس ارشاد سے صاف طور پر یہ بات عیاں ہے کہ پانی کھڑے ہو کر پینا مکروہ ہے۔

زمزم اور وضو سے بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا چاہیے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض لوگ کھڑے ہو کر

پانی پینے کو کلی طور پر مکروہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کلی طور پر لاگو نہیں ہے، بلکہ زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی اس حکم سے آزاد ہے۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عباس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں زمزم کا پانی پیش کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نوش کیا۔ اس کی سچائی کے لیے مشکوۃ، صفحہ: 370 کی یہ تحریر حاضر خدمت ہے: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِدَلْوٍ مِّنْ مَّاءِ زَمْزَمَ فَشَرِبَ قَائِمًا۔ (مشکوۃ، صفحہ:370)

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک بار آب زمزم کا ایک ڈول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا تو سرکار مدینہ نے اس کو کھڑے ہو کر پیا۔

مشکوۃ، صفحہ 370 پر صحیح بخاری کے حوالے سے ایک اور تحریر یوں رقم ہے کہ ایک بار شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ بعد ازاں کوفہ میں رونق افروز ہو گئے۔ مقصد یہ تھا کہ غرض مند لوگوں کی ضروریات وحاجات کا ازالہ کیا جائے۔ اس عمل میں آپ اس قدر مشغول ہوئے کہ نماز عصر کا وقت آ گیا۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت گرامی میں پانی لایا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پانی کو نوشِ جاں فرمایا اور بعد ازاں وضو فرمایا اور وضو کرنے کے بعد بھی پانی بچ رہا تو حضرت علی نے کھڑے ہو کر اس کو نوش فرمایا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ لوگوں کے نزدیک کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ ہے مگر ایسا نہیں ہے جس طرح میں نے کیا۔ بالکل اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔

ایک حکمت: آب زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینے میں یہ حکمت نہاں ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے سے پانی فوری طور پر سارے بدن میں سرایت کر جاتا ہے۔ عام طور پر یہ صحت کی خرابی کا باعث ہے مگر یہ دونوں پانی جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے بیحد برکت والے ہیں۔ اس لیے ان کو کھڑے ہو کر پینے کا مقصد یہی ہے کہ ان کی برکت فوری طور پر بدن کے سارے اعضا میں پھیل جائے۔

دوسروں کو پانی پلانا بڑا ثواب کا کام ہے

احادیث رسول کی مشہور اور علمائے گرامی کے نزدیک مستند کتاب ابن ماجہ کی ایک تحریر پیش کی جاتی ہے، جس سے اس امر کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے کہ دوسروں کو پانی پلانا کس قدر اجر وثواب کا موجب ہے۔

ایک بار پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ بتائیں کہ کون کون سی اشیا ہیں جن کا انکار کرنا حلال نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین اشیا ہیں جن کا انکار کرنا حرام ہے۔ پانی، نمک اور آگ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ پانی کا انکار حلال نہیں ہے مگر یہ بات بالاتر از فہم وعقل ہے کہ آگ اور نمک کا انکار کس طرح حلال نہیں۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے حمیرا سنو! جس نے آگ دی، اس نے صرف آگ نہیں دی بلکہ اس کے نامہ اعمال میں اس سارے کھانے کے صدقے کرنے کا ثواب لکھا جائے گا اور جس کسی نے نمک دیا، گویا اس نے اپنے اس سارے کھانے کو صدقہ کر دیا جو نمک سے تیار کیا گیا اور جس کسی نے پانی پلایا، ایسی جگہ جہاں پانی دستیاب ہو تو گویا اس نے گردن کی نجات کے سامان کر دیے، اگرچہ پانی کا ایک ہی گھونٹ کیوں نہ پلایا ہو، اور جس کسی نے ایسی جگہ کسی کو پانی پلایا جہاں پانی نہ ملتا ہو تو گویا اس نے اسے زندگی سے ہمکنار کر دیا، اگرچہ پانی کا ایک گھونٹ پلایا ہو۔

ساقی سب سے آخر میں پیئے

پلائی ساقی نے کچھ ایسی نظر سے
میرے دین و دنیا دونوں سنور گئے

پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سَاقِی الْقَوْمِ اٰخِرُھُمْ شُرْبًا۔

ترجمہ: ساقی (دوسروں کو پانی پلانے والا) سب سے آخر میں پیئے۔

مندرجہ بالا ارشاد مبارک حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور ابن ماجہ، صفحہ:

253 پر مرقوم ہے۔

دائیں طرف والے کو پہلے پلانا چاہیے

حضرات گرامی! مشکوۃ، صفحہ: 371 کی دو تحریریں آپ کی خدمت میں پیش ہیں، جو اس بات کی غماز ہیں کہ اگر کسی محفل میں پینے کی کوئی چیز لائی جائے تو سب سے پہلے دائیں طرف والے کو پلائی جائے، پھر جو اس کے دائیں جانب ہو اسے دی جائے۔

پہلی تحریر: پہلی تحریر جو پیش خدمت ہے، اس کو امام مسلم و بخاری نے حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے: اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِقَدَحٍ فَشَرِبَ مِنْہُ وَعَنْ یَمِیْنِہٖ غُلَامٌ اَصْغَرُ الْقَوْمِ وَالْاَشْیَاخُ عَنْ یَسَارِہٖ فَقَالَ یَا غُلَامُ اَتَأْذَنُ اَنْ اُعْطِیَہُ الْاَشْیَاخَ فَقَالَ مَا کُنْتُ لِاُوْثِرَ بِفَضْلٍ مِّنْکَ اَحَدًا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! فَاَعْطَاہُ اِیَّاہُ۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں مشروب کا پیالہ پیش کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنی جانب سب سے چھوٹے صحابی (عبداللہ بن عباس) موجود تھے اور دیگر بڑے بڑے اصحاب بائیں جانب تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروب نوش فرمایا اور پھر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ بیٹے! اگر تم کہو تو بڑوں کو دے دوں۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوٹھے میں اوروں کو خود پر فوقیت نہیں دیتا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دے دیا۔

دوسری تحریر: عَنْ اَنَسٍ قَالَ حُلِبَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَاۃٌ دَاجِنٌ وَشِیْبَ لَبَنُھَا بِمَاءٍ مِّنَ الْبِئْرِ الَّتِیْ فِیْ دَارِ اَنَسٍ فَاُعْطِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْقَدَحَ فَشَرِبَ وَعَلٰی یَسَارِہٖ اَبُوْبَکْرٍ وَعَنْ یَمِیْنِہٖ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ عُمَرُ اَعْطِ اَبَابَکْرٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! فَاَعْطَی الْاَعْرَابِیَّ الَّذِیْ عَنْ یَمِیْنِہٖ ثُمَّ قَالَ الْاَیْمَنُ فَالْاَیْمَنُ۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بکری کا دودھ دوہا گیا اور حضرت انس کے گھر کے کنویں سے اس میں پانی ملایا گیا، یعنی لسی بنائی گئی، پھر یہ لسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں لائی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما تھے اور داہنی جانب ایک اعرابی بیٹھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لسی نوش فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیجیے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں جانب بیٹھے ہوئے اعرابی کو لسی دی اور پھر فرمایا کہ داہنا مستحق ہے، پھر اس کے بعد بایاں۔

شراب اور نشہ آور شے کا پینا حرام ہے

ابن ماجہ سیدنا ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِی الدُّنْیَا لَمْ یَشْرِبْهَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا اَنْ یَّتُوْبَ۔

ترجمہ: جو شخص دنیا میں شراب پیے گا، آخرت میں نہ پیے گا مگر یہ کہ توبہ کر لے۔

واضح رہے کہ یہاں آخرت میں شراب نہ پینے سے مراد، شراب طہور ہے جس کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے: وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا۔

قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّهَا مِفْتَاحُ کُلِّ شَرٍّ۔

(ابن ماجہ، صفحہ: 250)

ترجمہ: مجھے میرے دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ شراب مت پینا، کیوں کہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں شراب پیتا ہے اس کو آخرت میں شراب دی جائے گی کھولتی اور ابلتی ہوئی شراب جو دوزخیوں کی پیپ ہوگی، مگر جو شخص توبہ کرے تو اس پر یہ عذاب نہ ہوگا۔

حضرات گرامی! شراب اور دیگر نشہ آور شے کا پینا حرام اور سخت گناہ ہے۔ امت مسلمہ کو ہر حال میں شراب سے اجتناب کرنا چاہیے، کیوں کہ شراب کے بارے میں بڑی سخت وعید آئی ہے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 179 پر حضرت عبداللہ بن مسعود کی یہ روایت مرقوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے ساتھ 10 / آدمیوں کو ملعون ٹھہرایا: اول وہ جو شراب کشید کرے۔ دوم جس کے لیے شراب کشید کی جائے۔ سوم جو شراب نوش کرے۔ چہارم جو کسی کے لیے یا اپنے لیے شراب لے کر جائے۔ پنجم جس کے لیے شراب لائی جائے۔ ششم جو شراب فروخت کرے۔ ہفتم جو شراب کی تجارت میں حصہ لے۔ ہشتم جو شراب خریدے۔ نہم جس کے لیے شراب خریدی جائے۔ دہم جو شراب کشید کرنے کی نیت سے انگور اور میوہ کے درخت لگائے۔ جو شخص شراب کا ایک پیالہ لیتا ہے وہ جہنم کے سانپوں کا زہر پیے گا اور جس کو بحالت نشہ موت آئے وہ روز محشر متوالا

اٹھے گا اور قبر میں اس پر دو فرشتے قیامت تک لعنت کرتے رہیں گے اور رحمت الٰہی کے فرشتے اس سے دوری اختیاری کریں گے۔ شیطان اس کے قریب ہوگا اور جب قبر سے اٹھے گا تو اس کی صورت سر سے ناف تک کتے کی ہوگی، باقی جسم گدھے کا ہوگا اور میدان محشر میں وہ شدت پیاس سے ہزار برس تک پیاس پیاس پکارے گا۔ اس وقت اس کو تھوہڑ (ایک خاردار زہریلا پودا) کا پانی پلایا جائے گا، گلے میں طوق اور پاؤں میں زنجیریں ڈالی جائیں گی اور ہزار برس تک پہاڑ کے برابر اژدہے اور خچر کے برابر بچھو اس کو کاٹتے رہیں گے۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس شخص کے پیٹ میں شراب ہوگی اس کا کوئی عمل نیک اللہ تعالیٰ قبول نہ فرمائے گا۔ اگر اسی حالت میں مرگیا تو کافر کی موت مرگیا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جس شخص نے ایک بار شراب پی تو اس کی نماز، روزہ اور کوئی نیک عمل چالیس روز تک قبول نہ ہوگا۔ دوبارہ پیے تو 80 / دن تک کوئی نیک عمل قبول نہیں ہوتا۔ سہ بارہ پیے تو ایک 120 / دن تک کوئی عمل قبول نہیں ہوتا، اگر چوتھی بار شراب پیے تو اس کو قتل کردو، کیوں کہ وہ کافر ہے اور روز محشر اللہ اس کو اہل جہنم کا لہو اور پیپ پلائے۔ (تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 182)

حضرات گرامی! پینے کے بارے میں چند عام فہم آداب و مسائل کا تذکرہ کیا گیا۔

اب ذرا دیر کے لیے آئیے یہ بھی ملاحظہ کرتے چلیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کیا تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میٹھا اور ٹھنڈا پانی محبوب تھا

میٹھی اور شیریں شے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی۔ اسی لیے حلوہ ان کی محبوب شے تھی۔

اسی طرح ٹھنڈا اور شیریں پانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نوش فرمانا پسند کرتے تھے۔

اس بات کی سچائی کے ثبوت میں مشکوٰۃ، صفحہ: 377 کی یہ تحریر حاضر خدمت ہے:

کَانَ اَحَبُّ الشَّرَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْحُلْوُ الْبَارِدُ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پینے کی وہ شے زیادہ پسند تھی جو شیریں اور ٹھنڈی ہو۔

باسی پانی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منظورِ نظر تھا

ٹھنڈے، شیریں اور میٹھے پانی کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم باسی پانی کو بھی پسند فرماتے تھے۔ بخاری شریف میں سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت ہے:

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَمَعَہٗ صَاحِبٌ لَّہٗ فَسَلَّمَ فَرَدَّ الرَّجُلُ وَھُوَ یُحَوِّلُ الْمَآءَ فِیْ حَائِطٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ کَانَ عِنْدَکَ مَآءٌ بَاتَ فِیْ شَنَّۃٍ وَّاِلَّا کَرَعْنَا فَقَالَ عِنْدِیْ مَآءٌ بَاتَ فِیْ شَنٍّ فَانْطَلَقَ اِلَی الْعَرِیْشِ فَسَکَبَ فِیْ قَدَحٍ مَآءً ثُمَّ حَلَبَ عَلَیْہِ مِنْ دَاجِنٍ فَشَرِبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَعَادَ فَشَرِبَ الرَّجُلُ الَّذِیْ جَآءَ مَعَہٗ۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک انصاری کے یہاں رونق افروز ہوئے۔ آپ نے ان کو سلام کیا، انھوں نے جواباً سلام کہا، وہ اپنے درختوں کو پانی دے رہے تھے۔ پھر آپ ارشاد فرمایا کہ کیا تمہارے یہاں باسی پانی پرانی مشک میں ہے؟ (اگر ہو تو لاؤ) ورنہ ہم منھ لگا کر پی لیں گے۔ انھوں نے عرض کیا کہ میرے پاس پرانی مشک میں باسی پانی ہے۔ پھر وہ جھونپڑی میں گیا اور برتن میں پانی انڈیل کر اس میں بکری کا دودھ دوہا اور اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا، پھر دوبارہ انھوں نے دودھ دوہا اور پانی ڈالا، پھر آپ کے ساتھی نے پیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر اللہ تعالیٰ ہمیں چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

تیسواں وعظ

عیادت کے آداب

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ۔

برادران ملت اسلامیہ!

زندگی مجموعۂ اضداد ہے، ایک طرف خوشی ہے تو دوسری طرف غم، ایک طرف شادی ہے تو دوسری طرف مرگ، ایک طرف سکون تو دوسری طرف بے چینی و بے تابی، ایک طرف درد ہے تو دوسری طرف دوا، ایک طرف زہر ہے تو دوسری طرف تریاق، ایک طرف کو نین ہے تو دوسری طرف شہد، ایک طرف سمندر ہے تو دوسری طرف ساحل، کہیں دھوپ ہے، کہیں سیرابی ہے، کہیں تشنگی، کہیں گلزار، کہیں خارزار، کہیں بہار، کہیں خزاں، کبھی دن، کبھی رات، کبھی اسیری، کبھی رہائی، کسی جگہ نیکی کا بول بالا ہے تو کسی جگہ بدی کی حکمرانی ہے۔ غرض یہ کہ پورے کے پورے نظام حیات میں تصویر کے دونوں رُخ ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ اسی لیے انسان پر کبھی تندرستی کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو۔ بقول شاعر:

ہوا زلف و رخ کا برابر ظہور
کہ بے سایہ ممکن نہ تھی قدر نور

صحت وتندرستی کی قدر و قیمت معلوم کرنے کے لیے بیماری لازمی امر ہے۔ عام طور پر بیماری کو عذاب الٰہی سمجھا جاتا ہے، اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے اور اس کو دنیاوی اعتبار سے نقصاندہ تصور کیا جاتا ہے۔ مگر ہم اگر مسلمانانہ اور حقیقت پسندانہ وبالغانہ نظر سے بیماری کے بارے میں جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ بیماری ہر لحاظ سے ہمارے لیے فائدہ مند ہے۔

ذیل میں چند ایک فوائد دیے جا رہے ہیں جو علالت کی بنا پر حاصل ہوتے ہیں:

بیماری قربِ الٰہی کا ذریعہ

جب کوئی شخص صحت مندانہ عالم میں ہو تو اس کے سکون کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اپنے دنیاوی کاروبارِ حیات میں کچھ اس طرح مستغرق ہوتا ہے کہ یادِ الٰہی سے بالکل بیگانہ ہو جاتا ہے اور وہ شیطان کا پیروکار بن کر رہ جاتا ہے۔ لیکن بفضل اللہ اگر دل میں ایمان کی ایک رتی بھی ہو تو صرف نماز پنج گانہ ادا کرنے کو ہی تمام تر حقوق اللہ کی ادائیگی تصور کر لیتا ہے۔ اب اگر گردوں کا رنگ آفتاب علالت سے عنابی ہو جائے اور یہی مرد توانا ابتلائے مرض ہو جائے اور مرض اگر دوا کرنے کے باوجود بھی مرض عشق کی طرح افزوں تر ہی ہوتا رہے تو پھر مریض کی ہر ہر سانس اور ہر ہر گھڑی سے اللہ کا نام نکلے گا اور مریض جس قدر اللہ کو یاد کرے گا، اللہ بھی اسی قدر اس کی جانب توجہ فرمائے گا۔ اس لیے بیماری کو زحمت نہیں تصور کرنا چاہیے۔

سورۂ حشر میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔

ترجمہ: جو تمہیں مصیبت پہنچی وہ اس کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کیا اور بہت سی وہ معاف فرما دیتا ہے۔

ایک واقعہ: حضرات گرامی! ہمارے بالکل پڑوس میں ایک معمر اور صحت مند خاتون رہائش پذیر تھیں۔ ان کا انتقال تیرہ رمضان المبارک چودہ سو ہجری بوقت بعد از مغرب ہوا۔ یہ بات مشہور تھی اور وہ خود اس امر کا اعتراف کرتی تھیں کہ ان کا ماضی عہد جوانی میں گناہوں کا ایک بھیانک خارزار تھا۔ جہاں دور دور تک گل تو کیا خوشبوئے گل بھی موجود نہ تھی۔ 60-65 سال کی عمر کے باوجود اچھی صحت مند تھیں۔ گوشت کے سوا کبھی روٹی نہ کھاتی تھیں۔ مگر کبھی کبھی لمحات فرصت میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے کہا کرتی تھیں کہ یا اللہ! گو کہ میں سراپا خطا ہوں مگر تیری رحمت بڑی وسیع ہے۔ میرے گناہوں کو معاف فرما دے۔ ان کی دعا ہدف اجابت کا سینہ چاک کر گئی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آخری عمر میں ان کو سخت ابتلائے مرض کیا۔ ہوا یوں کہ ایک روز موسم گرما میں غسل خانے سے نہا کر جو نکلیں تو بالکل خشک اور سطح زمین پر ان کا

پاؤں پھسل گیا جس سے ان کے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی جو ہزار کوشش کے باوجود نہ جڑ سکی، بلکہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، اور نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ ان کی دونوں ٹانگوں میں زہر باد پھیل گیا۔ چلنا پھرنا تو پہلے ہی موقوف تھا۔ اب بالکل چارپائی سے لگ گئیں اور دوسروں کے لیے نشانِ عبرت بن گئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک اور بات بھی ظہور پذیر ہوئی کہ جوں جوں مرض کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا ان کی مناجات میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ کوئی ہی ایسی رات ہوگی جس میں وہ سوئی ہوں گی، ورنہ ہر رات اور ساری رات اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگا کرتی تھیں۔

پورے طویل ترین چھ سال وہ معذوری و بے کسی اور دکھ و مصیبت کی زندگی گزارتی رہیں اور ہر وقت یہی مناجات کہ یا اللہ! میں بہت گنہگار ہوں مگر تیری رحمت بڑی وسیع ہے۔ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میری مغفرت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرما دی اور تیرہ رمضان المبارک چودہ سو ہجری میں ان کی روح جسد خاکی سے ناطہ توڑ گئی۔

حضرات گرامی! چھ طویل سال جس دکھ اور پریشانی، رنج و الم، معذوری و بے کسی کے عالم میں ان خاتون نے گزارے۔ اس کو مدنظر رکھ کر ہمیں پورا پورا یقین ہے کہ اللہ نے اپنی رحمت اور رمضان المبارک کی عظمت و توقیر کے صدقے ان کو معاف فرما دیا ہوگا، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق بیماری گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ 142 پر رقم ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک صحابی کسی مریض کی عیادت کو تشریف لے گئے اور فرمایا مجھ کو حدیث نبوی پہنچی ہے کہ مریض کے لیے حالت مرض میں چار نفع ہیں۔

1- وہ مرفوع القلم ہو جاتا ہے، یعنی تکالیف شرعی اس پر پوری طرح سے نہیں رہتیں۔

2- اس کو اجر و ثواب اس طرح ملتا ہے جس طرح حالت صحت میں نیک اعمال پر ملتا تھا۔

3- اس کی رگ رگ اور جوڑ جوڑ سے ایک ایک گناہ نکل جاتا ہے۔

4- اگر حالت مرض میں مر جائے تو اس کی مغفرت ہوگی اور اگر تندرست ہو کر زندہ رہے تو گناہوں سے پاک ہوگا۔

بیماری گناہوں کا کفارہ ہے

اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث مبارکہ پیش خدمت ہے جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور جو مشکوٰۃ، صفحہ 137 پر درج ہے:

عَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَسْقَامَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِّمَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَمَوْعِظَةً لَّهٗ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ وَاِنَّ الْمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ اُعْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيْرِ عَقَلَهٗ اَهْلُهٗ ثُمَّ اَرْسَلُوْهُ فَلَمْ يَدْرِ لِمَ عَقَلُوْهُ وَلِمَ اَرْسَلُوْهُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْاَسْقَامُ وَاللّٰهِ مَا مَرِضْتُ قَطُّ فَقَالَ قُمْ عَنَّا فَلَسْتَ مِنَّا۔

ترجمہ: سیدنا حضرت عامر الرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ مومن جب بیمار ہو اور پھر اچھا ہو جائے تو اس کی بیماری گناہوں سے کفارہ ہوتی ہے اور آئندہ کے لیے نصیحت۔ منافق جب بیمار ہو اور پھر اچھا ہو تو اس کی مثال اونٹ کی سی ہے کہ مالک نے اسے باندھا پھر کھول دیا تو اُسے نہ یہ معلوم ہوا کہ کیوں کھولا اور نہ یہ معلوم ہوا کہ کیوں باندھا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! بیماری کیا شئے ہے۔ میں کبھی بیمار نہیں ہوا۔ فرمایا کہ ہمارے پاس سے اٹھ جا تو ہم میں سے نہیں ہے۔

بیماری رحمت ہے

امام ابوداؤد اور احمد، محمد بن خالد عن ابیہ عن جدہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدِ السُّلَمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهٖ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ فِيْ جَسَدِهٖ اَوْ فِيْ مَالِهٖ اَوْ فِيْ وَلَدِهٖ ثُمَّ صَبَّرَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِيْ سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ۔

ترجمہ: محمد بن خالد عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ کے لیے علم الٰہی میں کوئی مرتبہ مقرر ہونا چاہیے اور وہ اعمال کے سبب اس رتبے کو نہ پہنچا تو اللہ بدن یا مال یا اولاد کا ابتلا فرماتا ہے، پھر اسے صبر دیتا ہے یہاں تک کہ اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے

جو اس کے لیے علم الٰہی میں ہے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 142 پر مرقوم ہے کہ عطا ابن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ مومن بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کچھ ملائکہ کا نزول کرتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھو میرے بندہ کو کہ وہ اپنے عیادت کرنے والوں کو کیا جواب دیتا ہے۔ جب وہ ملائکہ آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ بندہ اس حالت میں اپنے رب کی حمد و شکر بجالاتا ہے۔ یہ دیکھ کر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں اور جو کچھ دیکھتے ہیں عرض کرتے ہیں۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میں اپنے بندے کو اس کے صبر کا اجر دوں گا، اگر اس مرض میں دنیا سے اٹھالوں گا تو اس کو داخل بہشت کردوں گا۔ اگر صحت دوں گا تو اس کے گوشت سے اچھا گوشت اور خون سے اچھا خون بدل دوں گا اور اس کے گناہوں کو معاف کردوں گا۔

بیماری سے گناہ جھڑتے ہیں

تذکرۃ الواعظین، صفحہ 143 پر مرقوم ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ تپ (مرض بخار) ایک سیاہ عورت کے رنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں ام ملام ہوں، فرمایا کہ ام ملام کیا چیز ہے؟ اس نے کہا کہ میں گوشت کھاتی ہوں، خون کو خشک کرتی ہوں اور میری گرمی دوزخ کی لپٹ ہے۔ اس بیان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ وہ تپ ہے، پھر تپ نے کہا کہ مجھے اپنی جماعت کے ان لوگوں کے پاس روانہ کردیجئے جن سے آپ کو سب سے زیادہ محبت ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو انصار کی طرف روانہ کردیا۔ وہ سات روز تک تپ ولرزہ میں مبتلا رہے، یہاں تک کہ وہ لوگ مجبور ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد لائے۔ انھوں نے دعا کی اور اللہ نے ان سے تپ کو دور کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ مرحبا: اے قوم! تم وہ لوگ ہو جن کو اللہ نے آلائش گناہ سے پاک وصاف کردیا۔

مشکوٰۃ، صفحہ 137 پر مرقوم ہے:

عَنْ اَوْسِ بْنِ شَدَّادٍ وَالصَّنَابِحِیِّ اَنَّهُمَا دَخَلَا عَلٰی رَجُلٍ مَرِیْضٍ یَعُوْدَانِهٖ اَنَّهٗ فَقَالَا لَهٗ کَیْفَ اَصْبَحْتَ؟ قَالَ اَصْبَحْتُ بِنِعْمَةٍ قَالَ شَدَّادٌ اَبْشِرْ بِکَفَّارَاتِ السَّیِّئَاتِ وَحَطِّ الْخَطَایَا فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ اِذَا اَنَا ابْتَلَیْتُ عَبْدًا مِنْ عِبَادِیْ مُؤْمِنًا فَحَمِدَنِیْ عَلٰی مَا ابْتَلَیْتُهٗ فَاِنَّهٗ یَقُوْمُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ کَیَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ مِنَ الْخَطَایَا وَیَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اَنَا قَیَّدْتُ عَبْدِیْ وَابْتَلَیْتُهٗ فَاَجْرُوْا لَهٗ مَا کُنْتُمْ تُجْرُوْنَ لَهٗ وَهُوَ صَحِیْحٌ۔

ترجمہ: سیدنا اوس ابن شداد اور صنابحی رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ہم دونوں ایک مریض پر داخل ہوئے کہ اس کی بیماری پرسی کریں اور اس سے کہا کہ تو نے کس حال میں صبح کی؟ اس نے کہا کہ میں نے نعمت الٰہی پر صبح کی۔ سیدنا شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تجھ کو بشارت ہو کہ تجھ کو گناہوں کے گرنے اور خطاؤں کے دور ہونے کے سبب۔ اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں اپنے مومن بندوں میں سے کسی کو بیماری میں مبتلا کرتا ہوں اور اس بیماری کے باوجود وہ میری حمد بجالاتا ہے تو اپنے بستر علالت سے ایسا پاک وصاف اٹھتا ہے جیسے اس کی ماں نے آج ہی جنا ہو اور کوئی گناہ اس کا باقی نہیں رہتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندے کو قید کیا اور مصیبت میں ڈالا اور اس کا امتحان لیا۔ اے فرشتو! تم وہی عمل اس کے نامۂ اعمال میں لکھو جو اس کی صحت میں لکھتے تھے۔

امام احمد ہی کی ایک اور روایت مشکوٰۃ، صفحہ:148 پر یوں مرقوم ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا کَثُرَتْ ذُنُوْبُ الْعَبْدِ وَلَمْ یَکُنْ لَهٗ مَا یُکَفِّرُهَا مِنَ الْعَمَلِ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ بِالْحُزْنِ لِیُکَفِّرَ مَا عَنْهُ۔

ترجمہ: حضرت سیدنا طاہرہ ام المومنین فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندۂ مومن کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور اس کے اعمال میں کوئی شے ایسی نہیں رہتی جو اس کے گناہوں کا کفارہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ اس کو رنج والم میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو سکے۔

بیمار کو تسلی دینا چاہیے

مریض کی عیادت کرنا اور اس کو تسلی وتشفی دینا ازالۂ مرض کے ساتھ ساتھ روحانی مسرت کا باعث بھی بنتا ہے۔ ہمارے پیارے مذہب اسلام نے ہمیں عیادت کا خصوصی درس دیا ہے۔ کیونکہ عیادت مریض کے دل سے بیماری کا خیال وقتی طور پر نکال کر اس کو پرسکون کی جانب لوٹاتی ہے۔

اسلام کی یہ پاکیزہ اغیار سے بھی اپنا لوہا منوا چکی ہے۔ سپر پاور امریکہ کے ایک سینئر ڈاکٹر لنک کا کہنا ہے کہ پیار ومحبت کے جذبات دل پر بے حد شدید طور پر اثر انداز ہوتے ہیں اور پیار ومحبت کی فضا مرض کی شدت میں بڑی حد تک کمی کر دیتی ہے اور مریض بہت جلد صحت یاب ہو جاتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَی الْمَرِیْضِ فَنَفِّسُوْا لَهٗ فِیْ اَجَلِهٖ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَا یَرُدُّ شَیْئًا وَیُطَیِّبُ بِنَفْسِهٖ۔ (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ:137)

ترجمہ: حضرت سیدنا ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم مریض کی عیادت کو جاؤ تو اس کو تسکین دو اور اس کے رنج وغم کو دور کرو۔ اگرچہ یہ تسکین وتشفی حکم الٰہی کو نہیں روک سکتی مگر مریض کا دل ضرور خوش کرتی ہے۔

غیر مسلم کی عیادت

عیادت صرف اپنوں کی ہی نہیں کی جاتی بلکہ غیر مسلموں کی عیادت کرنا بھی ضروری ہے۔ اس طرح ان کے دلوں میں اسلام کی طرف رغبت جنم لیتی ہے اور وہ زندگی کی ایک بہت بڑی اور ناقابل تبدیل سچائی کے قائل ہوتے ہیں اور ان کی دنیا وآخرت سنور جانے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کی عیادت کو جایا کرتے تھے۔ ہمیں بھی ان کا طرز عمل اپنانا ہوگا۔

بخاری کی ایک روایت مشکوٰۃ، صفحہ:137 پر یوں مرقوم ہے:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ غُلَامٌ یَهُوْدِیٌّ یَخْدِمُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ

النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَقَالَ لَهٗ أَسْلِمْ فَنَظَرَ إِلٰى أَبِيْهِ وَهُوَ عِنْدَهٗ فَقَالَ أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ فَأَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ: سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر رہا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام قبول کر لے۔ لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ اس کے باپ نے کہا۔ حضرت ابوالقاسم کی اطاعت کرو۔ پس لڑکے نے اسلام قبول کر لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے نکلے کہ حمد ہے اس خدا کی جس نے لڑکے کو دوزخ سے نجات دلائی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک ان کی اعلیٰ شان کا مظہر ہے اور ہم سے تقاضا خواہ ہے کہ ہم بھی اپنوں ہی کی نہیں بلکہ بیگانوں کی بھی عیادت کریں۔

عیادت کا ثواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مریض کی عیادت کرنے والا رحمت الٰہی میں تیرتا رہتا ہے اور جب مریض کے پاس بیٹھتا ہے تو رحمت الٰہی میں غوطہ لگاتا ہے، ارشاد ہے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِيْضًا لَمْ يَزَلْ يَخُوْضُ الرَّحْمَةَ حَتّٰى يَجْلِسَ فَإِذَا جَلَسَ اغْتَمَسَ فِيْهَا۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:138)

ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مریض کی عیادت کو جاتا ہے تو ہمیشہ رحمت الٰہی میں داخل رہتا ہے اور جس وقت بیٹھتا ہے تو رحمت الٰہی میں غوطہ لگاتا ہے۔

اسی طرح ابن ماجہ کی ایک روایت مشکوٰۃ، صفحہ:137 پر یوں مرقوم ہے:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِيْضًا نَادٰى مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ جو شخص مریض کی عیادت کو جائے تو منادی آسمان سے ندا کرتا ہے۔ تو اچھا ہے، تیرا چلنا اچھا ہے اور جنت کی ایک منزل کو تو نے اپنا ٹھکانہ بنایا ہے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ 144 پر رقم ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مسلمان کے جنازے کا ساتھ دے تو گویا اس نے رضائے الٰہی کے لیے ایک ایسے دن کا روزہ رکھا جو 700 روز کے برابر تھا۔ اور جس نے کسی مریض کی عیادت کی تو گویا اس نے ایک دن خدا کی نماز پڑھی اور 700 روز کے برابر تھا۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ کریم ہمارے دلوں میں بھی ایک دوسرے کے لیے ہمدردی کے جذبات پیدا فرما دے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

چوبیسواں وعظ

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتاً فوقتاً اپنی امت کے لیے اسلامی احکام کی عملی اور قولی طور پر وضاحت فرمائی۔ ذیل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چند ایک احادیث مبارکہ پیش کی گئی ہیں۔ جن پر اگر ہم عمل کریں تو نہ صرف یہ کہ ہماری دنیا سنور جائے گی۔ بلکہ آخرت بھی نکھر جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔

ترجمہ: جو تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں اسے پکڑلو اور جس سے وہ منع فرمائیں اس سے رک جاؤ۔

بہر حال! ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی پر سر تسلیم خم کرنا چاہیے کہ اس طرح سے ہماری نجات کے سامان ہو سکتے ہیں۔

پہلی حدیث: سب سے پہلی حدیث جو ذیل میں دی جا رہی ہے۔ یہ صحیح بخاری شریف میں ہے اور اس کو حضرت سعد بن ابی وقاص روایت کرتے ہیں:

اَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَّتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ فِيْ اَيْدِيْهِمْ۔

ترجمہ: یہ بہتر ہے کہ تم اپنے ورثا کو غنی چھوڑ کر مرو، بہ نسبت اس کے کہ وہ تہی دست ہوں اور لوگوں کے سامنے سوال کے لیے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔

حدیث اقدس کا شان نزول

پس منظر کچھ یوں ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار صحابہ۔ کے درمیان روپیہ

جمع کرنے یا نہ کرنے پر بحث ہو گئی۔ بعض اصحاب کا موقف تھا کہ انسان کو روپیہ پیسہ جمع نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ انسان خالی ہاتھ آتا ہے اور خالی ہاتھ چلا جاتا ہے۔ مگر بعض کا یہ خیال تھا کہ زندگی میں انسان کے ورثا کو روپیہ پیسہ کی ضرورت پڑتی رہتی ہے، اس لیے روپیہ پیسہ جمع کرنا چاہیے تاکہ بوقت ضرورت کام آئے۔ دونوں موقف اپنی اپنی جگہ پر آفتاب تھے۔ جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور سارا ماجرا عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اولاد کو غنی چھوڑ کر مرنا، اس سے بہتر ہے کہ ان کو بھیک مانگنے کے لیے چھوڑ کر مرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد مبارک سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اپنے مستقبل کے لیے جائز طور پر کوشش کرنا اور اپنے اپنے مستقبل کو درخشاں و نور افشاں بنانے کے لیے جدوجہد کرنا بالکل درست ہے۔ اس میں کسی قسم کا مضائقہ نہیں۔ یہ ارشاد مبارک ان لوگوں کے احساس غلط پر ایک تازیانہ ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ آئندہ کے تصور سے آنکھیں بند کر کے زندگی گزارنا زہد و توکل ہے۔

دوسری حدیث: ہمارے انتخاب کی دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ ہے اور زاد المعاد کی دوسری جلد میں مرقوم ہے۔ اس کا شانِ نزول کچھ یوں ہے کہ ایک بار مسجد نبوی میں چند صحابہ کرام تشریف فرما تھے اور اس بات پر بحث فرما رہے تھے کہ عرب لوگ بے حد فصاحت رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ اہل عجم پر فضیلت کے حامل ہیں۔ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کی بزم میں رونق افروز تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرام کی یہ بحث سماعت فرمائی تو صورت حال کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَبْيَضَ عَلٰى اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَبْيَضَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى۔

ترجمہ: عرب کے کسی باشندے کو عجم کے کسی باشندے اور عجم کے کسی باشندے کو عرب کے کسی شخص پر، گورے رنگ والے آدمی کو کالے رنگ کے آدمی پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ میں۔

فضیلت کا معیار تو صرف تقویٰ ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ بالا ارشاد مبارک ہمارے آج کے دور میں بڑی اہمیت کا حامل ہے، کیوں کہ ہم لوگوں نے طرح طرح کے امتیازات اپنا رکھے ہیں۔ برتری وفضیلت کا معیار گورا رنگ، خوبصورت جلد بنالیا گیا ہے۔ جو شخص سوسائٹی میں اعلیٰ رہائش مثلاً کوٹھی وغیرہ کا حامل ہے، اس کو لوگ سر آنکھوں پر بٹھلاتے ہیں، خواہ اس کا کوئی کردار نہ ہو۔ کوئی کار کوٹھی کو عزت کا معیار سمجھتا ہے اور کوئی امریکہ اور لندن میں رہائش رکھنے کو باعث توقیر خیال کرتا ہے۔ کوئی مغربی اور یورپی یونیورسٹیوں میں تعلیم یافتہ حضرات کو برتر خیال کرتا ہے۔ غرض یہ کہ ہر شخص کے نزدیک توقیر ووقار کا معیار الگ الگ اور جدا جدا ہے۔ مگر ہمارے پیارے رسول حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عزت وتوقیر کے یہ سارے معیار باطل اور جھوٹے ہیں۔ بلکہ افضل واعلیٰ وہ ہے جو زیادہ متقی ہے اور جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ یہی عزت وتوقیر اور عظمت ووقار کا معیار ہے۔

ہمیں چاہیے کہ توقیر ووقار کے جھوٹے معیار کو چھوڑ کر اصلی اور سچے معیار کو اپنائیں۔

تیسری حدیث: ہمارے انتخاب کی تیسری حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور بخاری شریف میں درج ہے۔ اس حدیث مبارکہ کا شانِ نزول یوں ہے کہ ایک بار ہمارے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تقریر فرما رہے تھے۔ موضوع تھا "ایمان" جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تقریر ختم فرما چکے تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ بات سمجھا دیجیے کہ ایمان کی حلاوت وشیرینی کیونکر محسوس کی جاتی ہے؟ ایمان کی حلاوت کی پہچان کے واسطے کوئی علامت ونشانی فرمائیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ أَنْ يَكُونَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلهِ وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ۔ ترجمہ: جس شخص میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت حاصل کرے گا:

۱۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت اسے ہر چیز سے زیادہ ہو۔

۲۔ کسی آدمی سے جب وہ محبت کرے تو خالصتاً اللہ کے لیے کرے۔

۳۔ کفر میں واپس جانے اور کفر اختیار کرنے کو ایسا برا سمجھتا ہو جیسے آگ میں گر جانے کو برا

جانتا ہو۔

حضرات گرامی! ایک سوال جنم لے رہا ہے کہ ہم حلاوت وشیرینی ایمان سے روشناس ہو سکتے ہیں؟ جب کہ آج ہم مال وزر دنیا کی حرص وہوس اور محبت میں اندھے ہو چکے ہیں۔ انسانوں سے محبت تو کجا ہم نفرت کرتے ہیں اور اگر محبت کرنا پڑ جائے تو دولت اور اپنی غرض کے واسطے کرتے ہیں اور کفار کے طور طریقے اختیار کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔

ایسی صورت میں ہم کس طرح یہ امید کر سکتے ہیں کہ ہم ایمان کی حلاوت سے آشنا ہو جائیں گے۔ یہ بالکل ناممکن ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ کبھی نہیں۔ مگر ہاں اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی محبت سب محبتوں پر مقدم کرلیں، لوگوں سے صرف اللہ کی خاطر محبت کریں اور کفار کے طور طریقے چھوڑ کر اسلامی شعار کو اپنالیں تو پھر یقینی امر ہے کہ ہم ایمان کی حلاوت سے آشنا ہو سکتے ہیں۔

چوتھی حدیث: احادیث میں سے ہمارا چوتھا انتخاب سہولت عمل کے بارے میں ہے۔ اس انتخاب کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ آج کل ہمارے بہت سے برادرانِ اسلام اس موقف کے پیروکار ہیں کہ عبادت الٰہی میں ہر شے کو فراموش کر دینا چاہیے۔ مگر ایسا کرنا خلاف از حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں ایک شخص حاضر ہوا۔ اور اس نے بنی اسرا کے ایک شخص کے بارے میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ بہت متقی و پرہیز گار اور ہمہ وقت عبادت الٰہی میں مشغول رہنے لگا ہے۔ اس کی محویت کا یہ عالم ہے کہ اپنے بال بچوں سے بھی لاپراہ ہو چکا ہے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: كَلِّفُوا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيقُونَ۔ (بخاری)

ترجمہ: ہر عمل اس قدر کیا کرو جس کو بآسانی کرتے رہو۔

اس ارشاد نبوی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کسی بھی عمل میں حد سے نہیں گزرنا چاہیے، خواہ وہ عبادت الٰہی ہی کیوں نہ ہو۔ کیوں کہ زیادتی عمل کی وجہ سے طبیعت چند یوم میں گھبرا جاتی ہے اور عمل سے لاتعلقی پیدا ہوجاتی ہے۔

پانچواں ارشاد مبارک: ہمارا پانچواں انتخاب ابن ماجہ سے ہے۔ ارشاد ہے:

خِيَارُكُمُ الَّذِيْنَ إِذَا رُأُوْ ذُكِرَ اللهُ۔

ترجمہ: سب سے بہترین انسان وہ ہیں جن کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آئے۔

چھٹی حدیث: احادیث مبارکہ میں ہم نے جس چھٹی حدیث کا انتخاب کیا ہے۔ وہ دوستی اور بھائی چارہ قائم کرنے کے بارے میں ہے اور ہمارا یہ انتخاب ترمذی سے ہے۔ ارشاد مبارک ہے: إِذَا آخَى الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلْيَسْأَلْهُ عَنِ اسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيْهِ وَمِمَّنْ هُوَ أَنَّهُ أَوْصَلُ لِلْمَوَدَّةِ۔

ترجمہ: جب دو مسلمان آپس میں بھائی چارہ قائم کریں تو دونوں کو چاہیے کہ اپنے اپنے نام، والد، خاندان اور قبیلوں کے نام بتلائیں، تاکہ دوستی زیادہ استحکام پائے۔

ساتواں ارشاد مبارک: احادیث مبارکہ میں سے ہمارا ساتواں انتخاب حاجت پوری کرنے کے بارے میں ہے اور اس حدیث کو بیہقی نے روایت کیا ہے:

مَنْ قَضٰى لِأَحَدٍ مِّنْ أُمَّتِيْ حَاجَةً يُرِيْدُ أَنْ يَّسُرَّهُ بِهَا فَقَدْ سَرَّنِيْ وَمَنْ سَرَّنِيْ فَقَدْ سَرَّهُ اللهُ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے میرے کسی امتی کی حاجت برداری کی۔ اس نے مجھے خوش کر دیا اور جس نے مجھے خوش کر دیا، اس نے اللہ کو خوش کر دیا اور جس نے اللہ کو خوش کر دیا تو اللہ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔

برادران ملت اسلامیہ! ہمارے اردگرد ماحول میں بہت سے حاجت مند موجود ہیں۔ اگر ہم اپنا روپیہ ناجائز ضروریات زندگی حاصل کرنے کے بجائے ان کی حاجت براری میں صرف کریں تو نہ صرف یہ کہ اس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں گے۔ بلکہ اس کا دنیاوی اعتبار سے یہ فائدہ ہوگا کہ معاشرہ معاشی ہم آہنگی کا شناسا ہو جائے گا۔ ملکی معیشت مضبوط ہوگی اور جس ملک کی معیشت مضبوط ہوتی ہے، وہ ترقی کی راہوں پر گامزن ہوتا ہے۔ وہ اس پوزیشن میں ہوتا ہے کہ کماحقہ یکسوئی کے ساتھ ستاروں سے آگے والے جہانوں کی تسخیر کر سکے۔

آٹھویں حدیث: آپ نے ایک بہت ہی مشہور کہاوت سماعت فرمائی ہوگی:

"ہمسایہ ماں جایا"

اس کہاوت کا پس منظر یہ ہے کہ پیارے رسول احمد مصطفی محمد مجتبیٰ شب اسرا کے دولہا سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسایہ کے حقوق کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور اللہ نے اس بارے میں سخت تاکید فرمائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہمسایہ کے حقوق کے بارے میں مجھے گمان ہوا کہ شاید وراثت میں بھی اس کا حصہ مقرر کیا جائے گا۔ لہٰذا جہاں تک ممکن ہو سکے ہمیں اس امر کی کوشش کرنا چاہیے کہ ہم ہمسایہ کی جان و مال اور عزت و آبرو کا خیال رکھیں اور ہر روز یہ جائزہ لے لیں کہ کہیں ہمارا ہمسایہ کسی ضروریات زندگی سے محروم تو نہیں۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ اس کے نان و نفقہ کا بھی خیال رکھیں۔

پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلٰى جَنْبِهٖ۔ (بیہقی)

ترجمہ: وہ مومن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔

نویں حدیث: ہمارا نواں انتخاب بخاری سے ہے اور حقوق ہمسایہ کے بارے میں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهٗ۔

ترجمہ: وہ آدمی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جو اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دے۔

دسویں حدیث: احادیث مبارکہ میں سے ہمارا دسواں انتخاب ترمذی سے ہے اور یہ بھی حقوق ہمسایہ ہی کے بارے میں ہے، ملاحظہ فرمائیں: خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَ اللهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهٖ وَخَيْرُ الْجِيْرَانِ عِنْدَ اللهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهٖ۔

گیارھویں حدیث: احادیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہمارا گیارھواں انتخاب بھی حقوق ہمسایہ ہی کے بارے میں ہے اور اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔

ترجمہ: قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کسی بندہ کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی چیزیں نہ چاہے جنھیں وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

حضرات گرامی! آج کیا اس پر آشوب دور میں کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ

نہیں۔ اور اعتبار اٹھ گیا ہے۔ آئے دن ہمسایوں کے درمیان محاذ آرائی ہوتی رہتی ہے۔ بہت چند گھر ایسے ہوں گے کہ جو امن وامان اور صلح جوئی سے رہتے ہوں گے۔ ورنہ ہر سو محاذ آرائی ہی نظر آتی ہے۔ اس حالت زار کو دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ حقوق ہمسایہ کی تھوڑی سی تفصیل عرض کر دی جائے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ تذکرۃ الواعظین کے صفحہ 220 پر مرقوم ہے کہ:

حضرت سعید بن مسیب عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہمسایہ کی عزت وحرمت ہمسایہ پر ایسی ہی واجب ہے جیسی اولاد پر ماں باپ کی عزت۔

امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حق ہمسایہ کیا ہے۔ فرمایا حقوق ہمسایہ دس باتوں میں منحصر ہے۔

اول یہ کہ قرض مانگے تو قرض دیا جائے۔ دوم یہ کہ اگر کسی ضرورت سے یا دعوت میں بلایا تو جانا چاہیے۔ سوم یہ کہ اگر مدد مانگے تو مدد دینا چاہیے۔ چہارم یہ کہ مصیبت میں اس کو تسلی دے۔ پنجم یہ کہ اگر اس کو کوئی خوشی ملے تو مبارک باد دینا چاہیے۔ ششم یہ کہ جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کی جائے۔ ساتویں یہ ہے کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے بال بچوں کی خبر گیری اور اس کے ناموس کی حفاظت کرنا چاہیے۔ آٹھویں یہ کہ اگر ہمسایہ کسی مرض میں مبتلا ہو جائے تو اس کی عیادت کرنا چاہیے۔ نویں یہ کہ لذیذ کھانوں کی خوشبو سے ہمسایہ کو تکلیف مت دو بلکہ اس کے گھر بھی کچھ کھانا بھیجو۔ دسویں یہ کہ اگر اونچا مکان بنانا ہو تو ہمسایہ سے اس کی اجازت لے لی جائے۔

مقام غور وفکر ہے کہ کیا ہم لوگ پورے طور پر حقوق ہمسایہ ادا کرتے ہیں یا نہیں؟ آج ہی سے ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات مبارکہ کی پیروی کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس امر کی توفیق دے۔ آمین۔

بارھویں حدیث: احادیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا بارھواں انتخاب مسلم شریف کی درج ذیل روایت ہے: مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ۔

ترجمہ: صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا اور کوئی مسلمان کسی سے انتقام لے سکتا ہے۔ لیکن اس

نے اگر اللہ کے لیے اسے معاف کر دیا تو اللہ اس مسلمان کی عزت اور بڑھا دیتا ہے۔ اور جو اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اور بلند کر دیتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک میں دو باتوں کی وضاحت ہے۔ اول یہ کہ صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں آنے پاتی بلکہ مال میں رحمت الٰہی سے اضافہ ہوتا ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ دوسروں کو باوجود طاقت کے معاف کرنا اور دوسروں کی تواضع کرنا خدا کے پسندیدہ عمل ہیں اور ان پر خدا انسان کے درجات کو بلند کرتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی پر ظلم کرے اور مظلوم بھی جوابی طور پر اتنا ہی ظلم کرے تو یہ حق وانصاف کا تقاضا ہوگا۔ لیکن اس کی بجائے صورت حال یہ ہو کہ مظلوم بدلہ لینے کی طاقت تو رکھتا ہو۔ مگر اللہ کی خاطر معاف کر دے تو یہ اس کی بردباری ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس عمل پر خوش ہو کر اس مظلوم شخص کے درجات بلند فرما دیتا ہے۔

اس طرح دوسروں کی خاطر مدارت کرنا صرف اللہ کے لیے یہ عمل بھی خدا کے نزدیک احسن ہے اور اس کا اجر خدا کے حضور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے پہلے سے کہیں زیادہ عزت سے نوازتا ہے۔

تیرھویں حدیث: ہمارے انتخاب کی تیرھویں حدیث ترمذی سے منتخب کی گئی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے: إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ۔

ترجمہ: صدقہ غضب الٰہی کو بجھا دیتا ہے اور بری موت کو دور کر دیتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ بالا حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے جو شخص اپنی زندگی میں صدقہ وخیرات کا دامن تھامے رکھتا ہے۔ اللہ کی رحمت سے اس کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے۔

چودھویں حدیث: پیارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ اَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ يَكْظِمُهَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ (مسند احمد)

ترجمہ: اللہ کی محبت وخوشنودی کی وجہ سے غصہ برداشت کرنے سے زیادہ افضل خدا کے نزدیک کوئی شے نہیں ہے۔

غصہ انسانی عقل پر پردے ڈال دیتا ہے اور غصہ کے عالم میں کیے گئے کام بجائے فائدے کے نقصان دیتے ہیں۔

تذکرۃ الواعظین صفحہ 135 پر درج ہے کہ فقیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔ اے لوگو! غصہ ضبط کرنے کی کوشش کرو اور غصہ دلانے میں جلدی کرنے سے بچو کیونکہ غصہ میں جلدی لانے کے تین خراب نتائج ہیں۔ اول اپنے دل میں ندامت ہوتی ہے۔ دوم عذاب الٰہی کا سزاوار گردانا جاتا ہے۔ سوم اپنے ملنے جلنے والوں کی ملامت سننا پڑتی ہے اور غصہ روکنے میں تین خوبیاں ہیں۔ اپنے دل میں خوش ہونا۔ دوم لوگوں سے اپنی تعریف سننا۔ سوم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا۔

پندرھویں حدیث ہمارا پندرھواں انتخاب بخاری شریف سے ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دیگر مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کی ہوئی باتوں کو چھوڑ دے۔

اس حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص اپنے ہاتھوں اور اپنی زبان سے دوسرے مسلمانوں کو نقصان پہنچائے اس کی مسلمانی میں شبہ ہے۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ نام کے مسلمان ہیں مگر کردار کے لحاظ سے ان کو مسلمان کہنا گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد کی نفی کرنا ہے۔ اس طرح مہاجر کے لفظی معنی ہجرت کرنے والا کے ہیں اگر مقام گناہ میں ہے تو مقام نیکی کی طرف ہجرت کر جائے اور دیگر ہر اس مقام کو چھوڑ دے جس کو اللہ نے چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ گویا اللہ کے حکم پر ہر چیز کو چھوڑنے کو مہاجر کہا جاتا ہے۔

سولھویں حدیث: یہ حدیث ہم نے مسلم شریف سے منتخب کی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ . وَوَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ.

ترجمہ: جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے مگر تین اعمال۔ صدقہ جاریہ، علم نافع اور صالح اولاد جو اس کے لیے دعائے خیر کرتی ہے۔

مندرجہ بالا ارشاد مبارک میں تین باتیں آئی ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ

قیامت تک ان کے اعمال کا سلسلہ چلتا رہے گا۔

اول صدقہ جاریہ، دوم علم نافع، سوم صالح اولاد۔ آیئے ذرا ان تینوں اعمال کو صحیح طور پر سمجھ لیں۔

صدقہ جاریہ

ایسا صدقہ جس سے ہر دور کے انسان مستفید ہوتے رہیں۔ اس صدقہ میں دینی مدارس بنوانا، مساجد، نہریں، مسافر خانہ، کنوئیں اور باغات لگوانا شامل ہے۔

جب تک یہ چیزیں موجود رہیں گی اور لوگ ان سے فیضیاب ہوتے رہیں گے اس کا ثواب بنانے والے کو بعد از مرگ بھی ملتا رہے گا۔

علم نافع

علم نافع سے مراد ایسا علم جو دیر تک لوگوں کو روشنی دکھاتا رہے مثلاً کوئی استاد اپنے شاگرد کو علم سکھائے اور وہ شاگرد اس علم کو اوروں سے بیان کرے۔ علم دین کی اشاعت وتبلیغ کا یہ سلسلہ جب تک جاری رہے گا، ان کے اساتذہ کو ثواب ملتا رہے گا۔ امام بخاری صاحب نے بخاری شریف لکھی جب تک لوگ اس کا مطالعہ کریں گے اور اس سے فیضیاب ہوتے رہیں گے۔ امام بخاری کو اس کا ثواب ملتا رہے گا۔ اس طرح دیگر کتب کے بارے میں بھی ہے۔

صالح اولاد

صالح اولاد سے مراد ایسی اولاد جو اپنے والدین کے نام کو چار چاند لگائے اور اسے بٹہ نہ لگنے دے۔ اپنے والدین کے انتقال کے بعد بھی ان کے لیے ایصال ثواب کرتی رہے اور کبھی ایسا کردار نہ اپنائے جس کی بنا پر ان کے والدین کے نام پر حرف آئے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں مندرجہ بالا تینوں نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ شاید کہ اس طرح سے ہماری نجات کے سامان ہو جائیں۔

سترھویں حدیث: احادیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہم نے سترھویں حدیث بھی بخاری سے منتخب کی ہے، ملاحظہ فرمائیے: مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا

مِنْ اَنْ یَّاْکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدَیْہِ وَاَنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ دَاوُدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یَاْکُلُ مِنْ عَمَلِ یَدَیْہِ۔

ترجمہ: ہرگز کوئی آدمی اس آدمی سے بہتر کھانا نہیں کھاتا جو اپنے ہاتھوں سے کمائے اور مشقت سے کھائے اور اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے تھے۔

محنت کر کے حق و حلال کی روزی کمانا اللہ کے نزدیک بڑا ہی مستحسن اقدام ہے۔ اپنے ہاتھوں سے روزی کمانا ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ کی نعمتوں کا اعتراف کر کے شکر ادا کیا ہو اور شکر کرنے والے پر خدا کے انعام کی خصوصی بارشیں ہوتی ہیں۔ اگر ہم محنت کر کے روزی کمائیں تو لازمی امر ہے کہ ہم میں عزت نفس پیدا ہوگی۔ روزی اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے کمانا صحت اور ذہنی و جسمانی بالیدگی کے لیے مفید ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انسان خود اپنے ہاتھوں سے کمائی کرے تو اس کے پاس اس امر کے چانسز ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور اعزا و احباب کی حاجت براری کر سکے اور قارئین آپ یہ بات ملاحظہ فرما ہی چکے ہیں کہ حاجت براری کرنا ایسا ہے گویا خدا کو خوش کر دیا اور اللہ کی خوشی کا کم سے کم انعام جنت ہے۔

محنت نہ کرنے سے انسان ذلیل و رسوا ہوتا ہے اور اس کو بھیک مانگنا پڑتا ہے۔ جو کہ روز محشر ایک بدنما داغ ہوگی۔

بھیک مانگنے کے نام پر یاد آیا کہ ایک بار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر تھے۔ صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے ایسے جیسے ستاروں کے بیچ ستاروں کو ضیا بخشنے کے لیے آفتاب موجود ہو۔ ایسے خوش کن ماحول میں ایسے دلفریب نظاروں میں ایک شخص مخل ہوا۔ اور بارگاہ نبویہ میں عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری دست گیری فرمائیے۔ میں غریب ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ روز محشر تمہاری پیشانی پر بھیک مانگنے کا داغ ہو۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا کہ کیا تمہارے گھر میں کچھ ہے؟ عرض کیا۔ ایک پیالہ اور کمبل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لے آؤ، وہ لے آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے سوال کیا۔ کوئی شخص ان اشیا کو خریدے گا۔ ایک صحابی نے دو درہم دے کر ان دونوں چیزوں کو خرید لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک درہم سے کھانے کا بندوبست کرو اور دوسرے سے کلہاڑی اور رسی خرید لاؤ۔ وہ شخص بازار سے کلہاڑی اور رسی خرید لایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے دست مبارک سے کلہاڑی میں دستہ ڈالا اور اسے کہا کہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور اپنا گزر بسر کرو۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ روز محشر تمہاری پیشانی پر ذلت و رسوائی کا داغ ہو۔

سبحان اللہ! کیا شان عظمت ہے ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ قربان جائیے کروڑہا جانوں سے اس نام محمد پر جس کو ادا کرتے ہوئے لب بھی ایک دوسرے کا بوسہ لیتے ہیں جیسے اس نام کو چوم رہے ہوں۔

حضرات گرامی! ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار احادیث ہیں۔ بوجہ طوالت ہم نے نہایت ہی اختصار سے بیان کیا ہے اور بقول شاعر:

سمندر سے پیاسے کو ملے شبنم
یہ رزاقی نہیں بخیلی ہے

☆☆☆

پچیسواں وعظ

فخر و تکبر کی برائی

اَبٰی وَاسۡتَکۡبَرَ وَکَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ۔ (سورۂ بقرہ)

ترجمہ: ابلیس نے نافرمانی کی اور تکبر کیا، اور کافروں میں سے ہو گیا۔

حضرات! اس کائنات ارضی وسماوی کی پوری تاریخ میں سب سے اول جس گناہ کا ارتکاب کیا گیا وہ تکبر ہے۔ ابلیس نے جب اس گناہ کا ارتکاب کیا تو اللہ نے اس کی یہ سزا دی کہ ابلیس کو منکرین کے گروہ میں سے کر دیا۔

ہمارے استاذ گرامی مولوی محمد اسلم صاحب علوی اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں کہ ایک بار سلطان محمود غزنوی کی محفل آراستہ تھی۔ کابینہ کے سارے وزیر اور دیگر درباری بھی اپنی اپنی نشستوں پر براجمان تھے۔ سلطان محمود غزنوی کرسی صدارت پر متمکن تھا۔ اچانک سلطان نے قبا سے ایک موتی نکالا اور کابینہ کے ایک وزیر کے پاس جا کر پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا حضور در ثمین ہے۔ سلطان نے پوچھا اس کی قیمت کیا ہوگی؟ کہنے لگا میرے خیال میں اس کی قیمت قیصر و کسریٰ کی سلطنت سے بڑھ کر ہے۔ سلطان نے کہا اسے توڑ دو۔ وزیر نے کانوں کو ہاتھ لگایا اور بولا۔ حضور! غلام اس گستاخی عظیم کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ غلام تو حضور کا بہی خواہ و نمک خوار ہے۔ اس گستاخی کی جسارت کیونکر کر سکتا ہے۔ سلطان نے خوش ہو کر اسے انعام و اکرام سے نوازا اور اگلے وزیر سے وہی سوال کیے۔ اس نے بھی یہی جواب دیا کہ حضور اس گستاخی عظیم کا مرتکب کیونکر ہو سکتا ہوں۔ اس طرح سلطان نے اسے بھی انعام و اکرام سے نوازا۔ حتیٰ کہ سب درباریوں سے سلطان نے اس در ثمین کی قیمت پوچھی اور پھر اسے توڑنے کا حکم دیا۔ مگر سب نے اس گستاخی کے ارتکاب سے انکار کر دیا اور بہی خواہ ہونے کا دعویٰ کر کے

انعام و اکرام حاصل کیا۔ آخر میں ایاز کی باری آئی۔ سلطان نے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا حضور یہ بہت ہی نادر و نایاب ہیرا ہے۔ سلطان نے سوال کیا کہ تمہارے نزدیک اس کی قیمت کیا ہے؟ عرض کیا میرے نزدیک اس کی قیمت ہفت اقلیم کے دولت سے بڑھ کر ہے۔ سلطان نے کہا اچھا اس کے توڑنے کے بارے میں کیا ارادے ہیں؟ ایاز نے عرض کیا۔ حضور کا غلام ہوں، انکار حکم کی جرأت کیونکر کر سکتا ہوں۔ عنایت ہوگی اگر ہاون دستہ منگوا دیں۔

یہ سن کر سلطان نے ہاون دستہ کا حکم دیا۔ ہاون دستہ لایا گیا سب درباری دم بخود تھے۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ ادھر ایاز نے در نایاب کو ہاون دستے کی مدد سے توڑ کر پیس ڈالا۔ اچانک سب درباریوں کو ہوش آیا۔ ہے حیرت کا جام ٹوٹا۔ ان کی آنکھیں کھل گئیں اور سلطان سے وفاداری کے وعدوں اور دعووں کا خیال آیا۔ لہٰذا چیخنے لگے ایاز ظالم تو نے کیا کیا؟ اس قدر قیمتی موتی کو توڑ کر سلطنت خالی کر دی، آخر اپنی اوقات سے باز نہیں آیا۔ سلطان نے یہ گفتگو سنی تو جلال میں آ گیا۔ پر رعب آواز میں بولا سب اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جائیں۔ ایاز سے جواب طلب کیا جائے گا۔ ایاز کو سب کے سامنے لایا گیا اور سلطان نے اس سے کہا۔ ایاز! درباریوں کے باتوں کا جواب دو۔ ایاز نے دست بستہ عرض کیا۔ حضور ان سب درباریوں نے اپنے عقل کے دو پلڑے کیے۔ ایک میں سلطنت اور موتی رکھا اور دوسرے میں خود کو رکھا۔ جبکہ میں نے موتی کو خود سے بڑھ کر پایا لہٰذا انھوں نے توڑنے سے انکار کیا۔ اس طرح انہوں نے بھی اپنی عقل کو دو پلڑے میں کیے۔ ایک میں خود کو اور موتی کو رکھا اور دوسرے میں آپ کے حکم کو رکھا۔ آپ کا حکم مجھے موتی اور خود سے افضل نظر آیا لہٰذا تعمیل حکم میں میں نے دیر نہ کی۔ یہاں آ کر وہ اس طرح فرماتے ہیں کہ جب اللہ نے حضرت آدم کی آفرینش فرمائی اور ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم کا سجدہ کریں تو ملائکہ نے اپنی سمجھ و عقل کو دو پلڑے کیے۔ ایک میں خود کو رکھا اور دوسرے میں حکم الٰہی کو۔ انھوں نے حکم الٰہی کو خود سے بڑھ کر پایا لہٰذا آدم علیہ السلام کو سجدہ کر دیا۔ مگر ابلیس لعین عزازیل نے اپنی عقل و سمجھ کو دو پلڑے کیے، ایک میں خود کو رکھا اور دوسرے میں حضرت آدم علیہ السلام کو رکھا۔ اس نے خود کو حضرت آدم علیہ السلام سے برتر محسوس کیا لہٰذا اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اللہ سے کہا: اے رب! تو نے میری تخلیق نور سے کی مگر

آدم کی تخلیق مٹی سے کی۔ اس طرح آدم کثیف ٹھہرے اور میں لطیف ٹھہرا لہٰذا لطیف شے کثیف شے کو کیونکر سجدہ کر سکتی ہے۔ شیطان نے بڑائی جتلائی اور خدا کی نافرمانی کا مرتکب ٹھہرا لہٰذا اللہ نے اسے اپنی بارگاہ سے نکال دیا۔

تکبر کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر یہ گمان کر لینا کہ میں واقعی اس کا حقدار تھا اور دوسروں کو خود سے کمتر اور ذلیل تصور کرنا تکبر ہے، مثلاً اگر اللہ نے کسی کو علم دیا ہے اور وہ اپنے علم کے زعم میں اس قدر بے خود ہے کہ بے علم والے کو لفٹ نہیں کراتا بلکہ ان کا مذاق اڑاتا ہے۔ اور کوئی شخص جس کو اللہ مال دے اور وہ غریبوں کو نظر سے گرا دے ان کو اس قابل ہی نہ جانے کہ وہ اس کی بزم میں شرکت کریں۔ اس طرح اگر کوئی فرد اعلیٰ خاندان کا ہو اور دیگر خاندان کے لوگوں کو خود سے اور اپنے خاندان سے کمتر جانے اور جس کو اللہ حسن و جمال سے نوازے۔ وہ کالے رنگ والے کو حقارت کی نظر دیکھے۔ تو ان سب لوگوں کا عمل تکبر کہلائے گا اور یہ عمل کرنے والے متکبر کہلائیں گے۔

برادران اسلام! اب آپ کی خدمت میں تکبر کی بارے میں چند حکایات پیش کی جاتی ہیں:

پہلی حکایت: سب سے پہلی حکایت جو پیش کی جا رہی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا خود کو فی الواقع حقدار سمجھ لینا کس قدر ہولناک ہے۔ اس حکایت کو ہمارے بزرگ بیان فرماتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ حکایت عام زندگی میں خاصی مشہور و معروف ہے حکایت کچھ یوں ہے۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا زمانہ نبوت تھا، موسیٰ کلیم اللہ، اللہ سے راز و نیاز کی باتیں کرنے کے لیے کوہ طور سینا کی جانب محو خرام تھے۔ بر سر راہ آپ علیہ السلام کی ایک عبادت گزار شخص سے ملاقات ہوئی۔ اس شخص نے آپ کو سلام کیا۔ آپ علیہ السلام نے جواب دیا۔ وہ عبادت گزار شخص آپ سے مخاطب ہوا، یا حضرت! آپ نبی اللہ ہیں۔ اللہ نے آپ کو اپنا کلیم منتخب فرمایا ہے اور آپ روزانہ اللہ سے ہم کلام ہونے کے لیے تشریف لے جاتے ہیں آج آپ اس قدر کرم فرمائیں اور اللہ سے دریافت کر لیں کہ اس نے میرے لیے کیا جزا مقرر کی ہے؟ میں نے اپنی زندگی کو سراپا عبادت بنائے رکھا ہے مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ خدا نے میرے

لیے کیا جزا مقرر کی ہے؟ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ بندہ خدا! میں تمہارے بارے میں ضرور خدا سے پوچھوں گا۔ اس سے وعدہ فرما کر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سوئے منزل عازم سفر ہوئے۔ بر سر راہ ایک اور شخص ملا۔ اس نے کہا یا حضرت! آپ نبی اللہ ہیں، خدا نے آپ کو اپنا کلیم بنایا ہے، آپ اللہ سے براہ راست کلام کرتے ہیں۔ مجھ پر مہربانی فرمایئے اور اللہ سے ذرا یہ پوچھ دیجیے کہ اس نے میرے لیے کیا مقام تجویز فرمایا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں بڑے گناہ کیے ہیں مجھے تو امید نہیں کہ میری بخشش ہوگی۔ پھر بھی آپ اللہ سے پوچھیں کہ میرا کیا انجام ہوگا۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اس سے بھی وعدہ کیا اور اپنی منزل پہنچ گئے۔ اللہ سے گفتگو ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے عرض کیا، اے مالک ارض و سما! تیرے دو بندے تجھ سے اپنے انجام کی خبر چاہتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ اے میرے کلیم! تیری ملاقات جس پہلے شخص سے ہوئی وہ بڑا نیک اور صالح بندہ ہے اور نیکوکاروں و صالحوں کے لیے ہم نے جنت تیار کی ہے۔ جا اس کو خوش خبری سنا دے، بشارت دے دے کہ اس کے لیے میں نے جنت تیار کر رکھی ہے۔ دوسرا شخص بیحد گنہگار ہے اور گنہگاروں کے لیے ہم نے دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ بنا رکھی ہے۔ جا اس گنہگار شخص سے کہہ دے کہ ہم نے تیرے واسطے دوزخ کے دروازے کھول رکھے ہیں۔

یہ کلام سن کر موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام واپس تشریف لائے۔ راہ میں پہلے گنہگار شخص سے ملاقات ہوئی اس نے پوچھا میرے بارے میں ارادے الٰہی کیا ہے؟ فرمایا کہ اللہ نے تیرے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ یہ سن کر اس نے کہا الحمد للہ۔ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے اپنے اس گنہگار بندے کو اس قابل جانا کہ باقاعدہ طور پر اس کی خبر رکھی۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ اللہ نے مجھے بالکل بھلا دیا ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سن کر وہاں سے آگے بڑھے تو پہلے مقام پر نیکوکار ملا۔ پوچھا فرمایئے میرے بارے میں ارادے الٰہی کیا ہے؟ فرمایا کہ اللہ نے تیرے لیے جنت تیار کر رکھی ہے۔ یہ سن کر وہ بولا جنت کیسے نہ تیار کی جاتی؟ ساری عمر عبادت جو کی ہے کبھی گناہ کا خیال بھی دل میں نہیں آنے دیا پھر جنت کیسے نہ دی جائے۔ ہم جیسے نیکوکاروں کے لیے ہی جنت ہے۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لے آئے۔ دوسرے روز پھر خدا سے ملاقات کے

لیے گئے تو خدا نے فرمایا اے موسیٰ! اپنے نیکوکاروں اور گنہگاروں کے بارے میں فیصلہ بدل دیا ہے۔ جو گنہگار تھا اس کے لیے جنت اور نیکوکار کے لیے دوزخ قرار دی گئی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام حیران ہوئے عرض کیا اے اللہ! یہ کیا اسرار ہے؟ فرمایا اے موسیٰ گنہگار بندے نے میرا شکر ادا کیا۔ اور عاجزی کا اظہار کیا تھا۔ پس اس ادا کے بنا پر میں نے اسے معاف کر دیا اور اس کے لیے جنت قرار دی اور جو شخص نیکوکار تھا اس نے غرور کیا، تکبر کیا اور بڑائی جتلائی۔ اس کی یہ ادا مجھے ناپسند ہوئی پس اس کی سزا کے لیے میں نے اس کے سب نیک اعمال ضائع کر دیے اور دوزخ اس کے لیے سزاوار کر دی۔

دوسری حکایت: اب جو حکایت پیش کی جا رہی ہے اس کا تعلق حضرت نوح علیہ السلام کے دور سے ہے جبکہ بطور عذاب ان کی قوم پر طوفان نازل کیا گیا تھا۔ اس حکایت کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ جس وقت حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو ابلیس لعین بھی ایک کونے میں تشریف فرما ہو گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس وقت کشتی کے مسافروں کا جائزہ لیا تو انہوں نے ایک کونے میں ایک اجنبی صورت کو دیکھا، اس کے پاس تشریف لے گئے اور سوال کیا آپ کون ہیں؟ جناب ابلیس نے کہا: بندہ ناچیز سے ہر فرد نالاں اور کنارہ کش رہنا چاہتا ہے اور مجھ ناچیز کو ابلیس عرف شیطان کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا وہ خوش نصیب آپ ہیں جن کا تذکرہ زبان زد خاص و عام رہتا ہے اور آپ ہی وہ پر ہیبت ہستی ہیں جن سے بڑے بڑے پناہ مانگتے ہیں۔ مگر ذرا یہ تو فرمائیے کہ جناب نے یہاں تشریف لانے کا زحمت کیونکر گوارہ فرمائی؟ اگر ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو ارشاد فرمائیے۔ شیطان نے کہا: یا نبی اللہ! آپ آدم صفی اللہ کے نائب ہیں اور اللہ تعالیٰ کے منظور نظر ہیں۔ اللہ کے حضور میری توبہ کی سفارش فرما دیں۔ یہ قصہ سن کر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کے حضور شیطان کی توبہ کی درخواست کی۔ ارشاد ہوا کہ ابلیس لعین کی توبہ صرف اس صورت میں منظور کی جا سکتی ہے کہ آدم علیہ السلام کی لحد شریف کو سجدہ کرے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ پیغام ربانی ابلیس لعین کو سنایا، ابلیس لعین بولا یا نبی اللہ! یہ کام ناممکن ہے۔ یہ امر محال تو میں ان کے جیتے جی نہ کر سکا، اب ان کے مرنے کے بعد کیونکر کر سکوں گا؟ یا نبی اللہ! یہ کام ہرگز نہیں کر سکتا۔ (نزہۃ المجالس، جلد اول، صفحہ 121)

تیسری حکایت: بیان کی جانے والی اس حکایت کا تعلق علاقہ بسطام کے ایک رئیس اعظم سے ہے۔ یہ رئیس اعظم مرض تکبر کی زلف گرہ گیر کا اسیر تھا، اس نے کامل تیس سال اللہ کی عبادت میں گزاری مگر تکبر کی زلف گرہ کا اسیر ہونے کے سبب اجر و ثمر سے محروم رہا۔ آخر ایک روز شیخ الوقت حضرت بایزید بسطامی کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یوں عرض پیرا ہوا۔ یا سیدی! میں نے تیس سال کامل عبادت میں گزارے ہیں مگر ثمرہ سے تہی دامن ہوں۔ حضرت بایزید بسطامی نے فرمایا۔ اے بندہ خدا! تیس سال تو بہت تھوڑے ہیں اگر تو تین سو سال تک بھی کامل عبادت میں گزارے تو بھی تیرا دامن اجر سے تہی رہے گا۔ رئیس نے پوچھا اس کی وجہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ اس لیے کہ تیرا دل تکبر کا خوگر ہے، تیرا نفس تکبر کے مرض میں مبتلا ہے۔ پوچھا کیا اس کا کوئی علاج ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہو سکتا ہے اپنے نفس کو ذلت و رسوائی سے آشنا کر دے، راہ راست پر آ جائے گا اور پھر تیری عبادت رائیگاں نہیں جائے گی۔ پوچھا، کوئی ایسی ترکیب ارشاد ہو جس سے دل و نفس کو ذلیل کر سکوں۔ فرمایا سن! ترکیب یہ ہے کہ حجام کے پاس جا کر داڑھی مونچھیں صاف کروا دے پھر اپنی خوش رنگ پوشاک تن سے جدا کر دے اور ایک پھٹی ہوئی گودڑی کو تن ڈھانپنے کا ذریعہ بنا لے، گلے میں کشکول لٹکا لے اور اس میں اخروٹ بھر لے۔ جب یہ بہروپ سجا چکے تو بسطامی کی گلیوں میں، کوچوں میں گشت کر اور جادہ پیمائی کر اور بچوں سے کہہ دے کہ جو کوئی تجھے ایک چانٹا لگائے گا اس کو ایک اخروٹ دوں گا۔ پس اے مرد خدا! یہ وہ ترکیب ہے جس سے تیرا نفس ذلیل ہو جائے گا اور خوئے تکبر سے پاک ہو جائے گا اور تجھے تیری عبادت کا اجر و ثمر ملے گا۔ مگر وہ بسطامی رئیس اس ترکیب پر عمل کرنے کی جرأت نہ کر سکا اور خوئے تکبر میں اسیر رہا۔ (نزہۃ المجالس، جلد اول، صفحہ: 120)

ابلیس اور فرعون کے درمیان مکالمہ

یہ اس وقت کی بات ہے جب فرعون نے اپنی سلطنت کے غرور میں آ کر خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور سب نے اس کو اپنا رب تسلیم کر لیا تھا۔ سوائے ان لوگوں کے جن پر اللہ نے اپنی خاص عنایت کی تھی۔ بہر کیف اکثریت میں وہ لوگ تھے جنہوں نے اس کی خدائی مان لی تھی اور نگر نگر،

گلی گلی اس کی خدائی کے چرچے کر رہے تھے۔ یہ چرچے زمین سے نکلے، زمان میں پھیلے اور شہنشاہ و بدبخت ابلیس عزازیل کے ذہن و گوش میں بھی نقارہ بجا گئے۔ نہ جانے شیطان صاحب کے قلب سلیم میں کیا سمائی کہ انسانی بہروپ بن کر فرعون کے دربار میں حاضری کا شرف حاصل کیا اور خدمت فرعون میں جا کر یوں لب کشائی فرمائی، حضور! کیا یہ بندۂ ناچیز اس عظیم الشان ہستی کے دیدار سے مشرف ہو رہا ہے جس نے ربوبیت کا اعلان فرمایا ہے؟ فرعون صاحب نے غرور بھرے لہجے میں کہا۔ ہاں اے بندے! تو اپنے خدا کے دیدار سے مشرف ہو رہا ہے۔ شیطان صاحب نے کہا۔ حضور یہ بندۂ ناچیز حضور کی خدائی کا کمال دیکھنے کا خواہاں ہے۔ فرعون صاحب نے جواب دیا اے بندۂ بدبخت! تو ہماری خدائی میں شک کر رہا ہے، ہمارے پاس جادوگروں کی ایک ہزار پر مشتمل فوج ہے جو ہماری خدائی کی منہ بولتی دلیل ہے۔ شیطان صاحب گویا ہوئے، حضور! یہ بندۂ ناچیز آپ کا ممنون احسن ہوگا اگر آپ مجھے جادوگروں کی کمالات دکھائیں۔ فرعون صاحب نے اپنے جادوگروں کو حکم دیا کہ اپنے جادو کے کمالات دکھائیں۔ جادوگروں نے حکم کی تعمیل کی اور اپنے اپنے شعبدے دکھانے لگے۔ مگر شیطان صاحب نے کچھ ایسا سحر پھونکا کہ سب شعبدے پیوند خاک ہو گئے۔ تمام جادوگر بری طرح ناکام ہو گئے اور فرعون صاحب نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ ابلیس صاحب متوجہ ہوئے فرعون کی طرف اور گویا ہوئے، میں بھی جادوگر ہوں، میرے جادو کے سامنے تمہارے سب جادوگر ناکام ہو گئے۔ فرمایئے میں زیادہ قوی ہوں یا آپ کے جادوگر؟ فرعون صاحب نے شرمندگی سے جواب دیا آپ کا جادو زیادہ قوی ہے۔ شیطان صاحب گویا ہوئے مجھے کہنے کی اجازت دیں کہ آپ تو پرلے درجے کے مسخرے ہیں۔ ذرا غور فرمایئے میں اس قدر زبردست قوت کا حامل ہوں پھر بھی اللہ تعالیٰ مجھے اپنا بندہ ماننے سے انکار کرتا ہے اور آپ اس قدر عجز و بے بسی کے حامل ہوتے ہوئے بھی اس کی برابری کا دعویٰ کریں۔ یہ بات وہ کب گوارہ کر سکتا ہے۔ (نزہۃ المجالس، جلد اول، صفحہ:121)

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہاتف کی نصیحت

ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے لشکروں کو ہمراہ کیا اور تخت ہوائی پر سوار ہو کر تخت کو حکم دیا۔ اے تخت! بلندی کی جانب پرواز کر۔ تخت بلند ہونے لگا یہاں تک کہ آپ

فرشتوں کی تسبیح خوانی سن سکتے تھے۔ پھر آپ نے تخت کو نیچے اترنے کا حکم دیا اور تخت اس قدر نیچے ہو گیا کہ آپ کے دونوں قدم دریا کی تہہ میں جا لگے۔ یہاں پر ایک ندا بلند ہوئی کہ اے لشکریو! سنو اگر تمہارے بادشاہ کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا تو فوراً دھنسا دیا جائے گا۔

(نزہۃ المجالس، جلد اول، صفحہ:120)

کیمیائے سعادت، صفحہ:442 پر درج ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ہوائی لشکر پر رونق افروز ہو کر محو پرواز تھے۔ دوران پرواز آپ کے دل میں ایک احساس پیدا ہوا کہ خدا نے مجھے کس قدر عزت سے نوازا ہے، دنیا میں کوئی میرا ہمسر نہیں ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ آپ کا تخت الٹنے لگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ پریشان حالی کے عالم میں تخت سے کہا اے تخت! تجھے کیا ہو گیا ہے؟ تو کس وجہ سے شر کر رہا ہے؟ حکم خدا سے تخت کو قوت گویائی عطا ہوئی اور اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے یوں کلام کیا۔ اے سلیمان علیہ السلام! شر میں نہیں بلکہ آپ فرما رہے ہیں۔ میں اس وقت تک ٹیڑھا رہوں گا جب تک آپ اپنے خیالات کو راہ راست نہیں لائیں گے۔ یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دل سے خیال باطل کو رد کیا اور خدا کی طرف رجوع کیا۔ تب جا کر تخت سیدھا ہوا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو قرار آیا۔

کیمیائے سعادت کی اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان خواہ کس قدر اونچا مرتبہ و مقام کا حامل کیوں نہ ہو۔ پھر بھی اسے یہ زیب نہیں دیتا کہ بڑائی کا دعویٰ کرے اور عبدیت کے درجے سے خارج ہونے کی کوشش کرے۔ یہ سراسر خلاف از اقتضائے عجز و انکساری ہے۔

غرور کی مختلف اقسام

غرور تکبر کی کئی اقسام ہیں۔ جلیس الناصحین، صفحہ:122۔123 / پر غرور کی درجہ ذیل اقسام بیان کی گئی ہیں:

1- اللہ کے ساتھ غرور کرنا: جس طرح فرعون و نمرود نے خود کو بڑا جانا اور اللہ کی ہمسری کا دعویٰ کیا۔ 2- انبیاء سے غرور کرنا: جس طرح قریش نے غرور کیا اور ایمان نہ لائے اور گمراہی کے راستوں پر چلتے رہے۔ 3- بندوں سے غرور کرنا: بندوں سے غرور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان

کو حقیر جانے۔ اس میں دو کفر ہیں اور یہ سب سے زیادہ ہے۔

غرور کے کئی اسباب ہیں:

علم: اپنے علم پر غرور کرنا اور دوسروں سے تعظیم کی امید رکھنا، حدیث شریف میں ہے:
اٰفَۃُ الْعِلْمِ الْخُیَلَاءُ۔ اپنے کو بزرگ جاننا علم کی آفت ہے۔

زھد: اپنی عبادت کے سبب یہ گمان کر لینا کہ دوسرے لوگ میری جیسی عبادت نہیں کر سکتے، پس اس واسطے اللہ کے حضور میرا درجہ ان سے بلند ہے۔

منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو بڑا نیک اور زاہد تھا، اللہ کی طرف سے ایک ابر اس پر سایہ فگن رہتا تھا۔ ایک بار ایک گنہگار شخص اس کی زیارت کو گیا اور اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ زاہد نے گمان کیا کہ بدکار کی مجال کیونکر ہوئی کہ مجھ جیسے عابد و زاہد کے پاس بیٹھے۔ بلکہ بالکل ساتھ مل کر بیٹھے۔ اس سے کہا کہ ذرا پرے ہٹ کر بیٹھ۔ وہ بے چارہ ہٹ کے بیٹھ گیا۔ پیغمبر وقت پر نزول وحی ہوا کہ زاہد و بدکار دونوں سے کہہ دے کہ اپنے اپنے اعمال از سر نو شروع کریں۔ میں نے بدکار کو اس کے اعتقاد کی وجہ سے بخش دیا اور زاہد کے تمام اعمال نیک اس کے غرور کی وجہ سے رائیگاں کر دیے۔

حسب و نسب: اپنے خاندان کو دوسروں کے خاندانوں سے برتر جاننا۔ غرور کی یہ قسم ہمارے آج کے اس دور میں بے حد رچی بسی ہے، ہر شخص اپنی قوم اور ذات کو دوسروں سے برتر اور افضل ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے بچنا بے حد ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حسب و نسب کو نہیں دیکھتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت اپنے تابع دار بندوں کے لیے پیدا فرمائی ہے چاہے وہ غلام حبشی ہی کیوں نہ ہوں۔ اور گنہگاروں کے لیے دوزخ تخلیق فرمائی، خواہ آزاد قریشی النسل کیوں نہ ہو۔

خوبصورتی: خوبصورتی اکثر وقت غرور کی باعث بنتی ہے۔ عورتوں میں یہ بات زیادہ پائی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں اکثر روی عورتیں جھونکی ہو جائیں گی۔

مال و دولت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ برا ہے ان کے لیے، قریب ہے وہ طوق پہنائے

جائیں گے اس چیز کا جس کا بخل کیا۔

پاور: اپنی طاقت پر نازاں نہیں ہونا چاہیے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہشت میں کمزور زور آور اور دوزخ میں بہت سے زور آور کمزور ہو جائیں گے۔

آل و اولاد: آل و اولاد بھی غرور کی باعث بنتی ہے۔ حالانکہ روز محشر اولاد کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قیامت کے دن نہ مال فائدہ دے گا۔ نہ اولاد دے گی مگر جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آیا۔

بعض عظمتوں کی وجہ تسمیہ

قرۃ الواعظین، جلد دوم، صفحہ: 62-64 میں چھ اشیا کی فضیلت کی وجہ بیان کی ہے کہ انھوں نے اللہ کے واسطے عاجزی کی، پس اللہ نے ان کے ہمسروں سے ان کا درجہ بڑھا دیا۔ وہ چھ اشیا درج ذیل ہیں:

جودی پہاڑ: طوفان نوح علیہ السلام کے وقت اللہ تعالیٰ نے سب پہاڑوں سے کلام کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور جملہ مومنین کی کشتی، میں کسی ایک پہاڑ پر اتارنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر سب پہاڑوں نے تکبر کیا مگر جودی پہاڑ نے از روئے تواضع اور عجز کے کہا، میری ایسی عزت کہاں کہ اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کی کشتی مجھ پر اتار دے۔ پس اس انکساری کی وجہ سے اللہ نے اس کا درجہ بلند کیا اور کشتی وہیں جا لگی۔ اس واقعہ کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں سورۂ ہود میں فرمایا ہے: وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ۔ یعنی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری اور قرار پکڑی۔

وَهُوَ جَبَلٌ بِأَحْسَنِ الْجَزِیْرَةِ بِقُرْبِ الْمَوْصِلِ فَقَالَتِ الْجِبَالُ یَارَبَّنَا لِمَا فَضَّلْتَ الْجُوْدِیَّ عَلَیْنَا وَهُوَ اَصْغَرُنَا فَقَالَ اللّٰهُ اَنَّهٗ تَوَاضَعَ لِیْ وَاَنْتُمْ تَكَبَّرْتُمْ وَحَقٌّ عَلٰی مَنْ تَوَاضَعَ لِیْ رَفَعْتُهٗ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعْتُهٗ۔

ترجمہ: جودی ایک پہاڑ ہے موصل شہر کے قریب ایک جزیرے میں پھر سب پہاڑوں نے عرض کیا۔ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہم سب پر جودی پہاڑ کو کیوں فضیلت دی حالانکہ جودی سب پہاڑوں سے چھوٹا ہے؟ خدائے تعالیٰ نے فرمایا۔ اس نے تواضع کی تھی اور تم نے تکبر کیا تھا۔ اور مجھ پر لازم ہے کہ جو تواضع کرے اسے بڑھاؤں اور جو تکبر کرے اسے گھٹاؤں۔

کوہِ طور سینا: دوسری چیز سینا پہاڑ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے پہاڑوں پر فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام پہاڑوں سے کہا کہ میں تم سے کسی پہاڑ کو اپنے بندے سے گفتگو کرنے کے لیے منتخب کرنا چاہتا ہوں۔ سب پہاڑوں نے تکبر کیا مگر طور سینا نے از روئے انکساری کہا، میں کون ہوں کہ اللہ مجھ ناچیز پر اپنے بندے سے بات کرے۔ پس بوجہ ایں خداوند تعالیٰ نے اس پہ موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی۔

مچھلی: اللہ تعالیٰ نے سب مچھلیوں کی طرف وحی نزول فرمائی کہ میں تم میں سے کسی کے پیٹ میں اپنے یونس علیہ السلام کو جگہ دوں گا۔ یہ سن کر سب مچھلیوں نے تکبر کیا مگر ایک مچھلی نے بڑی عاجزی اور فروتنی سے کہا کہ میں کس قابل ہوں کہ اللہ اپنے بندے کو میرے پیٹ میں جگہ دے۔ پس اس کی اس عاجزی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت بخشی اور یونس علیہ السلام کو اس کے پیٹ میں جگہ دی۔

مگس: اللہ تعالیٰ نے سب پرندوں سے فرمایا کہ میں تم میں کوئی پینے کی چیز رکھنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر پرندوں نے تکبر کیا مگر شہد کی مکھی بڑی عاجزی سے بولی کہ میں کس قابل ہوں کہ مجھ نالائق اور کم بخت میں اللہ پینے کی شے رکھے۔ پس اللہ کو یہ عاجزی پسند آئی اور اس کو شہد سے نوازا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا تو کون ہے؟ کہا میں خلیل اللہ ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تو کون ہے؟ جواب دیا میں کلیم اللہ ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تو کون ہے؟ فرمایا میں روح اللہ ہوں، اور پیارے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو کون ہے؟ فرمایا یتیم ہوں۔ پس اس عجز کے کلمے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کا درجہ دوسرے پیغمبروں سے زیادہ کر دیا۔

صاحب تواضع مومن

جو بندۂ مومن تواضع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو سجود و توحید میں عزت دیتا ہے اور اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور وہ اللہ کے نور سے ہوتا ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری کی عظمت

قرۃ الواعظین، جلد دوم، صفحہ: 60 پر مرقوم ہے کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کے دروازہ پر پہنچے تو بڑے بڑے رؤسا آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑنے کے لیے وہاں موجود تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم اونٹنی کو چھوڑ دو! یہ مامور ہے جہاں حکم ہوگا رک جائے گی۔ فرمان پورا کیا گیا اور اونٹنی آگے بڑھتی رہی، جس کا مکان چھوڑ کر آگے بڑھتی تھی وہ غمگین ہو جاتا اور کہتا کہ اگر میرے پاس مال و دولت ہوتی تو آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے مہمان ہوتے۔ بالآخر چلتے چلتے اونٹنی ابو ایوب انصاری کے دروازے پر بیٹھ گئی۔ اس کو اٹھایا گیا مگر نہ اٹھی۔ اس وقت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا مقام یہی ہے۔ جس وقت آپ شہر میں داخل ہونے والے تھے اس وقت سب لوگوں نے اپنے اپنے مکانوں کو جھنڈیوں سے آراستہ کیا تھا۔ خوبصورت چیزوں سے سجایا تھا اور تکبر کیا تھا کہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مہمان ہوں گے مگر بندۂ خدا ابو ایوب انصاری نے اپنے دل میں سوچا تھا کہ مجھ غریب و ناتواں کی اللہ کے حضور ایسی قدر کہاں کہ وہ اپنے محبوب کو میرے در پر اتارے۔ پس اللہ کو یہ عاجزی پسند آئی اور اپنے نبی کو حضرت ابو ایوب انصاری کے یہاں اتارا۔

ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرات! اب فخر و تکبر کے بارے میں چند احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تحریر کی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے ملاحظہ فرمایئے، مشکوٰۃ، صفحہ: 433 پر مرقوم چار احادیث پیش کی جاتی ہیں۔ پہلی تین احادیث مسلم نے روایت کی ہیں اور چوتھی حدیث ترمذی سے روایت ہے:

پہلی حدیث: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ۔

ترجمہ: جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا۔ وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

اس مبارک حدیث میں تکبر کے بارے میں بڑی ہی سخت وعید فرمائی گئی ہے اور واضح لفظوں میں فرمادیا کہ متکبر آدمی جنت کی امید نہ رکھے بلکہ روز محشر اس کے لیے دوزخ ہوگی۔

دوسری حدیث: لَا يَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ

إِيْمَانٍ وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرٍ۔

ترجمہ: جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہوگا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا، اور جس کسی کے دل میں رائی برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

تیسری حدیث: ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ شَيْخٌ زَانٍ وَّمَلِكٌ كَذَّابٌ وَّعَائِلٌ مُّسْتَكْبِرٌ۔ (مسلم، مشکوۃ، صفحہ:423)

ترجمہ: تین شخص ہیں کہ روز محشر اللہ نہ تو ان سے کلام کرے گا، نہ ان کو پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر فرمائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے:

1-بوڑھا زانی 2-بادشاہ کاذب 3-محتاج متکبر

چوتھی حدیث: يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ أَمْثَالَ الذَّرِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْ صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ يُسَاقُوْنَ إِلٰى سِجْنٍ فِيْ جَهَنَّمَ يُسَمّٰى بُوْلَسَ تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْأَنْيَارِ يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ طِيْنَةِ الْخَبَالِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: متکبرین کا حشر قیامت کے دن چیونٹیوں کے برابر جسموں میں ہوگا اور ان کی صورتیں مثل آدمیوں کے ہوں گی اور ان پر ذلت چھائے ہوئے ہوگی۔ (فرشتے) ان کو کھینچ کر جہنم کے قیدخانے کی طرف لے جائیں گے جس کا نام "بولس" ہے ان کے اوپر آگوں کی آگ ہوگی اور جہنمیوں کا نچوڑ ان کو پلایا جائے گا جس کو "طینۃ الخبال" کہتے ہیں۔

پانچویں حدیث: إِنَّ فِيْ جَهَنَّمَ وَادِيًا يُقَالُ لَهٗ هَبْهَبُ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّسْكِنَهٗ كُلَّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ۔ (زواجر، صفحہ:58)

ترجمہ: بے شک جہنم میں ایک وادی ہے جس کو "ہبہب" کہتے ہیں۔ اللہ پر حق ہے کہ اس میں ہر متکبر ہٹ دھرم کو داخل کرے گا۔

نزہۃ المجالس، جلد اول، صفحہ:121 پر درج ہے کہ گناہوں کے دو اقسام ہیں: پہلی قسم وہ ہے جس میں ہر وہ گناہ شامل ہے جو انسان نفسانی خواہشات کے زیر اثر کرتا ہے ایسے گناہوں پر توبہ قبول ہو سکتی ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے زیر اثر سرزد ہوا اور بعد ازاں ان کی توبہ قبول فرمائی گئی۔ گناہوں کی دوسری قسم میں ایسے سب گناہ شامل ہیں جو کبر و نخوت کی وجہ سے

ظہور پذیر ہوں۔ ایسے گناہ بڑے سخت ہیں اور ان گناہوں پر توبہ کی قبولیت کی امید نہیں ہو سکتی۔

برادران اسلام! ثابت ہوا کہ کبر و نخوت بہت بڑا گناہ ہے اسی لیے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خود باری تعالیٰ نے اس کی مذمت فرمائی ہے۔ پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ تو آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اب اللہ تعالیٰ کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

ارشادات ربانی

قرآن مجید سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: أَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ۔

ترجمہ: شیطان نے نافرمانی کی اور تکبر کیا اور کافر کے گروہ سے ہو گیا۔

اسی طرح سورۂ ابراہیم میں یوں فرمایا ہے: وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ۔

ترجمہ: ہر سرکش ہٹ دھرم نامراد ہے۔

سورۂ مومن میں پہلی جگہ ارشاد ہوتا ہے: كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ۔

ترجمہ: اللہ یوں ہی مہر کر دیتا ہے سارے متکبر و سرکش کے دلوں پر۔

ارشاد باری ہے: إِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ۔

یعنی میں تمہارے اور اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں ہر متکبر سے کہ حساب کے دن پر یقین نہیں لاتا۔

بڑائی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے

مشکوۃ، صفحہ:433 مسلم سے روایت شدہ ایک حدیث قدسی درج ہے:

اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظَمَةُ إِزَارِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِّنْهُمَا أَدْخَلْتُهُ النَّارَ۔

ترجمہ: کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری تہبند۔ جو شخص ان دو میں سے کسی کو چھینے گا میں اس کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔

حاصل کلام یہ کہ انسان کو یہ نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کی ذات میں شرکت کا دعویٰ بے جا کرے۔ ایسا کرنا سراسر فرعونیت اور منافی اسلام ہے۔

☆☆☆

چھبیسواں وعظ

شکر الٰہی بر نعمت الٰہی

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
وَاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ. (سورۂ نحل)

ترجمہ: اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ اگر تم اس کو پوجتے ہو۔

شکر گزاری دین کا سرچشمہ ہے

شکر تمام تر مبادی دین کا سرچشمہ ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ شکر، توحید و معاد کے ایقان واعتقاد کی راہوں کا کاشف ہے۔ شکر کے بارے میں توحید و معاد کے ایقان واعتقاد کی راہوں کے کاشف ہونے کا دعویٰ کسی مجذوب کی بڑ اور کسی ایسے ویسے فلسفی کا کوئی الجھا ہوا فلسفہ نہیں۔ بلکہ یہ دعویٰ کائنات ارضی و سماوی کے خالق نے اپنے پاک کلام میں کیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمھیں عذاب دے کر کیا کرے گا، اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ، اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہے صلہ دینے والا جاننے والا۔

یہ جو آیت بطور دعویٰ پیش کی گئی ہے وہ سورۂ نسا میں ہے۔ اس آیت مقدسہ میں بیان فرمایا گیا: اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ. یعنی اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ۔ ایمان سے پہلے شکر کا تذکرہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ شکر ایمان کی عظیم الشان منزل کی مضبوط اور مستحکم بنیاد ہے۔ اگر یہ بنیاد ہے تو ایمان کی منزل تعمیر ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ کیونکہ شکر ہی وہ جذبہ ہے جو دلوں میں پیدا ہو کر قلب وجگر پر دین کی راہیں آشکارا کرتا ہے۔ لہٰذا یہ دعویٰ بالکل درست اور پتھر پر لکیر ہے کہ شکر توحید و معاد کے ایقان واعتماد کی راہوں کا کاشف ہے، یہ دعویٰ قیامت تک کے لیے اٹل ہے۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ دعویٰ ایک ایسا پہاڑ ہے جس کو ہزاروں ہرکولیس مل کر ذرہ برابر بھی جنبش نہیں دے سکتے اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ دعویٰ ایک ایسا جوان ہے جہاں کوئی شہ زور پہلوان، دانشور اور بڑے سے بڑا کوئی فلسفی بھی اعتراض کی کمند شوق نہیں پھینک سکتا۔

اللہ کے کلام پاک کا آغاز سورۂ فاتحہ سے ہوتا ہے اور سورۂ فاتحہ کے بارے میں مسلمین متفق ہیں کہ یہ سورت سورۂ شکر ہے۔ سورۂ فاتحہ شکر ہے اور یہ قرآن مجید کا آغاز بھی کرتی ہے۔ کیا اس سے بات اظہر من الشمس نہیں ہوتی اور کیا یہ حقیقت ابھر کر عیاں نہیں ہوتی کہ دین کی تمام تر مبادیات، انسانی خصائل، اخلاق، درست اعمال وعقائد کا سرچشمہ و سنگ بنیاد شکر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ شکر کو ام القرآن کہا گیا ہے گویا شکر دین ودنیا کی کلید ہونے کے علاوہ خلاصہ قرآن اور مقصود سنت نبوی ہے۔

شکر دینی ودنیاوی ترقیوں کی اساس ہے

چوں کہ شکر تمام تر مبادیات دین کا سرچشمہ و سنگ بنیاد ہے، لہٰذا امر لازم ہے کہ دینی ترقیوں کے ساتھ ساتھ شکر، دنیاوی ترقیوں کا بھی ضامن ہے۔ اگر ہم ذرا دیر کے لیے ماضی وحال کی امت مسلمہ پر ایک نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ماضی کی امت مسلمہ ایک عالم کے لیے تابندہ و درخشاں خورشید تھی اور اس وقت تک رہی جب تک اس نے اس حقیقت سے شناسائی رکھی کہ شکر، اسلامی زندگی کے لیے سراسر رحمت اور اس کا فقدان تباہی و بربادی اور ذلت و رسوائی کا پیش خیمہ ہے۔ مگر رفتہ رفتہ جب اس نے اس حقیقت سے آنکھیں چرانا اور دامن چھوڑنا شروع کیا تو اس کی رفعت وبلندی اور عظمت وسلطنت کے کاخ دھڑام سے گر کر پیوند خاک ہو گئے اور آج کی امت مسلمہ اقوام متحدہ عالم میں رذیل کیوں ہے۔ آج امت مسلمہ کی عظمت اور بلندی کی داستانیں صرف کتابوں تک ہی کیوں محدود رہ گئی ہیں؟ آخر وجہ کیا ہے کہ اس کی عظمت رفتہ سے اس کا کوئی ناطہ نہیں؟ آخر کیوں مسلمان پہلے والے عظیم سلطنتوں کے مالک مسلمان نہیں رہے؟ آخر کیوں وہ چھوٹی چھوٹی ٹکریوں میں بٹ گئے ہیں۔ آخر کیوں؟ اس کا کوئی طویل ترین پس منظر نہیں بلکہ صرف بات اتنی سی ہے کہ آج مسلمانوں میں ایمان کی اصل شکر

کا زبردست فقدان ہے۔ بس صرف اور صرف یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان پستیوں کا شکار ہے اور پوری امت مسلمہ ایک عجب طرز کے ذہنی اور ملی خلفشار میں مبتلا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک سورۂ ابراہیم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ

ترجمہ: یاد کرو جب تمہارے رب نے سنا دیا۔ اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں اور دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔

مندرجہ بالا آیت مقدسہ میں اللہ نے واضح طور پر فرما دیا کہ دنیا میں صرف وہی لوگ اللہ کی نعمتوں کا مرجع ٹھہریں گے جو جذبہ شکر سے سرشار ہوں گے اور جو لوگ جذبہ شکر سے تہی دامن رہیں گے تو ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ نے شدید عذاب کی وعید سنائی ہے۔ اللہ وحدہ لاشریک کا یہ اصول، یہ ضابطہ اور یہ قانون ناقابل بدل ہے اور قیامت تک آنے والی نسلوں پر لاگو رہے گا۔ اس میں کسی بھی فرد یا قوم کو چھوٹ نہیں۔ خدائے وحدہ لاشریک نے فرمایا ہے:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ یعنی اللہ پاک کی یہ سنت تبدیل نہیں ہو سکتی۔

علاوہ ازیں سورۂ زمر میں ارشاد ربانی ہے: اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (آیت:7)

ترجمہ: اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز ہے اور اللہ کو اپنے بندے کی ناشکری پسند نہیں اور شکر کرو تو اسے تمہارے لیے پسند فرماتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کی بوجھ نہیں اٹھائے گی پھر تمہیں اپنے رب کی طرف پھرنا ہے تو وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ بے شک وہ دلوں کی جانتا ہے۔

مرقومہ بالا آیات مقدسہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہے کہ اللہ کے جملہ کام حکمت و دانش مندی کا سراپا ہوتے ہیں اور اللہ کے اصول اور لازوال انعامات کے حقدار صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ کے شکر گزار ہوتے ہیں اور ناشکری سے باز رہتے ہیں۔ گویا نعمت الٰہی اور رضوان الٰہیہ کا ذریعہ شکر ہے۔ اگر نہیں ہے تو انسان اپنی آئندہ زندگی میں ارتقا حاصل

نہیں کر سکتا اور دنیا میں کسی اعلیٰ مقام پر فائز نہیں ہو سکتا۔

بیان کی گئی آیت مقدسہ کے بعد مزید کسی بحث کی گنجائش نہیں رہتی اور نہ ہی مثبت و منفی پہلوؤں کو ہدف بنایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آیت میں صاف طور پر فرمایا گیا ہے کہ اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا اور ناشکری کرو گے تو اللہ کو اپنے بندوں کا ناشکرا ہونا سخت ناپسند ہے۔ اور جس کو اللہ ناپسند کر لیتا ہے، اسے ذلت و رسوائی کا طوق پہنا دیتا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور جو لوگ شکر بجا لاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر اپنے کرم کا نزول کرتا ہے اور ان کو مرتبہ و مقام سے نوازتا ہے۔ مندرجہ بالا تحریر کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ دین و دنیا کی تمام تر ترقیوں کا سرچشمہ و سنگ بنیاد شکر ہے۔

شکر کی اہمیت

عزیزان گرامی! شکر کی اہمیت تو اس بات سے ثابت ہے کہ اللہ کے فرمان کے مطابق شکر ایمان کی اصل ہے مگر اس کے علاوہ شکر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ کائنات ارضی و سماوی کی ہر شئے اللہ کا شکر بجا لاتی ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی حمد و ثنا کے ترانے گاتا ہے۔ ذیل میں چند ایک آیات مقدسہ پیش کی جا رہی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ ہر لمحہ حمد و ثنائے رب کریم میں مشغول ہے اور اس کا شکر بجا لاتا ہے۔

سب سے پہلے سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیت پیش خدمت ہے: سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا۔ (آیت:44)

ترجمہ: اسے پاکی اور برتری۔ ان کی باتوں سے بڑی برتری اور اس کی پاکی بولتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں سے ہے اور کوئی شے نہیں جو اسے سراہتے ہوئے اس کی پاکی نہ بولے۔ ہاں! تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے بے شک وہ حلم والا بخشنے والا ہے۔

سورۂ روم میں ارشاد ربانی ہے: وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ۔

ترجمہ: اسی کے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں۔ سب اس کے زیر حکم ہیں۔

سورۂ نور میں ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ

صَافَّاتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ۔

ترجمہ: کیا تم نے یہ نہ دیکھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد کرتے ہیں جو آسمان اور زمین میں ہے اور پرندے پر پھیلاتے ہیں سب نے جان رکھی ہے اپنی نماز اور اپنی تسبیح اور اللہ ان کے کاموں کو جانتا ہے۔

سورۂ حدید میں ارشاد ہے: سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ اور وہی عزت اور حکمت والا ہے آسمان اور زمین کی سلطنت اسی کے لیے ہے۔ زندہ کرتا ہے، مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

سورۂ جمعہ میں ارشاد ہے: يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی پاکی بولتا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے بادشاہ کمال پاکی والا ہے عزت والا حکمت والا۔

بیان کی گئی مندرجہ بالا آیات مقدسہ اس امر کی غماز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور فقط انسانوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کا دائرہ کار زمینوں اور آسمانوں میں موجود ہر ہر ذرے پر محیط ہے۔

ہر نعمت پر شکر واجب ہے

اللہ کی ہر نعمت پہ شکر بجالانا چاہیے، یہ پورے کا پورا کارخانۂ قدرت انسان کی خدمت میں ہمہ وقت مصروف ہے۔ اور انسان چاہے بھی تو اس میں تبدیلی نہیں کرسکتا مثلاً انسان حکم دے بادلوں کو کہ اے بادل! بارش برساؤ تو کیا بارش برسے گی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اللہ کے معمولی حکم پر بارش ہونے لگتی ہے، اور جب تک اللہ نہ چاہے تو درختوں پر پھلوں کی بہار نہیں آسکتی، خواہ انسان کتنا ہی سر پٹکے۔ اپنی لاکھوں کوششوں کے باوجود انسان شب وروز کے نظام کو اپنی مرضی کا تابع نہیں بناسکتا۔ غور کریں، جب انسان ان تمام نعمتوں کے لیے کسی ان دیدہ ہستی کا دست نگر ہے تو پھر کیا چیز اس پر واجب نہیں کہ وہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرے۔ تاکہ اللہ کی نعمتوں کا زیادہ سے زیادہ حقدار بن سکے اور یہ بات تو معمولی سی فہم وفراست کا حامل شخص بھی جانتا ہے کہ اس نادیدہ

ہستی کو کسی اجر وصلے کی چنداں ضرورت نہیں ہے اور وہ نادیدہ ہستی کون ہے جو انسان پر اپنی نعمتوں کے دروازے کھولتی ہے؟ کوئی مانے یا نہ مانے لیکن امت مسلمہ کا ہر فرد اس سے بخوبی آگاہ ہے کہ وہ نادیدہ ہستی خالق کائنات، رب کی ہے اور خالق کائنات رب تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو پاک کلام مجید اتارا، اس کے چودھویں پارہ کے سورہ نحل میں اپنی ان نعمتوں کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اور آخر میں فرمایا ہے کہ عقل مند لوگ وہی ہیں جو میرا شکر بجالائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ جو نعمتیں میں نے تمہیں عطا کی ہیں، ان نعمتوں کو تم از خود حاصل کرنے میں بے بس ہو۔ ان نعمتوں کے لیے تمہیں میرا شکر گزار ہونا چاہیے تاکہ ان نعمتوں کا دروازہ تم پر کھلا رہے اور تم ان سے محروم نہ ہو جاؤ۔

سورہ نحل میں ہے:

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ۔ يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۔ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ۔ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ۔ وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ۔ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔

ترجمہ: وہی جس نے آسمان سے پانی اتارا، اس سے تمہارا پینا اور اس سے درخت ہیں جن سے چراتے ہو۔ اس پانی سے تمہارے لیے کھیتی اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل، بے شک اس میں نشانی ہے دھیان کرنے والوں کو۔ اس نے تمہارے لیے رات ودن، سورج وچاند اور ستارے اس کے حکم کے باندھے ہیں بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کو۔ اور وہ جو زمین میں پیدا کیا تمہارے لیے رنگ برنگ۔ بے شک اس میں نشانی ہے یاد کرنے والوں کو۔ اس نے تمہارے لیے رات ودن، سورج وچاند اور ستارے اس کے حکم کے باندھے ہیں بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کو۔ اور وہ جو زمین میں پیدا کیا تمہارے لیے رنگ برنگ۔ بے شک اس میں نشانی ہے یاد کرنے والوں کو۔ اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے دریا مسخر کیا کہ اس میں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور اس میں سے گہنا نکالتے ہو جسے پہنتے

ہو۔ اور تو اس میں کشتیاں دیکھے گا کہ چلتی ہیں پانی چیر کر اس لیے کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور کہیں احسان مانو یعنی (شکر ادا کرو)۔

مندرجہ بالا آیاتِ مقدسہ اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ بے شمار نعمتیں ہیں اور ہم سے تقاضا کرتی ہیں کہ ہم اللہ کا شکر ادا کریں۔ تاکہ اور زیادہ سے زیادہ نعمتوں کا نزول ہو۔ اور ہم اپنے خالق و منعم حقیقی کا شکر گزار بنیں۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان کو میں نے نعمتیں دیں تاکہ وہ شکر ادا کرے۔ سورۂ جاثیہ میں ہے: اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِأَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ جس نے تمہارے لیے دریا کی تسخیر کر دی کہ اس میں اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور اس لیے کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور اس لیے کہ شکر ادا کرو۔

شکر گزار کے ساتھ تائید الٰہی

اس جہانِ آب وگل میں نعمت الٰہی کا بجا طور پر مستحق ہر وہ شخص ہے جو اللہ کا شکر بجا لاتا ہے۔ نہ صرف اس عالم آب وگل میں بلکہ آخرت میں بھی وہی لوگ انعامات الٰہیہ کا شاخسانہ قرار پائیں گے جو یہاں شکر بجا لاتے ہیں۔ گویا دنیا و آخرت ہر دو جہاں میں فقط وہی لوگ اللہ کے پرلذت انعامات سے حصہ حاصل کریں گے جو شکر بجا لاتے ہیں۔

اللہ نے اپنے پاک کلام میں کئی مقامات پر فرمایا ہے کہ جو لوگ شکر بجا لاتے ہیں۔ وہ لوگ آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی میری تائید و نصرت حاصل کرتے ہیں۔

سورۂ قمر میں ارشاد ربانی ہے: كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ ۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۔ نِعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ۔

ترجمہ: لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا بے شک ہم نے ان پر پتھراؤ کیا۔ سوائے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر والوں کے۔ ہم نے ان کو پچھلے پہر بچا لیا اپنے پاس کی نعمت فرما کر۔ ہم یوں ہی صلہ دیتے ہیں جو شکر کرے۔

اس آیت مقدسہ سے دو باتوں کی وضاحت ہوتی ہے۔ اول یہ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر

نہیں بجا لاتے، تباہی و بربادی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے ناشکری کا ارتکاب کیا اور حضرت لوط علیہ السلام کو خدا کا رسول تسلیم نہ کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب شدید نازل فرمایا اور ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا فضل کرتا ہے اور ان کو ہر طرح کی آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ حضرت لوط علیہ السلام کے اہل وعیال کو اللہ نے پتھروں کے عذاب سے محفوظ رکھا۔ اس لیے کہ انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اس کے رسولوں کو نہیں جھٹلایا۔

ان دو باتوں کے علاوہ اس آیت مقدسہ سے ایک اور اہم بات سمجھ میں آئی کہ اللہ تعالیٰ نے شکر گزاروں کی طرف سے ناشکروں سے انتقام لیا۔ اس کے دشمنوں کا اللہ تعالیٰ بھی دشمن ہوتا ہے اور اس کے دوستوں کا اللہ تعالیٰ بھی دوست ہوگا۔

آخرت میں اللہ کی عنایت

یہ بات تو پایہ ثبوت سے ہمکنار ہوئی کہ جو لوگ نعمت الٰہی کا شکر بجا لاتے ہیں، دنیا میں ان کے لیے کامیابی ہی کامیابی ہے۔ مگر شاکر لوگوں کے لیے صرف دنیا میں ہی کامیابی نہیں بلکہ آخرت میں بھی کامیابی و کامرانی اور شادمانی و سرخروئی ان کی رفاقت حاصل کرنے کی خواہاں ہے۔ اس لیے کہ اسے اللہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم ہے کہ وہ شاکر لوگوں کی قدم بوسی کے لیے کمربستہ رہے۔

سورۂ آل عمران میں ہے: وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۗ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ج وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۔ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ۔

ترجمہ: کوئی جان اللہ کے حکم کے بغیر نہیں مر سکتی، سب کا لکھا رکھا ہے اور جو دنیا کا انعام چاہے ہم اس میں اسے دیں گے اور جو آخرت کا انعام چاہیں ہم اس میں سے ان کو دیں گے۔ اور قریب ہے ہم شکر والوں کو صلہ عطا کریں۔

اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے شاکروں کو صلہ دینے کی بات کی ہے۔ ہم سے کون

جائے کہ اللہ تعالیٰ کیا صلہ دے گا؟ کیوں کہ اس کی ذات بے پایاں رحمت دینے پر آتی ہے تو اتنا دے دیتی ہے، جس کا کوئی گمان بھی نہیں کرسکتا۔

سورۂ نحل میں ارشاد ہے: اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًاؕ وَ لَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖؕ اِجْتَبٰىهُ وَ هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ وَ اٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةًؕ وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔

ترجمہ: بے شک ابراہیم ایک امام تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار، سب سے جدا اور مشرک نہ تھا۔ اس کے احسانوں پر شکر کرنے والا۔ اللہ نے اس کو چن لیا اور سیدھی راہ دکھلائی اور ہم نے اسے دنیا میں بھی بھلائی دی اور آخرت میں بھی شایانِ قرب ہے۔

پیارے قارئین! آیت بالا میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے محض شکر گزاری کے صلے میں دنیاوی جاہ و حشمت سے نوازا اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ شکر گزاری کے صلے میں اپنے قرب سے نوازے گا۔

حاصل کلام یہ کہ شکر انسانی ترقی و بلندی کا سنگِ بنیاد ہے۔ جو لوگ شکر سے منہ نہ موڑیں گے، وہ دنیا و آخرت میں سرخروئی سے ہمکنار ہوں گے۔ اور جو لوگ ناشکری کریں گے، ان کے لیے دونوں جہانوں میں بربادی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ التجا ہے کہ ہم کو اپنا شکر گزار بندہ بننے کی توفیق بخشے۔ (آمین)

☆☆☆

ستائیسواں وعظ

لباس پہننے کے آداب و مسائل

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِیْشًاؕ وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَیْرٌؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ۔ (سورۂ اعراف)

ترجمہ: اے آدم کی اولاد! بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک لباس اتارا کہ تمہاری شرم کی اشیا چھپائے اور ایک وہ کہ تمہاری آرائش ہو اور پرہیز گاری کا لباس وہ سب سے بھلا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ کہیں وہ نصیحت پکڑیں۔

عزیزانِ گرامی! آج کی موجودہ روش کو دیکھ کر دل نے مجبور کیا کہ اس کو لباس کے بارے میں مخصوص کر دیا جائے۔ سو ہم نے ارادہ کیا ہے کہ لباس کے بارے میں کچھ ضروری اور عام فہم آداب و مسائل عرض کر دیں۔ ویسے بائی دی وے اپنے طور پر آپ لباس کے بارے میں آداب و مسائل سے واقف ہیں۔ کیا فرمایا؟! آپ نہیں جانتے۔ افسوس کہ آپ نہیں جانتے۔ اگر کوئی غیر یہ کہتا تو قطعاً حیرت کا مقام نہیں تھا۔ مگر آپ تو امت مسلمہ کے رکن ہوتے ہوئے بھی نہیں جانتے۔ کس قدر افسوس اور حیرت کا مقام ہے۔ ارے آپ کے رخِ زیبا پر سرخی کیسی؟! اور وہ ہم سمجھ گئے۔ آپ کے رخِ زیبا پر یہ سرخی نہیں بلکہ احساس شرمندگی ہے۔ آپ کو علم نہیں تو کیا ہوا۔ شرمندہ ہونے کو چھوڑیے۔ بحرِ ندامت سے عمل کے ساحل پر تشریف لایئے اور آیئے ہم سب مل کر یہ عزم کرتے ہیں کہ اپنی بساط کے مطابق لباس کے بارے میں آداب مسائل جانیں گے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں گے۔ عزم ہو چکا تو آیئے تشریف لایئے ہم لباس کے بارے میں آداب و مسائل کو مدِ نظر کرتے ہیں۔ تاکہ ان پر عمل پیرا ہو سکیں اور اپنی نجات کے سامان کر سکیں۔

لباس کی ضرورت

خالق ارض و سما نے بے شمار مخلوقات پیدا فرمائیں اور تمام مخلوقات کے لباس روز ازل ہی سے ان کے وقت آخر تک بنادیے۔ مگر انسان کو چونکہ اللہ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اس لیے انسان کے لیے الگ سے لباس اتارا۔ اس کے دو مقاصد تھے۔ اول یہ کہ لباس سے اپنی ستر پوشی کرے اور دوسرا مقصود زیب و زینت ہے۔ الگ سے لباس اتارنے میں ایک حکمت یہ بھی پوشیدہ ہے کہ انسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات بنایا اور اسے نفع و نقصان کی تعلیم دی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عقل و شعور سے نوازا۔ پس اس عقل و شعور کی بنا پر انسان اپنے لباس کی حالت ملاحظہ کرسکتا ہے۔ مثلاً بہت زیادہ پھٹ جائے تو نیا لاسکتا ہے۔ گندا ہوجائے تو دھوسکتا ہے۔ جبکہ جملہ جانور ایسا نہیں کرسکتے کیونکہ ان کی دنیا کا نظام انسانوں کی دنیا کے نظام سے الگ ہے۔ بالفرض محال اگر وہ الگ سے لباس رکھتے اور لباس پھٹ جاتا تو وہ نیا لباس کہاں سے لاتے؟ اور کیسے لاتے؟ جب کہ انسان بازار سے پیسے دے کر نیا لباس خرید لاتا ہے۔ پس اس وجہ سے اللہ نے انسان کو ماں کے پیٹ سے برہنہ پیدا فرمایا اور الگ سے لباس اتارا۔

اللہ تعالیٰ سورۂ اعراف میں ارشاد فرماتا ہے: یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَیْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ۔

ترجمہ: اے آدم کی اولاد بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک لباس اتارا کہ تمہاری شرم کی اشیا چھپائے اور ایک وہ کہ تمہاری آرائش ہو اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بھلا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ کہیں وہ نصیحت پکڑیں۔

لباس پہننے کی صورتیں

لباس کی مختلف صورتیں ہیں:

فرض: لباس جس سے ستر عورت ہو اور جو سردی و گرمی کی تکلیف سے بچائے۔ اس قدر لباس پہننا فرض ہے۔

مستحب: ستر عورت ہوجانے اور سردی گرمی کی تکلیف برداشت کرنے سے زائد لباس پہننا

مستحب ہے۔ بشرطیکہ زائد لباس سے آرائش و زیبائش مقصود ہو۔

ممنوع: مندرجہ بالا دونوں صورتوں سے زائد لباس زیب تن کرنا جس سے اسراف اور غرور ظاہر ہو ممنوع ہے۔

اچھا کپڑا پہننا

جس کپڑے سے لباس بنایا گیا ہو، وہ کپڑا اچھا ہونا چاہیے۔ مگر اچھے کپڑے کے انتخاب میں انسان کو اپنی حد، حیثیت اور بساط سے آگے نہیں گزرنا چاہیے۔ بس اللہ تعالیٰ کی نعمت جس قدر ہو، اسی قدر انتخاب ہونا چاہیے۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ اَنْ یُّرٰى اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:375، ترمذی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی نعمت کا اثر بندہ پر ظاہر ہو۔

مزید یہ ہے کہ ایک بار ابوالاحوص کے والد گرامی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالیہ میں حاضر ہوئے۔ کچھ اس عالم میں کہ جو لباس زیب تن کیے ہوئے تھے، وہ ادنیٰ کپڑے کا تھا۔ ان کو اس عالم میں دیکھ کر ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا۔ کیا تمہارے پاس مال نہیں ہے۔ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی عنایت ہے کہ اس نے مجھے مال دے رکھا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ کس قسم کا مال ہے۔ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی عنایت سے میرے پاس ہر قسم کا مال ہے۔ اونٹ، گائے، بکریاں، گھوڑے، غلام۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے اور تم پر اس کی عنایت ہے۔ تو پھر اس عنایت کا اثر تم پر دکھائی دینا چاہیے۔

لباس صاف ستھرا ہو

پہلی بات تو یہ تھی لباس کے لیے کپڑا اچھا ہونا چاہیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ لباس صاف ستھرا ہونا چاہیے گندا نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ صفائی میں خدائی ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے پیارے

رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کا حکم دیا ہے:

اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَائِرًا فَرَاٰی رَجُلًا شَعِثًا قَدْ تَفَرَّقَ شَعْرُہٗ فَقَالَ مَا کَانَ یَجِدُ ھٰذَا مَا یُسَکِّنُ بِہٖ رَاْسَہٗ وَرَاٰی رَجُلًا عَلَیْہِ ثِیَابٌ وَسِخَۃٌ فَقَالَ مَا کَانَ یَجِدُ ھٰذَا مَا یُغْسِلُ بِہٖ ثَوْبَہٗ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:375، احمد، نسائی)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ہمارے پاس تشریف لائے۔ ایک شخص کو پراگندہ سر دیکھا۔ جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ فرمایا اس کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے بالوں کو اکٹھا کرے۔ اور دوسرے شخص کو دیکھا میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ فرمایا کہ کیا اس کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے کپڑے دھولے۔

متکبرانہ لباس نہ پہنیے

لباس کی مختلف صورتیں بیان کی جاچکی ہیں۔ جن میں سے ایک صورت تو یہ ہے کہ ستر عورت ہوجائے اور سردی گرمی یا دیگر موسمی اثرات کا دفاع بھی ہوجائے۔ یہ صورت فرض ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ لباس سے زینت مقصود ہو۔ یہ صورت مستحب ہے اور لباس پہننے کی تیسری صورت ممنوع ہے۔ ایسا لباس جو انسان کو متکبر بنادے۔ یعنی جس کو پہن کر انسان غرور میں آجائے ممنوع ہے۔

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَتَصَدَّقُوْا وَالْبِسُوْا مَالَمْ یُخَالِطْ اِسْرَافٌ وَلَا مَخِیْلَۃٌ۔ (احمد، نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ، صفحہ:377)

ترجمہ: کھاؤ، پیو، صدقہ کرو اور پہنو، جب تک کہ اسراف اور تکبر کی آمیزش نہ ہو۔

مزید ایک اور حدیث بھی درج ہے، ملاحظہ فرمائیں: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کُلْ مَاشِئْتَ وَالْبَسْ مَاشِئْتَ اَخْطَاَتْکَ اثْنَتَانِ سَرَفٌ وَمَخِیْلَۃٌ۔

ترجمہ: سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جو چاہے کھاؤ، جو چاہے پہنو جب تک کہ یہ دو باتیں نہ ہوں: ایک اسراف اور دوسرا تکبر۔

عزیزان گرامی! مندرجہ بالا دونوں احادیث مبارکہ میں دو چیزوں کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ ایک تکبر دوسرے اسراف۔ تکبر کے بارے میں تو آپ پورا وعظ زیر نظر فرما چکے ہیں۔ رہی اسراف کی بات تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ اسراف اس کو کہتے ہیں جس میں ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے۔ اور ضرورت سے زیادہ بناؤ سنگھار کیا جائے۔ مثلاً اگر کوئی شخص بہت

صاحب مال و زر ہے اور وہ بجائے بیس چالیس، پچاس یا سو روپے گز کے کپڑے کے دو سو چار سو روپے گز کا کپڑا زیب تن کرے تو یہ اسراف ہوگا۔

بغرض شہرت کپڑا پہننا وبال ہے

بغرض خودنمائی لباس پہننا لباس شہرت کہلاتا ہے، یعنی اگر کوئی شخص کسی محفل میں جائے اور ایسا لباس پہن کر جائے جو سب سے انوکھا اور ممتاز ہو، یا اگر کوئی شخص صاحب علم نہیں مگر عالموں جیسا لباس زیب تن کرے یا لڑکا ہو کر لڑکی کا لباس پہنے تاکہ لوگ اسے نمایاں سمجھیں۔ الغرض ایسا لباس جس سے خودنمائی مقصود ہو، لباس شہرت کہلاتا ہے۔ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق ایسا لباس ذلت و رسوائی کا باعث ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد ہے: مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُھْرَۃٍ فِی الدُّنْیَا اَلْبَسَہُ اللّٰہُ ثَوْبَ مَذَلَّۃٍ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:375، ابن ماجہ، ابوداؤد، امام احمد)

ترجمہ: جو شخص دنیا میں شہرت کا کپڑا پہنے روز محشر اللہ تعالیٰ اس کو ذلت کا کپڑا پہنائے گا۔

کپڑا نیچے گھسیٹنا برا ہے

ہمارے معاشرے میں ایسے افراد کثرت سے پائے جاتے ہیں جو زیریں بدن کے کپڑے اس قدر لٹکا لیتے ہیں کہ وہ زمین سے رگڑ کھاتا رہتا ہے۔ ایسا کرنا بہت برا ہے۔ ایک تو اس سے یہ ہوتا ہے کہ زمین کے ساتھ رگڑ کھانے کے باعث کپڑا ناکارہ ہوجاتا ہے اور دوسرے یہ کہ ایسا کرنا تکبر کی نشانی ہے۔ اور تیسرے یہ کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اس بات کی سچائی کے لیے آپ کو حضور کی دو احادیث مبارکہ ایسی پیش کی جارہی ہیں جو مشکوٰۃ، صفحہ:373 پر مرقوم ہیں اور جن کو امام بخاری نے روایت کیا ہے:

پہلی حدیث: مَا اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ مِنَ الْاِزَارِ فِی النَّارِ۔

ترجمہ: ٹخنوں کے نیچے تہبند کا جو حصہ ہے وہ آگ میں ہے۔

دوسری حدیث: بَیْنَمَا رَجُلٌ یَجُرُّ اِزَارَہٗ مِنْ خُیَلَاءَ خُسِفَ بِہٖ فَھُوَ یَتَجَلْجَلُ فِی الْاَرْضِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔

ترجمہ: ایک شخص اترانے کے طور پر تہبند گھسیٹ رہا تھا۔ زمین میں دھنسا دیا گیا اب قیامت تک زمین میں ہی دھنستا چلا جائے گا۔

مشکوٰۃ کی ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں:

لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِلٰی مَنْ جَرَّ اِزَارَہٗ بَطَرًا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: جو شخص تکبر کے طور پر تہبند گھسیٹے گا۔ روز قیامت اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔

رنگین کپڑوں کے بارے میں

رنگوں کی کئی اقسام ہیں مثلاً سبز، سرخ، زرد، جامنی یا نیلا، سفید وغیرہ۔

سبز کپڑے پہننا

مشکوٰۃ، صفحہ: 376 پر درج ذیل تحریر مرقوم ہے:

اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْہِ ثَوْبَانِ اَخْضَرَانِ۔

ترجمہ: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سبز کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

سرخ اور زرد کپڑے

کسم یا زعفران سے رنگا ہوا کپڑا مرد کے لیے ناجائز ہے اور عورت کے لیے جائز واضح رہے کہ کسم یا زعفران سے کپڑا رنگا جائے تو دو رنگ اختیار کرتا ہے۔ اگر گہرا رنگا جائے تو سرخ بن جاتا ہے اور اگر ہلکا رنگا جائے تو زرد بن جاتا ہے۔ یہ دونوں رنگ مرد کے لیے ممنوع اور عورت کے لیے جائز ہیں۔ اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارکہ ملاحظہ فرمائیے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ وَعَلَیْہِ ثَوْبَانِ اَحْمَرَانِ فَسَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیْہِ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ: 375، ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص

سرخ کپڑے پہنے گزرا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ نے جواب نہیں دیا۔

جامنی یا نیلا کپڑا

سرخ اور زرد رنگ کی طرح نیلا یا جامنی کپڑا بھی ممنوع ہے۔

سیاہ کپڑا

سیاہ رنگ کا عمامہ استعمال کرنا چاہیے۔ در مختار میں ہے کہ جس وقت ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے وقت مکہ میں تشریف لائے تو سر اقدس سیاہ عمامہ میں ملفوف تھا۔

سیاہ رنگ عمامے کے علاوہ سیاہ رنگ کا لباس نہیں پہننا چاہیے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی عزیز ہستی رہ گزین عالم جاوداں ہو جائے تو بھی اس کے ہجر میں، افسوس میں اور اظہار غم کے لیے سیاہ کپڑا پہننا ناجائز ہے۔ عالمگیری میں مرقوم ہے کہ جس کے یہاں میت ہوئی ہو۔ اسے اظہار غم میں سیاہ کپڑے پہننا ناجائز ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی کا قول: سیاہ کپڑوں کی طرح سیاہ بلے لگانا بھی منع ہے۔ اولاً اس لیے کہ نشان سوگ ہے، دوم اس لیے کہ طریقہ نصاریٰ ہے۔ ایام محرم جو کہ پہلی سے بارہ تک ہیں میں درج ذیل تین قسم کے رنگ نہ پہنے جائیں۔

1- **سیاہ:** یہ رافضیوں کا طریقہ ہے۔

2- **سبز:** یہ مبتدعین یعنی تعزیہ داروں کا طریقہ ہے۔

3- **سرخ:** یہ خارجیوں کا طریقہ ہے اور نعوذ باللہ وہ اسے اظہار مسرت کے لیے پہنتے ہیں۔

سفید رنگ کپڑے

سفید رنگ کے کپڑے دیگر تمام کپڑوں کے بادشاہ ہیں۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

اَلْبَسُوا الثِّیَابَ الْبِیْضَ فَاِنَّہَا اَطْہَرُ وَاَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْہَا مَوْتَاکُمْ۔

(مشکوٰۃ، صفحہ: 376، احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

ترجمہ: سفید کپڑے پہنو، کیوں کہ وہ زیادہ صاف اور پاکیزہ ہیں اور ان ہی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔

ردمختار میں ہے کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سب میں اچھے وہ کپڑے ہیں جن کو پہن کر تم اللہ تعالیٰ کی زیارت قبروں اور مسجدوں میں کرو، سفید ہیں۔ یعنی سفید لباس زیب تن کر کے نماز پڑھنا اور مردوں کو سفید کفن دینا اچھا ہے۔

باریک کپڑوں کی ممانعت: اشرف المخلوقات مرد یا عورت ہر دو فریق کے لیے باریک کپڑے پہننے کی سخت ممانعت ہے۔ اشرف المخلوقات کے پہلے فریق یعنی مرد حضرات کے لیے باریک کپڑے پہننا اس لحاظ سے منع ہے کہ یہ بے حیائی ہے اور دوسرے یہ کہ باریک لباس سے ستر عورت مکمل نہیں ہوتا۔ ستر عورت کرنا جبکہ فرض ہے اور اگر فرض کی ادائیگی نہ کی جائے گی تو انجام سوائے ہلاکت کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس لیے مرد کے لیے باریک لباس زیب تن کرنا منع ہے۔ خصوصاً زیریں بدن کا لباس تو بالکل باریک نہیں ہونا چاہیے۔ باقی رہ گئی بات اشرف المخلوقات کے دوسرے فریق عورت کی۔ تو عورت کے لیے باریک کپڑا پہننا سخت ممنوع ہے۔ کیونکہ عورت سرتاپا عورت ہوتی ہے اور عورت کے لیے اپنے بدن کو ڈھانپنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ اب اگر عورتوں کی طرف سے اور مردوں کی طرف سے اس فرض کی ادائیگی نہ کی جائے اور ہر دو فریق باریک لباس زیب تن کریں۔ جس سے بدن کی رنگت چھلک چھلک پڑے تو پھر ہر دو فریق کا گم کردہ راہ ہو جانا لازمی امر ہے۔ کیونکہ آج کے دور میں خال خال لوگ ملیں گے جو جوانی دیوانی کے منہ زور جذبوں کو لگام دے سکتے ہیں۔ اور جو ذکر خدا کی بھٹی میں خواہشات نفسانی کو جلا سکتے ہیں۔

لہٰذا اس صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے باریک لباس پہننے کی ممانعت فرمائی ہے۔

عزیزان گرامی! اب آپ کی خدمت میں مشکوٰۃ، صفحہ:377 کی دو احادیث پیش کرتے ہیں، ان میں سے پہلی کے راوی ابوداؤد ہیں اور دوسری کے راوی امام مالک ہیں:

پہلی روایت: عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ اَبِيْ بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَقَالَ يَا اَسْمَاءُ اِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيْضَ لَنْ يَّصْلُحَ اَنْ يُّرٰى

مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰى وَجْهِهٖ وَكَفَّيْهِ۔

ترجمہ: اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتی ہیں کہ حضرت اسما باریک کپڑے پہن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ اے اسما! جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے بدن کا کوئی حصہ دکھائی نہ دینا چاہیے سوائے منہ اور ہتھیلیوں کے۔

دوسری روایت: عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ اَبِيْ عَلْقَمَةَ عَنْ اُمِّهٖ قَالَتْ دَخَلَتْ حَفْصَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَلٰى عَائِشَةَ وَعَلَيْهَا خِمَارٌ رَقِيْقٌ فَشَقَّتْهُ عَائِشَةُ وَكَسَتْهَا خِمَارًا كَثِيْفًا۔

ترجمہ: علقمہ ابن ابوعلقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ماں سے روایت کرتے ہیں کہ سیدہ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا، سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس باریک دوپٹہ پہن کر گئیں، تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کا دوپٹہ پھاڑ دیا اور ان کو موٹا کپڑا اپہنا دیا۔

ریشمی کپڑا حرام ہے

ریشمی کپڑے اشرف المخلوقات کے اولین فریق مرد کے لیے حرام ہیں مگر فریق ثانی عورت کے لیے حلال اور جائز ہیں، مگر ہاں! فریق اول مرد کے لیے بوقت رزم گاہ حق و باطل ریشمی کپڑے جائز ہیں۔ لیکن ہاں پورے ریشم کے کپڑے جائز نہیں بلکہ صرف اس قدر کہ ان کا تانا سوت کا ہو اور بانا ریشم کا ہو اور بانا سوت کا جائز ہے۔ اس میں مجاہد وغیرہ مجاہد کی کوئی تخصیص نہیں۔ مزید یہ کہ ان لڑکوں کو ریشمی کپڑے پہننا حرام ہیں جو نابالغ ہوں اور ریشمی کپڑے پہنانے کا گناہ پہنانے والے پر ہوگا۔ (ہدایہ، عالمگیری)

ریشمی کپڑے کی ممانعت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو احادیث مبارکہ پیش کی جا رہی ہیں، یہ دونوں احادیث متفق علیہ ہیں اور ان کو مشکوٰۃ، صفحہ:373 سے لیا گیا ہے:

پہلی حدیث: مَنْ لَبِسَ الْحَرِيْرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْاٰخِرَةِ۔

ترجمہ: جو شخص دنیا میں ریشم پہنے گا وہ آخرت میں نہیں پہنے گا۔

دوسری حدیث: مَنْ لَبِسَ الْحَرِيْرَ فِي الدُّنْيَا فَلَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ۔

ترجمہ: جو دنیا میں ریشم پہنے گا، اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

دو احادیث مبارکہ پیش کرنے کے بعد ریشمی کپڑے کی ممانعت کے بارے میں مزید دو روایات پیش کی جا رہی ہیں۔ پہلی روایت صحیح مسلم اور صحیح بخاری سے ہے جب کہ دوسری روایت صحیح مسلم میں سے ہے۔ یہ دونوں روایات مشکوٰۃ، صفحہ: 374 پر مرقوم ہے:

پہلی روایت: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے کی ممانعت فرمائی ہے، مگر اس قدر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انگلیاں کلمہ اور بیچ والی انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرمایا۔

دوسری روایت: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے کی ممانعت فرمائی۔ مگر دو تین یا چار انگلیوں کے برابر یعنی اگر کسی کپڑے میں ریشم لگانا چاہیں تو چار انگل جس کو چپہ بولتے ہیں، اس کے برابر لگا سکتے ہیں۔

دو احادیث مبارکہ اور دو روایات بیان کرنے کے بعد اس وقت یہاں دو مسائل عرض کیے جا رہے ہیں۔ پہلا مسئلہ در مختار سے ہے اور دوسرا مسئلہ رد المحتار سے ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

پہلا مسئلہ: فریق اول مردوں کے لباس میں ریشم کا استعمال صرف اس قدر جائز ہے کہ چار انگل کی چوڑائی سے بڑھنے نہ پائے۔ اگر اس سے بڑھ جائے تو یہ ناجائز ہو جائے گا۔ جبکہ لمبائی کی کوئی قید نہیں۔ عمامے، چادر یا تہہ بند کے کنارے عموماً ریشم کے بنے ہوئے ہوتے ہیں اس کے بارے میں یہی حکم ہے کہ اگر چوڑائی چار انگل کے برابر ہو تو جائز، اگر بڑھ جائے تو ناجائز ہے۔

دوسرا مسئلہ: دوسرا بڑا اہم مسئلہ یہ ہے کہ ناک وغیرہ پونچھنے یا وضو کے بعد منہ ہاتھ صاف کرنے کے لیے ریشمی رومال رکھنا جائز ہے۔ پرسنل ڈیکوریشن یا تکبر کی خاطر ریشمی رومال رکھنا جائز ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ملاحظہ فرمائیے، اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور مشکوٰۃ، صفحہ: 375 پر مرقوم ہے: يَا عَائِشَةُ إِنْ أَرَدْتِ اللُّحُوقَ بِي فَلْيَكْفِيكِ مِنَ الدُّنْيَا كَزَادِ الرَّاكِبِ وَإِيَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الْأَغْنِيَاءِ وَلَا تَسْتَخْلِقِي ثَوْبًا حَتّٰى تُرَقِّعِيْهِ۔

ترجمہ: اے عائشہ! اگر تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو دنیا میں اتنے پر ہی بس کرو جتنا کہ سوار کے پاس توشہ ہوتا ہے اور مالداروں کے پاس بیٹھنے سے بچو اور کپڑے کو پرانا نہ جانو جب تک کہ پیوند نہ لگا لو۔

یعنی پیوند لگے ہوئے کپڑے پہننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور سنت ہے۔

لباس میں عورت سے مشابہت

اشرف المخلوقات کے ہر دو فریق عورت اور مرد آج کل ایک عجیب لعنت میں گرفتار ہیں۔ وہ یوں کہ مرد اور عورت لباس میں ایک دوسرے کی مشابہت کر رہے ہیں۔ یورپ اور دیگر مغربی تہذیب میں تو یوں ہوتا ہے کہ عورتیں مردوں کے لباس پہنتی ہیں۔ مگر مرد حضرات بھی عورتوں جیسا لباس پہننے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اسلامیات کی رو سے یہ ناجائز ہے۔ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی۔

اس بارے میں دو روایات پیش کی جا رہی ہیں جن کو ابوداؤد نے بیان کیا ہے۔

پہلی روایت: سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں سے مشابہت کریں اور ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں سے تشبیہ کریں۔

دوسری روایت: دوسری روایت صاف اور واضح اور حقیقت کو روز روشن کرنے والی روایت ہے ملاحظہ کریں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی جو عورت کا لباس پہنے اور ایسی عورت پر لعنت فرمائی جو مردانہ لباس پہنے۔ ان واضح روایات کے باوجود اگر ہماری آنکھیں بند رہیں تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم کرے، اس کے سوا کہہ بھی کیا سکتے ہیں۔

دائیں جانب سے پہننا چاہیے

سنن ترمذی میں ہے کہ کپڑا پہنتے وقت دائیں کی طرف سے پہننا چاہیے، کیوں کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی قمیص پہنتے تو داہنی جانب سے ابتدا فرماتے تھے۔

لباس میں کفار کی مشابہت سے بچنا چاہیے

اسلام ایک منفرد اور جداگانہ طرز حیات کا حامل ہے۔ اس کی تعلیمات بھی دیگر مذاہب سے منفرد اور جداگانہ ہیں۔ کفار وفساق کی تعلیم کے مطابق ہمارے اسلام کی تعلیم میں کپڑے بنوانا یا پہننا منع ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو اللہ اس کے حال پر رحم فرمائے اور اسے سیدھی راہ دکھلائے۔

ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود ونصاریٰ کی نقل کرنے والوں کے بارے میں فرمایا: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: جو شخص جس قوم سے تشبیہ کرے وہ ان ہی میں سے ہے۔

نیا کپڑا پہننے کی دعا

اسلام نے ہمارے لیے قدم قدم پر خیر وبرکات کے خزانے کھولے ہیں اور ہر کام کی ابتدا میں کوئی نہ کوئی دعا مقرر کردی ہے۔ تاکہ امت محمدیہ ان کے فیوض وبرکات سے استفادہ حاصل کرسکے۔ اس طرح لباس اگر نیا ہو تو بھی ہمیں دعا پڑھنا چاہیے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیا کپڑا پہنتے تو پہلے نام لیتے، عمامہ، قمیص، یا تہبند پھر یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ اَسْئَلُكَ خَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ۔ (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: یا اللہ! تجھے حمد ہے جیسا کہ تو نے لباس پہنایا ہے۔ ویسے ہی میں اس کی بھلائی چاہتا ہوں اور اس چیز کی بھلائی طلب کرتا ہوں جو اس کے لیے بنائی گئی ہے اور ویسے ہی میں اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور پناہ اس سے جو اس کے لیے بنائی گئی ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 375 پر مرقوم ہے کہ ابوداؤد نے سیدنا حضرت معاذ ابن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نیا کپڑا پہنے اور یہ دعا پڑھے۔ تو اس کے اگلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ۔

مسند احمد میں ہے کہ مولائے کل علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین درہم کی مالیت سے نیا کپڑا خریدا اور پہنتے وقت یہ دعا پڑھی:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ رَزَقَنِيْ مِنَ الرِّيَاشِ مَا اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِي النَّاسِ وَاُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ۔

پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سنا ہے۔

ترمذی اور ابن ماجہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار نیا کپڑا خریدا اور پہنتے وقت یہ دعا پڑھی:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ مَا اُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِيْ حَيَاتِيْ۔

پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو کوئی نیا کپڑا پہنتے وقت یہ دعا پڑھے اور پرانے کو صدقہ کردے تو وہ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی اللہ کی حفاظت میں ہوگا۔

سبحان اللہ! قربان جائیے ہزاروں لاکھوں جانوں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کے طفیل ہمیں اسلام جیسا پر لطف اور پر سہل مذہب ودین ملا۔ اور لاکھ لاکھ شکر کرو احسان اللہ کی ذات بابرکات جس نے ہمیں اپنی رحمتوں سے نوازا اور امت محمدیہ کا رکن ہونے کی سعادت بخشی۔ اسی سے دعا ہے کہ وہ گم کردہ منزل ہونے سے بچائے اور اپنے فضل سے ہمیں راہ اسلامیات پر چلنے کی توفیق بخشے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

اٹھائیسواں وعظ

عیب جوئی

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔
وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ۔

عزیزانِ گرامی! اس رنگارنگ دنیا میں ازل سے لے کر آج تک ہزاروں برائیاں عالم ارتکاب میں لائی گئیں۔ اپنی اپنی جگہ پر سب برائیاں بدبختی وشقاوت کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔ اور آج سے لے کر آخر تک جس برائی نے سب سے زیادہ گل کھلائے ہیں اور آخر تک جو برائی سب سے زیادہ گل کھلائے گی وہ روح فرسا برائی عیب جوئی یا چغل خوری ہے۔ جس کو غیبت کہتے ہیں۔ ازل سے لے کر آج تک یہ برائی بین الاقوامی برائی رہی ہے۔ اور شان وشوکت کی حامل قومیں اس کے باعث ہلاک ہوئیں۔ اسی برائی کا زہر رگوں میں خون کی گردش کے ساتھ رواں دواں ہے۔ آج آپ اور ہم جس معاشرہ میں رہ رہے ہیں، اس معاشرے پر اس برائی کے ہولناک اور مہیب اندھیرے چھائے ہوئے ہیں۔ اور ہم آنکھیں بند کیے اس اندھیرے میں یوں چلے آرہے ہیں جیسے یہ اندھیرے نہیں بلکہ کاروانِ حیات کے قدموں کی وقتی دھول ہے۔ جو ذرا سی تیز ہوا سے از خود دور ہوجائے گی مگر خدا کی قسم یہ ہماری خام خیالی ہے۔ واللہ یہ دھول نہیں گھپ اندھیرے ہیں۔ جن میں اگر ہم نے اپنے کردار واخلاص کے دیپ روشن نہ کیے تو پھر پتہ کیا ہوگا؟ ہوگا یہ کہ ہم نے ان اندھیروں میں جو سفر شروع کر رکھا ہے، اس کا انجام عنقریب بہت جلد تباہی وبربادی کی صورت میں سامنے آجائے گا اور ہمیں پچھتانے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ اس وقت کوئی آنکھ ہمارے لیے پرنم نہیں ہوگی، کوئی دل ہمارے انجام پر افسردہ نہیں ہوگا اور کسی لب سے ہمارے لیے دعائے خیر نہیں نکلے گی۔ اور کوئی ہاتھ ایسا نہ ہوگا جو بارگاہِ الٰہی میں ہمارے لیے

اٹھے۔ ابھی وقت ہے سنبھلنا ہے تو ہمیں سنبھل جانا چاہیے۔ ورنہ

تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

تاریخ کے صفحات سے ہمارا نام کاٹ دیا جائے اور اغیار ہماری مثالیں بطور عبرت ایک دوسرے کے سامنے پیش کیا کریں گے۔ لہٰذا وقت کی اہم ترین پکار اور شدید ترین تقاضا یہی ہے کہ ہم عیب جوئی کرنے سے سچی توبہ کریں اور متحد ہو کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوجائیں۔

چغل خوری کیا ہے

مقام صد افسوس ہے کہ ہمارے بہت سے دینی بھائی محض اس وجہ سے چغل خوری کے شکار ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ چغل خوری کیا ہے؟ سب سے پہلے ہم آپ کو یہی بتلاتے ہیں کہ چغل خوری دراصل ہے کیا؟

چغل خوری دراصل اس چیز کا نام ہے کہ کسی بھی فرد کے کسی بھی عیب کا اس کی موجودگی یا غیر موجودگی میں پرچار کیا جائے۔

یہ چیز بھی چغل خوری ہے کہ کسی کی رازکی بات کسی دوسرے کو بتلانا اور دونوں میں ناچاقی کروادینا۔ خواہ ناچاقی قول سے کرائی جائے یا فعل سے۔ خالق کائنات نے چغل خوری کی مذمت کرتے ہوئے تیسویں پارہ کی سورہ ہمزہ میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ۔ ہر عیب جو اور چغل خور کے لیے ہلاکت ہے۔

ویل کیا ہے

ویل کے معانی تباہی وبربادی اور ہلاکت کے ہیں۔ جہنم کی ایک سخت ترین وادی کا نام بھی ویل ہے۔ اور ہمارے یہاں جب خوشی کے مواقعوں پر خواجہ سراؤں کو نچا کر جو روپے لٹاتے ہیں اور وہ بہ آواز بلند پکارتے ہیں۔ ''ویل، ویل منڈے دے چاچے دے ناں دی ویل'' تو اس ویل کے معانی بھی تباہی وبربادی کے ہیں۔

ہمزہ کی تفسیر: مفسرین کرام کے نزدیک ہمزہ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو منھ در منھ غیبت کرے، اور بعض مفسرین کے نزدیک کسی کی برائی کی طرف اشارہ کرنا ہمزہ کہلاتا ہے۔

لمزہ کی تفسیر: بعض مفسرین کا قول ہے کہ لمزہ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو پیٹھ پیچھے برائی کرے۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک لمزہ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو زبان سے برائی کرے۔

ھمزہ لمزہ کی تفسیر: سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمزہ لمزہ وہ ایسے لوگوں کو کہتے ہیں جو لوگوں کی چغلیاں کھا کر ان میں تفرقہ کرا دیتے ہیں۔
(نزہۃ المجالس، جلد اول، صفحہ:123)

اس تفسیر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی کے منہ پر اس کا عیب بیان کرنا یا اس کی پیٹھ پیچھے برائی بیان کرنا، کسی کی برائی کی طرف اشارہ کرنا اور زبان سے برائی بیان کرنا۔ ان میں سے ہر ایک پارٹ ادا کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

چغل خور کی مذمت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَتَّاتٌ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔

دوسرا ارشاد مبارک جو پیش کیا جا رہا ہے وہ مشکوۃ، صفحہ:411 پر مرقوم ہے اور اس کو بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے:

تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ذَا الْوَجْھَیْنِ الَّذِیْ یَاْتِیْ ھٰؤُلَاءِ بِوَجْہٍ۔

ترجمہ: سب سے زیادہ برا قیامت کے دن اس کو پاؤ گے کہ جو ذو الوجہین ہو، یعنی دو رخا آدمی، ان میں ایک منھ سے آتا ہے اور ان کے پاس دوسرے منھ سے آتا ہے۔

دوسرا ارشاد مبارک مشکوۃ، صفحہ:413 پر درج ہے اور اس کو دارمی نے بھی روایت کیا ہے:

مَنْ کَانَ ذَا الْوَجْھَیْنِ فِی الدُّنْیَا کَانَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ لِسَانَانِ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ: جو شخص دنیا میں دو رخا ہوگا قیامت کے روز آگ کی زبان اس کے لیے ہوگی۔

اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اس کے لیے آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔

چوتھا ارشاد مبارک بیہقی کی روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نیک بندے وہ ہیں جو دیکھیں جائیں تو اللہ یاد آئے، اور برے بندے اللہ کے وہ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں، دوستوں

میں جدائی ڈالتے ہیں اور جو شخص جرم سے بری ہیں، اس پر تکلیف ڈالنا چاہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشادات عالیہ سے یہ بات بالکل صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ چغل خور دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بہت برا ہے اور بیحد خطرناک ہے۔

نزہۃ المجالس، جلد اول، صفحہ:137 پر درج ہے کہ سیدنا حضرت یحییٰ بن اکثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چغل خور جادوگر سے زیادہ شریر اور فسادی ہوتا ہے۔ کیونکہ چغل خور اس قدر بدبخت ہوتا ہے کہ جس کام کو جادوگر مہینوں میں نہیں کر پاتے۔ چغل خور ایک دن میں کر دیتا ہے۔ ایک شاعر نے غالباً ان ہی کے بارے میں کہا ہے۔

کام ہونا تھا جو مہینوں میں
تیری پہلی نظر نے کر دیا

چغل خوری زنا سے زیادہ موجب گناہ ہے

جلیس الناصحین، صفحہ:137 پر مرقوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت سے پرہیز کرو، کیوں کہ غیبت زنا سے زیادہ سخت گناہ ہے۔ اس لیے کہ زانی کا گناہ زنا سے توبہ کرنے پر معاف ہو جاتا ہے۔ مگر غیبت کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا، جب تک کہ اس شخص سے معاف نہ کرائے۔ جس کی غیبت کی گئی ہے۔

اسی صفحہ پر مزید مرقوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو اپنے ناخنوں سے اپنا منھ نوچتی تھی۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی غیبت کرتے تھے اور اپنے مفاد کی خاطر ان کو برا کہتے تھے۔

چغل خوری شیطانی سے بڑھ کر ہے

علم الیقین، صفحہ:188 پر مرقوم ہے کہ چغل خوری شیطانی حرکت سے بڑھ کر ہے، کیوں کہ شیطان کا عمل وسوسے اور خیال سے تعلق رکھتا ہے جب کہ چغل خور کا عیب منھ در منھ کھلا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابولہب کی بیوی کے بارے میں حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ فرمایا، یعنی لکڑیاں اٹھانے والی عورت ہے۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں لکڑیوں سے مراد نمیمہ یعنی چغل خوری ہے۔ جس طرح لکڑیوں کو

آگ لگ جاتی ہے۔ اسی طرح چغل خور سے برائی اور لڑائی کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

علم الیقین، صفحہ 167 پر مرقوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ساری زندگی ایک بار بھی کسی کی غیبت کی اس پر ۹ عذاب نازل ہوں گے:

1- رحمت الٰہی سے دور ہو جائے گا۔
2- کراماً کاتبین اس سے نفرت کریں گے۔
3- جانکنی کے وقت سخت تکلیف ہوگی۔
4- دوزخ کے قریب ہو جائے گا۔
5- عذاب قبر کی سختیاں اٹھائے گا۔
6- اس کے اعمال نیک ضائع ہو جائیں گے۔
7- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو تکلیف پہنچے گی۔
8- اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا۔
9- قیامت کے دن اعمال تولنے کے وقت وہ شخص مفلس ہوگا۔

علم الیقین صفحہ 169 پر حضرت علی سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت سے بچو۔ اس سے پانچ عذاب ہوتے ہیں:

1- اس کے چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے۔
2- اس کی دعا ہدف اجابت سے ہمکنار نہیں ہوتی۔
3- اس کی عبادت اس کے منہ پر ماری جاتی ہے
4- قیامت کے دن اُس کا منہ اس کی پشت کی طرف ہوگا۔
5- وہ شخص فرعون و شداد کے ساتھ دوزخ میں رہے گا۔

غیبت شرک سے بالاتر ہے

مولانا کوثر نیازی صاحب اپنی کتاب بصیرت، صفحہ: 160 پر یوں رقم طراز ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت شرک سے بھی سخت ہے، کیوں کہ شرک کا گناہ توبہ سے معاف ہو جاتا ہے مگر غیبت اس وقت تک معاف نہیں ہوتی جب تک اس کو راضی نہ کر لیا جائے

جس کی غیبت کی گئی۔

غیبت کی اقسام

قرۃ الواعظین، جلد دوم، صفحہ: 241 پر غیبت کی چار اقسام بیان کی گئی ہیں:

1- **مباح:** بدعتی اور منافق کی غیبت مباح کہلاتی ہے۔
2- **معصیت:** جو شخص کسی کی غیبت جماعت میں بیٹھ کر کرے اور یہ جانتا ہو کہ یہ گناہ ہے تو یہ غیبت معصیت کہلاتی ہے۔
3- **نفاق:** کسی شخص کی غیبت کرنا اور نام نہ لینا۔ جبکہ مخاطب جانتا ہے کہ کس کے بارے میں بات ہو رہی ہے۔ یہ غیبتِ نفاق ہے۔
4- **کفر:** کسی شخص کی غیبت کرنا۔ اس پہ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ غیبت ہے، اس سے باز آجاؤ۔ تو بجائے باز رہنے کے یہ کہنا کہ یہ غیبت نہیں بلکہ سچ کہہ رہا ہوں۔ غیبت کی یہ حالت کفر کہلاتی ہے۔

غیبت چھ جگہوں پر جائز ہے

1- حکام بالا سے ظلم کی شکایت کرنا تا کہ وہ انسداد کر سکیں، اگر ذاتی دشمنی کارفرما ہو یا ذاتی غرض پوشیدہ ہو تو یہ ناجائز ہے۔
2- فساد دفع کرنے کی قدرت رکھنے والوں سے مفسدوں کی خبر کرنا۔
3- فتویٰ پوچھنے میں امر واقعی لکھ دینا۔ بہتر ہے کہ جس کی برائی کرنا ہے، اس کا نام نہ لکھے۔ زید، بکر یا عمر لکھ دے اگر نام بھی لکھ دے تو کوئی مضائقہ نہیں۔
4- خریدنے والے کو چیز کا عیب بتلا دینا۔
5- بیمار کی معالج کو اطلاع کرنا۔
6- فاسق علانیہ زنا کرنے والے اور شراب پینے والے کی مذمت کرنا تا کہ دوسرے متنبہ ہوں۔

بعض علما کا ہے کہ سلطان ظالم کے اعمال قبیح بیان کرنا درست ہے۔

(جلیس الناصحین، صفحہ: 125)

غیبت سننے پر ردعمل

علم الیقین، صفحہ: 151 پر درج ہے، فقیہ ابو اللیث کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے سے کسی کی چغلی کرے، تو تم پر چھ باتیں لازم ہیں:

اول یہ کہ اس شخص کو سچا نہ جانو، کیوں کہ وہ شخص چغل خور ہے اور شریعت میں اس کی گواہی نامقبول ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا۔

یعنی اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس خبر دینے والے کو خوب جانچ لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس جھوٹے کی باتوں میں آکر اپنی نادانی سے کسی قوم کو آزار دے بیٹھو۔

دوم یہ کہ اس شخص کو ایسی بری باتیں کرنے سے روکنا چاہیے اس لیے کہ بری باتوں سے روکنا، روکنے کی قدرت ہونے کی صورت میں واجب ہے۔

سوم یہ کہ ایسے شخص سے نفرت کرنا چاہیے۔ کیونکہ ایسا شخص خدا کا نافرمان ہے اور اللہ کے نافرمان سے محض خوشنودی خدا کے لیے بغض رکھنا واجب ہے۔

چہارم یہ کہ جس شخص کے بارے میں غیبت کی گئی ہے۔ صرف سن کر اس سے بدگماں نہ ہونا چاہیے، کیوں کہ مسلمان کی طرف گمانِ بد رکھنا حرام ہے۔

پنجم یہ کہ یہ زبانی برائی سن کر تم کو اس کی تحقیق کے درپے نہ ہونا چاہیے کیونکہ اس کا نام تجسس ہے اور تجسس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

ششم یہ کہ چغل خور کی زبان سے سن کر جس بات کو تم ناپسند کرتے ہو وہ بات زبان پر نہ لاؤ، کیوں کہ جب وہی بات تم دوسروں سے بیان کرو گے تو تم بھی چغل خور قرار دیے جاؤ گے۔

غیبت کا علاج

جلیس الناصحین، صفحہ: 125 پر مرقوم ہے کہ غیبت کا علاج یہ ہے کہ اپنے دل کو یہ بات اچھی طرح سے سمجھا دے کہ غیبت نیکیوں کو اس طرح مٹا دیتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو باور نہ کرنا کفر ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ غیبت

کرنے والے کی نیکیاں اس شخص کے نامۂ اعمال میں داخل کر دی جاتی ہیں جس کی غیبت کی جائے۔

غیبت کا کفارہ

غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ توبہ کرے، دل میں پشیمان ہو اور اس شخص سے معاف کرائے جس کی غیبت کی ہو۔ اور تواضع کرے اگر وہ زندہ نہ ہو اور مر گیا ہو تو اس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔ اگر عفو قصور چاہنے پر اور تواضع کرنے پر جس کی غیبت کی گئی ہے وہ معاف کر دے تو بہتر ہے۔ ورنہ غیبت کرنے والے کے یہ امور حسنہ ہوں۔ اور عین ممکن ہے کہ یہ تواضع اور امور حسنہ اس کی غیبت کا کفارہ بن جائیں۔ غیبت معاف کرنا اس طرح سے بہتر نہیں ہے کہ اس سے اپنے تمام قصور معاف کرائے بلکہ ایک ایک کر کے معاف کروائے۔

عزیزان گرامی! اب آپ کی خدمت گرامی میں چغل خوری کے بارے میں چند حکایات پیش کی جا رہی ہیں۔

پہلی حکایت: سب سے پہلے جو حکایت پیش کی جا رہی ہے وہ بڑی مشہور اور زبان زد عام حکایت ہے۔ یہ حکایت یہاں آپ کی خدمت میں کیمیائے سعادت، صفحہ: 394 اور نزہۃ المجالس، صفحہ: 124 اور علم الیقین، صفحہ: 189 کے حوالے سے پیش کی جا رہی ہے۔ اس حکایت کے راوی حماد بن سلمہ ہیں فرماتے ہیں کہ ایک بار کسی شخص نے ایک شخص کے ہاتھ غلام فروخت کیا اور خریدار سے کہا۔ اے بھائی! اس غلام کو اپنے گھر لے آیا۔ غلام چغل خور تھا، لہٰذا اس کے ذہن میں کوئی گل کھلانے کا کیڑا کلبلاتا رہا۔ چند دن تو اس نے اپنے مالک اور اس کے اہل وعیال کی عادات واطوار کا جائزہ لیا اور اہل خانہ کی کمزوریوں سے آگاہی حاصل کی اور اپنے منصوبے کے لیے حالات سازگار بنائے۔ اور ایک روز موقعہ پا کر غلام مالکن کے پاس گیا اور کہنے لگا۔ مالکن صاحبہ! میں نے اس گھر کا جائزہ لیا اور مجھے یہ جان کر از حد افسوس ہوا کہ آپ کے میاں آپ سے محبت نہیں رکھتے۔ بلکہ ان کا ارادہ تو یہ ہے کہ کسی خوبصورت لونڈی سے شادی کر کے پرلطف زندگی گزاریں۔ میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتا۔ میں آپ کا خیر خواہ ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ کے خاوند آپ کی طرف مائل رہیں۔ اگر آپ کہیں تو آپ کو ایسی ترکیب بتلاؤں جس سے خاوند

آپ کا والا وشیدا رہے۔ مالکن بولی بتلاؤ کیا ترکیب ہے۔ غلام بولا۔ ایسا کریں کہ آج شب کو جب آپ کے خاوند سو جائیں تو ایک تیز استرے سے ان کی داڑھی کے چند بال مونڈ لینا۔ بس باقی کام میں خود کرلوں گا۔ شکوک و بدگمانی کا بیج بو کر بھی اسے قرار نہ آیا۔ اب اسے اس بیج کی آبیاری کرنا تھا۔ اس مقصد کے لیے وہ میاں کے پاس گیا اور کہنے لگا حضور! آپ سارا دن محنت مزدوری کرتے ہیں۔ ذرا گھر کی خبر بھی رکھا کریں کہ وہاں وہ کیسے کیسے گل کھلا رہے ہیں۔ آج میں نے آپ کی بیوی کو دیکھا، اس عالم میں کہ وہ اپنے آشنا کے ساتھ محو اختلاط تھی۔ وہ دونوں شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔ اور آپ کی بیگم صاحبہ اس کے عشق میں اس حد تک فنا ہو چکی ہیں کہ آپ کو قتل کرنے کا ارادہ لیے ہوئی ہیں۔ اگر میری بات پہ یقین نہ آئے تو آج رات گھر جا کر آنکھیں بند کرکے یوں ہو جائیں جیسے سو رہے ہوں۔ آپ کو خود بخود میری بات کا یقین آجائے گا۔ مالک نے اس کی باتوں پر یقین کرلیا اور یہ بھول گیا کہ یہ شخص چغل خور ہے۔

بہر کیف! مالک نے ایسا ہی کیا اور گھر آ کر آنکھیں بند کرلیں جیسے سو رہا ہو، اس کی بیگم سمجھی کہ وہ سو رہا ہے، لہٰذا استرا لے کر بڑھی تا کہ داڑھی کے بال مونڈے مگر میاں سمجھا کہ عورت اسے قتل کرنے آرہی ہے وہ یکبارگی اٹھا اور بیگم کے ہاتھ سے استرا جھپٹ کر اسے قتل کر ڈالا۔ عورت کے ورثا کو اطلاع ملی۔ انہوں نے غصے اور جوش انتقام میں خاوند کو قتل کر ڈالا۔ خاوند کے ورثا کو اطلاع ملی وہ بیگم کے ورثا سے لڑائی کرنے لگے اور لڑائی میں دونوں فریقوں کے ایک سو آدمی مارے گئے۔ اور کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ یہ گل چغل خور نے کھلائے ہیں۔ اس کام کے انجام دینے میں ایک جادوگر کو شاید مہینے لگ جاتے۔ مگر اس چغل خور نے چند لمحوں میں یہ ہنگامہ برپا کر دیا۔

دوسری حکایت: یہاں دوسری حکایت پیش کی جارہی ہے۔ نزہۃ المجالس، صفحہ: 125 اور علم الیقین، صفحہ: 177 پر مرقوم ہے کہ ایک بار ایک شخص حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا سیدی! فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے۔ یہ سن کر حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کھجوروں کی ایک تھال بھر کر اس شخص کے پاس روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ مجھے خبر ملی ہے تو نے اپنے نامہ اعمال کی نیکیاں مجھے تحفتاً دی ہیں۔ اس کے بدلے میں میں اپنی بساط کے مطابق یہ حقیر سا تحفہ آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔

تیسری حکایت: غیبت، چغل خوری، عیب جوئی، نیمہ اور غمازی کے بارے میں تیسری حکایت جو آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، وہ کیمیائے سعادت، صفحہ: 394 اور علم الیقین، صفحہ: 189 پر مرقوم ہے کہ حضرت کعب بن احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بار جب کہ اللہ کے کلیم موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ تھا۔ ان کی قوم میں قحط سالی کا دور آگیا۔ قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گزارش کی۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو ساتھ لے کر اللہ کے حضور حاضر ہوئے اور باران رحمت کے لیے دعا مانگی۔ ان کی دعا ہدف اجابت کا سینہ چاک نہ کر سکی اور نتیجہ میں بارش نہ ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے عرض کی۔ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے؟ اللہ نے وحی نازل فرمائی۔ اے موسیٰ! (علیہ السلام) میں اس قوم کی دعا ہرگز قبول نہ کروں گا جس میں چغل خور موجود ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: الٰہی! ارشاد فرما کہ کون چغل خور ہے؟ تاکہ ہم اس کو اپنی قوم سے نکال دیں۔ اللہ نے فرمایا۔ اے موسیٰ! میں اپنے بندوں کو چغل خوری سے منع کرتا ہوں، لہٰذا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ میں خود چغل خور بن جاؤں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سن کر اپنی قوم کے پاس پہنچے اور سب کو چغل خوری سے توبہ کا حکم دیا۔ سب نے سچے دل سے توبہ کی۔ تب کہیں جا کر باران رحمت کا نزول ہوا اور قحط سالی سے نجات ملی۔

چوتھی حکایت: عمر بن عبدالعزیز اموی خاندان میں سے ایک نیک دل اور خدا ترس حکمراں گزرے ہیں۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے کسی کی چغلی آپ سے کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں غور کرتا ہوں کہ اگر تو نے جھوٹ کہا تو ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا۔

اور اگر تو نے سچ کہا تو ان لوگوں میں سے ہے جن کے لیے یہ آیت نازل ہوئی ہے:

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ۔

اب اگر تو چاہتا ہے کہ میں تجھے معاف کردوں تو تجھے چاہیے کہ توبہ کرلے۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ اے امیر المومنین! میں شرمندہ ہوں اور آئندہ کے لیے چغل خوری سے توبہ کرتا ہوں۔

پانچویں حکایت: ایک دانشور سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے تمہاری چغلی کی

ہے، دانشور نے کہا کہ اگر تو سچ کہہ رہا ہے تو تم نے تین خطاؤں کا ارتکاب کیا: اول یہ کہ دینی برادر پر تم مجھے غصہ دلائے۔ دوم یہ کہ تو نے مجھے تشویش میں ڈالا۔ سوم یہ کہ تم نے مجھ کو ایک ایسے فعل سے آگاہ کیا جس کے خود تم مرتکب ہوئے ہو۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ 394)

چھٹی حکایت: یہ حکایت جو پیش کی جارہی ہے عمر بن دینار سے یوں منقول ہے کہ ایک شخص اپنی بہن اور ماں کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہتا تھا۔ اتفاقاً بہن بیمار ہوگئی۔ بھائی اور ماں نے بہت تیمارداری کی، بڑی جتن مارے اور بہت علاج کروایا مگر آفاقہ نہ ہوا۔ ایک روز بالآخر اس کی شمع حیات گل ہوگئی۔ ماں اور بھائی نے تجہیز و تکفین کی اور منوں مٹی تلے دفن کرآئے۔ کچھ عرصہ بعد بھائی اور ماں کو پتہ چلا کہ بیٹی کی قبر میں روپوں کی تھیلی بھی رہ گئی ہے۔

بھائی نے اپنے ایک دوست سے کہا: میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ میری بہن کس عالم میں ہے لہٰذا تم ذرا پرے چلے جاؤ۔ پھر بھائی نے قبر کھودی۔ روپے اٹھائے اور اپنی بہن کا حال دیکھنے کے لیے لحد پر سے تختہ اٹھایا۔ دیکھا کہ قبر میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔

فوراً تختہ اوپر رکھ دیا اور واپس چلا آیا۔ گھر آکر اپنی ماں سے کہا۔ ماں مجھے میری بہن کے بارے میں بتلاؤ کہ وہ کس طرح زندگی گزارتی تھی۔ ماں نے کہا۔ تمہاری بہن کی شمع حیات گل ہوگئی۔ گل سے خوشبو جدا ہوگئی۔ اب اس کے بارے میں کیا پوچھتے ہو۔ کہا مجھے ضرور بتلاؤ۔ ماں نے کہا۔ سنو! تمہاری بہن نماز پڑھنے میں دیر کیا کرتی تھی۔ نماز میں پاکیزگی کا خیال نہیں رکھتی تھی اور رات کو ہمسایوں کے یہاں جاکر ادھر ادھر کی لگایا کرتی تھی۔ یعنی چغل خور تھی۔

(علم الیقین، صفحہ 190)

ساتویں حکایت: اب جو حکایت پیش کی جارہی ہے یہ بھی علم الیقین سے لی گئی ہے کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ طواف کعبہ میں مشغول تھے۔ دریں اثنا ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ یا حضرت! میری آپ سے ایک التجا ہے۔ فرمایا کہو۔ عرض کی جس وقت آپ شب کو اللہ سے مناجات کریں تو میری عرضداشت میرے خالق و مالک کے حضور پہنچادیں۔ اور عرض کردیں اے مالک بے نیاز! تیرا نیاز مند تجھ سے التجا کرتا ہے کہ میرے گناہ بخش دے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے پوچھا۔ اے نوجوان تو نے کون سا گناہ کیا ہے؟ جس کی وجہ

سے اتنا بے چین و بے قرار اور پریشان حال ہے۔ کہنے لگا۔ یا حضرت! مجھ سے بہت بڑا گناہ سرزد ہوا ہے۔ فرمایا کیا تیرا گناہ بڑا ہے یا عرش و کرسی۔ کہا میرا گناہ بہت بڑا ہے۔ دریافت کیا۔ کیا تیرا گناہ رحمت باری سے بھی بڑا ہے؟ یہ سن کر وہ شخص خاموش ہوگیا۔ دریافت کیا۔ اے نوجوان! بیان کر تو نے کون سا گناہ کیا ہے۔ کہنے لگا۔ میں نے ایک غیر محرم عورت سے زنا کیا ہے۔ عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: اے نوجوان! خاطر جمع رکھ۔ مجھ کو تیرے بیان سے کھٹکا تھا کہ کہیں تو نے کسی کی غیبت نہ کی ہو۔ اب اللہ سے رجوع کر اور صدق دل سے توبہ کر یقیناً اللہ تعالیٰ تیرا گناہ معاف کردے گا۔ (علم الیقین، صفحہ 168)

اسی صفحے پر یہ بھی مرقوم ہے کہ روز محشر ایک شخص بارگاہ الٰہی میں لایا جائے گا۔ نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں ہوگا۔ وہ کہے گا کہ یہ میرا نامۂ اعمال نہیں۔ کیوں کہ جو نیک اعمال میں نے نہیں کیے وہ اس میں درج ہیں۔ کہا جائے گا کہ فلاں فلاں شخص تمہاری غیبت کرتا تھا۔ اس کی نیکیاں تمہارے نامہ اعمال میں درج کردی گئیں ہیں۔

اس طرح ایک اور شخص لایا جائے گا اور اس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ کہے گا، یہ میرا نامہ اعمال نہیں۔ کیونکہ اس میں جو گناہ درج ہیں وہ میں نے نہیں کیے۔ کہا جائے گا تو فلاں شخص کی غیبت کرتا تھا۔ پس اس کے گناہ تجھے دے دیے گئے اور تیری نیکیاں اس کو دے دی گئیں ہیں۔

عزیزان گرامی! آپ نے حکایات ملاحظہ فرمائیں۔ معلوم ہوگیا آپ کو کہ چغل خوری سو عیبوں کا ایک عیب ہے۔ اس سے ہر ممکن کوشش کیجیے کہ چھٹکارا حاصل ہوجائے۔ اب اس سے قبل کہ اس وعظ کا اختتام کیا جائے۔ آپ کی خدمت میں اللہ کے پاک کلام کی آیت مبارکہ پیش کی جاتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت کرنا ایسا ہے جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھایا جائے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! بچو بدگمانیوں سے یقیناً بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔

اسی آیت میں یوں بیان ہے: وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ۔

ترجمہ: کسی کا بھید نہ ڈھونڈو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو دوست رکھتا ہے کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھاوے، ایسا نہیں ہے بلکہ تم کو مکروہ معلوم ہوتا ہے، اللہ سے ڈرو اور توبہ کرو، بے شک اللہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆